عُرس اور میلے

امان اللہ خاں ارمان سرحدی

پاک و ہند کے عرسوں اور عوامی میلوں کے متعلق مختصر اور جامع معلومات

Marfat.com

Marfat.com

802

عُرس اور میلے

پاکستان وہند میں مدفون بزرگوں کے عرسوں
اور اہم عوامی میلوں کے متعلق مفصل معلومات

مع

حالاتِ بزرگان

کتاب منزل — کشمیری بازار — لاہور

Marfat.com

Marfat.com

عرس اور میلے

Marfat.com

Marfat.com

802

عرس اور میلے

پاکستان و ہند میں مدفون بزرگوں کے عرسوں
اور اہم عوامی میلوں کے متعلق مفصّل معلومات
معہ حالاتِ بزرگاں

مصنّفہ
امان اللہ خان آرمان سرحدی

ناشر
کتاب منزل
کشمیری بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

سلسلہ مطبوعات ۲۴۴

پہلی بار

۱۹۵۹ء

53546

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس
ہسپتال روڈ لاہور میں چھپوا کر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سے شائع کی۔

Marfat.com

انتساب

مصنّف

اپنی اس حقیر کوشش اور ناچیز تصنیف کو

شہنشاہِ اقلیمِ مشائخ، سلطانِ مسندِ طریقت، امامِ سجادۂ شریعت، محبوبِ ربانی قطبِ صمدانی، سرورِ عارفانِ زمانہ، سرحلقۂ محبّانِ یگانہ، اشرفِ زہاد و فخرِ عباد غوث الثقلین، سیّدی، مولائی، ملجائی و ماوی حضرت سیّد محی الدّین ابو محمد

شیخ عبدالقادر جیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

کے اسمِ گرامی سے معنون کرتے ہوئے قارئین کرام سے عرض پرداز ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی یا خامی محسوس کریں تو اُسے مصنّف کی لاعلمی پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائیں۔

"پھول کچھ میں نے چُنے ہیں اُن کے دامن کے لیے"

Marfat.com

Marfat.com

فہرس

پہلا حصہ

عرسہائے بزرگانِ پاکستان

صفحہ	مزار یا عرس کی جگہ	نام بزرگ (عنوان)	نمبر شمار
		انتساب	
۱۷		پیش لفظ	
		(الف)	
۲۱	لاہور	ابوالحسن علیؒ ہجویری (داتا گنج بخش)	۱
۲۶	"	ابواسحاق قادریؒ (شاہ)	۲
۲۷	"	ابوالمعالی قادریؒ (شاہ)	۳
۳۰	میرا شریف	احمد میرویؒ (خواجہ)	۴
۳۲	سیالکوٹ	احمد بیگؒ (شیخ، نوری، نوشاہی)	۵
۳۳	لاہور	اسماعیلؒ (سیّد، گیلانی)	۶
۳۴	"	اسماعیل محدثؒ (شاہ)	۷
۳۵	سیالکوٹ	امام علی لاحقؒ (سیّد)	۸
۴۲	کوٹلہ شریف	امیر الدینؒ (خواجہ) عرف باباصاحب	۹
۴۴	لاہور	ایشانؒ (خواجہ)	۱۰

Marfat.com

صفحہ	مزار یا عرس کی جگہ	نام بزرگ (عنوان)	نمبر شمار
		(ب)	
۴۷	لاہور	بلاولؒ (شاہ)	۱۱
۵۰	قصور	بُلّھے شاہؒ	۱۲
۵۲	ملتان	بہاؤالدین زکریاؒ (شیخ، ملتانی)	۱۳
۵۶	روہڑی	بیدل بیکسؒ	۱۴
		(پ)	
۵۷	پشاور	پنجوؒ (شیخ، پشاوری)	۱۵
۵۸	بونیر	پیر باباؒ	۱۶
		(ت)	
۶۲	لاہور	تاجے شاہؒ (فقیر)	۱۷
		(ج)	
۶۳	لاہور	جان محمد حضوریؒ (سید)	۱۸
۶۵	اوچ شریف	جلال الدین بخاریؒ (مخدوم جہانیاں، جہاں گشت)	۱۹
۶۷	کوٹلی	جلیے شاہؒ	۲۰
۶۸	علی پور شریف	جماعت علی شاہؒ (پیر، حافظ، سیّد)	۲۱
۷۰	"	جماعت علی شاہ لاثانیؒ (پیر)	۲۲
۷۲	لاہور	جمالؒ (شاہ)	۲۳
۷۵	پشاور	جنید باباؒ	۲۴
		چ	
۷۶	لاہور	چراغؒ (شاہ)	۲۵
		ح	
۷۸	پشاور	حسن (سید، گیلانی، پشاوری)	۲۶

Marfat.com

نمبر شمار	نام بزرگ	مزار یا عرس کی جگہ	صفحہ
۲۷	حسُّو تیلیؒ (شیخ)	لاہور	۷۹
۲۸	حسین زنجانیؒ (سیّد)	″	۸۱
	(خ)		
۲۹	خدا بخشؒ (ملتانی، مولانا)	خیرپور	۸۲
	(د)		
۳۰	داؤد کرمانیؒ (شیخ)	شیر گڑھ	۸۴
	(س)		
۳۱	سخی سرورؒ	لاہور	۸۷
۳۲	سخی سرور سلطانؒ (المعروف لکھ داتا)	——	۸۸
۳۳	سُرخ بخاریؒ (جلال الدین منیر شاہ)	اُچ شریف	۹۱
۳۴	سردانیؒ (شاہ)	لاہور	۹۳
۳۵	سیّد سرؒ	″	۹۴
	(ش)		
۳۶	شاہ دولاؒ (گجراتی)	گجرات	۹۵
۳۷	شرفؒ (شاہ)	لاہور	۱۰۰
۳۸	شمس الدین قادریؒ (شاہ)	″	۱۰۱
۳۹	شمس الدینؒ (خواجہ، سیالوی)	سیال شریف	۱۰۲
۴۰	شمس الدینؒ (شیخ، سبزواری، تبریزی)	ملتان	۱۰۵
۴۱	شیر محمدؒ (میاں، شرقپوری)	شرقپور	۱۱۳
	(ص)		
۴۲	صدر الدین عارفؒ (شیخ)	ملتان	۱۱۶
۴۳	صدر دیوان لاہوریؒ (شیخ)	لاہور	۱۱۷

Marfat.com

نمبر شمار	نام بزرگ	مزار یا عرس کی جگہ	صفحہ
۴۴	صوفی (سیّد)	لاہور	۱۱۸
	(ط)		
۴۵	طاہر بندگیؒ (شیخ)	لاہور	۱۲۰
	(ع)		
۴۶	عبدالحکیمؒ (سیّد، گیلانی)	لاہور	۱۲۳
۴۷	عبدالغفورؒ (مخدوم، حافظ، لاہوری)	پشاور	۱۲۵
۴۸	عبدالقادرؒ ثانی (مخدوم، سیّد)	اوچ شریف	۱۲۷
۴۹	عبدالرحمان شاہؒ (المعروف پاک رحمان)	بھڑی شاہ رحمان	۱۳۰
۵۰	عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوریؒ (شیخ)	لاہور	۱۳۲
۵۱	عبدالخالق قصوریؒ (خواجہ)	قصور	۱۳۳
۵۲	عبدالرحمان قصوریؒ (حاجی)	"	۱۳۴
۵۳	عبداللطیفؒ (شاہ، بھٹائی)	بھٹ شاہ	۱۳۵
۵۴	عبداللہؒ (شاہ، قادری)	لاہور	۱۳۹
۵۵	عثمانؒ (سیّد) المعروف شاہ جھولہ بخاری لاہوری	"	۱۴۰
	(غ)		
۵۶	غلام حیدر علی شاہؒ (سیّد، جلالپوری)	جلال پور شریف	۱۴۲
	(ف)		
۵۷	فریدالدینؒ (گنج شکر، بابا)	پاکپتن	۱۴۴
۵۸	فیض الرسولؒ (خواجہ)	دھونکل	۱۵۲
۵۹	فیروزؒ (میر، سیّد، شاہ)	لاہور	۱۵۳
	(ک)		
۶۰	کاکا صاحبؒ	نوشہرہ	۱۵۴

Marfat.com

نمبر شمار	نام بزرگ	مزار یا عرس کی جگہ	صفحہ
۶۱	کاگو (شیخ، شا) چشتیؒ لاہوری	لاہور	۱۵۹
۶۲	کامل شاہؒ (سیّد، لاہوری)	"	۱۶۰
۶۳	کانواں والاؒ (پیر)	گجرات	۱۶۱
۶۴	کمال کیتھلیؒ (خواجہ، سیّد، شاہ)	کیتھل، ملتان	۱۶۲
	(گ)		
۶۵	گھوڑے شاہؒ	لاہور	۱۶۴
	(ل)		
۶۶	لعل شہباز قلندرؒ (سندھی، سوبانی)	سہون	۱۶۵
۶۷	لطیفؒ (بری شاہ)	راولپنڈی	۱۶۷
	(م)		
۶۸	مالن شاہؒ (سائیں مالی، پیر)	مڑھ بلوچاں	۱۶۸
۶۹	محمد جمالؒ (حافظ، ملتانی)	ملتان	۱۶۹
۷۰	محمد سعیدؒ (شیخ، حاجی، لاہوری)	لاہور	۱۷۲
۷۱	محمد سلطانؒ (شیخ، لاہوری) المشہور برگ بینی	"	۱۷۳
۷۲	محمد سلیم چشتیؒ (شیخ، صابری، لاہوری)	"	۱۷۴
۷۳	محمد طاہرؒ (شیخ، لاہوری، نقشبندی، مجددی)	"	۱۷۵
۷۴	محمد فاضلؒ گیلانی (سیّد، متوکل)	"	۱۷۷
۷۵	محمد سعیدؒ (شیخ، صابری، شرقپوری)	شرق پور	۱۷۸
۷۶	محمد سلیمانؒ (شاہ، تونسوی)	تونسہ شریف	۱۸۰
۷۷	محمد صدیق و محمد رفیقؒ (خلیفہ)	آلو مہار شریف	۱۸۵
۷۸	محمد عاقلؒ (خواجہ، قاضی)	کوٹ مٹھن	۱۸۷
۷۹	محمد غوثؒ لاہوری (شاہ)	لاہور	۱۹۰

Marfat.com

نمبر شمار	نام بزرگ	مزار یا عرس کی جگہ	صفحہ
۸۰	محمود سبزواریؒ (سید السادات)	لاہور	۱۹۳
۸۱	مکّیؒ (پیر)	"	۱۹۶
۸۲	موسیٰ آہنگرؒ (شیخ)	"	۱۹۷
۸۳	موسیٰ پاک شہیدؒ (سیّد)	ملتان	۱۹۹
۸۴	مہربان علی شاہ بخاریؒ (سیّد)	اکوڑہ، خٹک	۲۰۱
۸۵	مہر علی شاہ گولڑویؒ (خواجہ)	گولڑہ شریف	۲۰۳
۸۶	موج دریا بخاریؒ	لاہور	۲۰۵
۸۷	مُہکہؒ (پیر)	"	۲۱۰
۸۸	میاں میر لاہوری قادریؒ (شیخ)	"	۲۱۱
۸۹	میاں وڈاؒ (شیخ)	"	۲۱۵
	(ن)		
۹۰	نور الحسن شاہؒ (پیر)	کیلیانوالہ	۲۱۸
۹۱	نور محمد مہارویؒ (خواجہ)	چشتیاں	۲۱۹
۹۲	نور محمدؒ (خواجہ)	چُورا شریف	۲۲۴
	(ی)		
۹۳	یوسف گردیزیؒ (شاہ)	ملتان	۲۲۶

حصّہ دوم

بھارت کے مشہور عرس

۱	شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ	سرہند شریف	۲۲۹
۲	بو علی قلندر پانی پتیؒ	پانی پت	۲۳۵
۳	علی احمد صابر کلیریؒ	کلیر شریف	۲۴۱
۴	قطب الدین بختیار کاکیؒ	دہلی	۲۴۸

Marfat.com

نمبر شمار	نام بزرگ	مقام عرس	صفحہ
۵	معین الدین چشتی اجمیریؒ	اجمیر شریف	۲۵۶
۶	نظام الدین اولیاءؒ	دہلی	۲۶۳

حصّہ سوم
(عوامی میلے)

نمبر شمار	نام میلہ	میلے کی جگہ	صفحہ
	(الف)		
۱	ادرے کا میلہ	سیالکوٹ	۲۷۵
	(ب)		
۲	بسنت کا میلہ	مغربی پاکستان	۲۷۶
۳	بہلول (شاہ) کا میلہ	شاہ بہلول	۲۷۸
۴	بیساکھی کا میلہ	ایمن آباد	۲۷۹
	(ج)		
۵	جھنڈوں کا میلہ	پشاور	۲۸۰
	(چ)		
۶	چراغاں کا میلہ	لاہور	۲۸۳
۷	چوکٹیاں کا میلہ	قصور	۲۸۸
۸	چھتل (پیر) کا میلہ	بلوچستان	۲۸۹
	(خ)		
۹	خانقاہ ڈوگراں کا میلہ	خانقاہ ڈوگراں	۲۹۰
	(س)		
۱۰	سچیار (پیر) کا میلہ	ضلع گجرات	۲۹۱
	(ش)		
۱۱	شاہ جہانگیر کا میلہ	گجرات	۲۹۲
	(ق)		
۱۲	قدموں کا میلہ	لاہور	۲۹۳

Marfat.com

نمبر شمار	نام میلہ	میلے کی جگہ	صفحہ
	(گ)		
۱۳	گلاب شاہ (بابا) کا میلہ	رسول نگر	۲۹۴
۱۴	گلو شاہ کا میلہ	ضلع سیالکوٹ	۲۹۵
	(ہ)		
۱۵	ہرلاں والی کا میلہ	ضلع گوجرانوالہ	۲۹۷
	جن کتابوں سے مدد لی گئی		۲۹۸

Marfat.com

بندۂ پروردگارم امّتِ احمدؐ نبی
دوست دارِ چار یارم تابہ اولادِ علیؓ

مذہبِ اسلام دارم ملّتِ حضرت خلیل
خاکپائے غوثِ اعظمؒ زیرِ سایہ ہر ولی

دوسرے شعر میں ایک لفظ کا تصرف کیا گیا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

تقریبات، جشن یا میلے قوموں کے تہذیب و تمدن کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اور قوموں کی زندگی کا اس لحاظ سے ضروری جزو بھی ہیں کہ ان سے قوموں کے مذہبی، سماجی یا تفریحی مزاج میں اک گونہ استواری پیدا ہوتی ہے۔ بعض تقریبات جو کسی خاص شخصیت یا کارنامے کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہیں ان سے تقریب کا پس منظر یاد آ جاتا ہے اور اس پس منظر میں انسانی فکر و عمل کو جلا بخشنے والی کوئی بات پوشیدہ ہو تو یقیناً وہ تقریب قوتِ فکر و عمل میں نمو پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بزرگانِ دین کے عرس خاص اہمیت رکھتے ہیں ———— عُرس کا مقصد بھی دراصل یہی ہے

اگرچہ ہر چیز کے حسن و قبح کا ایک ظاہری معیار مقرر ہے اور انسانی کردار کے متعلق کسی فیصلہ پر پہنچنے کے لیے بعض اخلاقی یا مذہبی قواعد کے التزام کو بھی اہمیت دی جاتی ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ سب دیکھنے کی چیزیں ہیں اور جب تک انسان کا ظاہر اور باطن آپس میں ہم آہنگ نہ ہوں، محض رواجی انداز میں کسی تقریب یا کسی بھی اچھے کام میں حصہ لینا یا اُسے سرانجام دینا بے کار محض ہوگا، بلکہ اُسے ایک ایسی خود فریبی کا نام دیا جا سکتا ہے، جس سے دوسروں کے لیے بھی قباحتوں کے کئی دروازے کھلنے کا امکان ہو۔ چنانچہ اسی نفسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ تقریبات کے سلسلے میں مزاجوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔

بزرگانِ دین کے عُرسوں کے بارے میں تو یہ حقیقت اپنے عملی اعتبار سے تقدم کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر محض تفریحِ طبع کی خاطر بزرگانِ دین کے مزاروں پر میلے رچائے جائیں تو خواہ ان میں ہزاروں ختم پڑھے جائیں اور لاکھوں افراد کو کھانا کھلایا جائے، اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ حاصل نہ ہوگا سوائے اس کے کہ کچھ لوگ لنگر کی روٹی سے پیٹ بھر کے چلے جائیں گے۔

Marfat.com

ہمارے ملک کے عوام اسلام سے کتنے ہی بے پرواسہی مگر ان میں اولیاء اللہ کی پرستاری کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ بزرگانِ دین سے عقیدت کے نتیجے میں ان کے مزاروں پر دھوم دھام سے عرس منانے کا ذوق و شوق بہت ہے۔ اگرچہ اِس حد سے بڑھے ہوئے رجحان کے نتیجہ میں پاکستان و ہند کی سرزمین پر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں خانقاہیں وجود میں آچکی ہیں جن میں سے بشیتر کی کوئی حقیقت نہیں اور لوگوں کو یہ بھی علم نہیں کہ وہاں کون دفن ہے، تاہم جن بزرگوں کی حیثیت مسلّمہ ہے ان کے مزار آج بھی مرجع خلائق ہیں۔

ضرورت تھی کہ ایسے مزاروں کے متعلّق عوام کو صحیح معلومات بہم پہنچائی جائیں اور عُرسوں اور میلوں کے شائقین کے لیے ایک ایسی کتاب لکھی جائے جو جادۂ شوق پر ان کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے سکے اور اس کے توسّط سے دینی اور علمی استفادے کی صورت بھی پیدا ہو سکے۔

زیرِ نظر کتاب اُنہیں مقاصد کے تحت وجود میں آئی ہے۔ مَیں نے اس میں صرف انھیں بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو پاکستان و ہند میں دفن ہیں اور جن کے حالات مجھے دستیاب ہو سکے ہیں۔ پاکستان میں مسنون جن بزرگوں کے مزاروں پر باقاعدہ عرس منانے کی رسم دیکھنے میں نہیں آئی یا جن کے عرس کی تاریخیں معیّن نہیں، انھیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔

کتاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں چند ضروری گزارشات یہ ہیں:

۱ - ناموں کی ترتیب حروفِ تہجّی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے تاکہ اسمائے گرامی میں تقدّم و تاخر بزرگانِ دین کے تعیّن مراتب کے سلسلہ میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا کرنے کا باعث نہ بنے۔

۲ - چونکہ کسی بزرگ کا عرس منانے والوں کے لیے اُس بزرگ کے حالات جاننا بھی ضروری ہیں اس لیے عرس کے کوائف کے ساتھ ساتھ متعلّقہ بزرگ کے حالات پر بھی روشنی ڈال دی گئی ہے۔

۳ - حالات میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ صرف شجرۂ نسب، خاندان،

Marfat.com

زمانہ، عملی کام اور بزرگ کی روحانی عظمت کے متعلق مختصراً باتیں کہی گئی ہیں۔ غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے خوارق اور کرامات سے بحث نہیں کی گئی۔

۴۔ حتی الوسع مستند کتابوں اور مصدقہ روایات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی فہرست کتاب کے آخر میں موجود ہے۔ تاہم اگر قارئین کرام کو کہیں کسی لغزش کا شبہ گزرے تو وہ ادارہ کتاب منزل لاہور کی معرفت مجھے آگاہ کر سکتے ہیں، جس کے لیے میں اُن کا ممنون ہوں گا۔

۵۔ اگر کسی ایسے عرس یا میلے کا ذکر کتاب میں آنے سے رہ گیا ہو جس کا شامل ہونا ضروری تھا، تو قارئین کرام مجھے آگاہ فرمائیں۔ مناسب سمجھا گیا تو آئندہ ایڈیشن میں اسے شامل کر لیا جائے گا۔

۶۔ بعض عُرس ایسے ہیں جو میلے کی شکل اختیار کر گئے ہیں اور انھیں عرف عام میں میلہ ہی کہا جاتا ہے۔ اس میں عرس کی حیثیت محض ضمنی بن کر رہ گئی ہے۔ لہٰذا ایسی تقریبات کو میں نے میلوں کے تحت بیان کیا ہے مگر اس ضمن میں متعلقہ بزرگ کے حالات بھی بیان کر دیے ہیں۔ مثلاً چراغاں کا میلہ جو دراصل لال حسین اور مادھو کا عرس ہے۔

۷۔ بزرگوں کے متعلق متنازعہ فیہ مسائل کو نہیں چھیڑا گیا بلکہ زیادہ مصدقہ بات پر اتفاق کر لیا گیا ہے۔

۸۔ دوسرے حصّہ میں بھارت میں مدفون صرف چند مشہور بزرگانِ کرام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ تقسیم ہند کے بعد سے بھارت میں منائے جانے والے عرسوں کی اب پہلی سی کیفیت نہیں رہی، یہی چند عرس ایسے ہیں جن کے لیے پاکستان سے کچھ لوگ چلے جاتے ہیں۔

میں ان سجادہ نشین اور دیگر حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میری خواہش پر اپنے اپنے متعلقہ بزرگ کے حالات پر لکھی ہوئی کتابیں مجھے مہیّا کیں یا ان کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔ اس ضمن میں ذیل کے حضرات خاص طور پر میرے شکریّے کے مستحق ہیں:
سید معین الدین شاہ، سجادہ نشین پیر بابا، حکیم نور احمد شاہ ہاشمی، صاحبزادہ محمد فیض علی

Marfat.com

فیضی داد والی شریف، سیّد سیارح الدین کاکاخیل، راحت گل ناظم جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک، خلیفہ محمد سعید صاحب آلو دہار شریف، صاحبزادہ غلام مصطفےٰ ربانی، مولوی فقیر عبداللہ صاحب تیراشریف، حکیم سیّد امین الدین خان صاحب، حکیم سیّد محمود علی شاہ صاحب گیلانی، محمد عارفین قریشی صاحب، محمد عبدالحی صاحب، احسان الحق صاحب قریشی، اللہ دتا میر، مرزا عبدالحفیظ اور عثمان شاہ افریدی۔

میں اپنے مخلص دوست عارف عبدالمتین کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے میری خواہش پر مسودے کو دیکھا اور زبان و بیان کے اعتبار سے اسے اور زیادہ وقیع بنایا۔

لاہور
۶۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء

ارمان سرحدی

Marfat.com

ابوالحسن علی ہجویریؒ (داتا گنج بخش)

لاہور

لاہور میں بھاٹی دروازہ کے باہر مغرب کی طرف حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار واقع ہے جہاں روزانہ بالخصوص جمعرات اور جمعہ کو زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

مزار مزار میلا رام کے کارخانے کے عقب میں واقع ہے۔ مزار کے گرد پہلے ایک وسیع قبرستان تھا مگر رنجیت سنگھ کے عہد میں قبرستان مسمار کر دیا گیا۔ صرف چند قبریں باقی رہ گئیں۔ درگاہ کے بیرونی شرقی دروازہ پر یہ کتبہ نصب ہے:

چوں بنا شد از غلامانِ رسول　　مسجدے بر آستانِ گنج بخش
خواستم سالِ بنائش ناگہاں　　ہاتفے از عاکفانِ گنج بخش
گردن از سجدہ بروں آورد و گفت　　سجدہ گاہِ زائرانِ گنج بخش

اندر داخل ہوں تو بائیں طرف مسجد کا دروازہ ہے جس پر علامہ اقبالؒ کی موزوں کردہ یہ تاریخ نصب ہے:

سال بنائے حرم مومناں　　خواہ ز جبریل وز ہاتف مجو
چشم بہ المسجد الاقصیٰ فگن　　اَلَّذِیْ بَارَکْنَا ہم بگو!

آگے بائیں طرف پہلا مزار چوہدری غلام رسول کا ہے جو مسجد کے بانی تھے۔ پھر مشرق کی طرف سید عمر شاہ کا مزار ہے۔ اس سے آگے دائیں طرف ایک حجرہ ہے جس کے مقفل دروازہ پر "حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتی" لکھا ہے۔

حضرت داتا صاحب کا مزار سنگ مرمر کے چبوترے پر ہے۔ مقبرہ پر ہمیشہ غلاف چڑھا رہتا ہے۔ چبوترے کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فیل بان میاں عوض خان نے ۱۲۴۰ھ میں بنوایا تھا۔ داتا صاحبؒ کے دو پیر بھائی جن کے نام شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابو سعید ہجویری تھے، حضرت کے ساتھ ہی لاہور آئے تھے

Marfat.com

ان دونوں کی قبریں داتا صاحبؒ کے ساتھ ہی ہیں۔

داتا صاحب کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادر زادہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ چبوترہ اور مزار کا تعویذ اُسی زمانے کا ہے۔

درگاہ کے باہر درگاہ سے ملحق ایک بارونق بازار ہے جس میں ہر قسم کی دکانیں ہیں۔

عُرس

درگاہ بارونق جگہ پر واقع ہے اس لیے روزانہ یہاں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر جمعرات اور جمعہ کو خاص طور پر چراغاں کیا جاتا ہے اور لوگ کثیر تعداد میں زیارت کے لیے آتے ہیں۔

داتا صاحب کا عرس ۱۹ اور ۲۰ صفرؑ کو ہوتا ہے۔ عرس کے موقع پر زائرین کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بھاری میلہ لگ جاتا ہے۔ اُن دنوں بھاٹی دروازہ سے مزار پُرانوار تک دکانیں نہایت قرینہ سے سجائی جاتی ہیں۔ سرکس اور ناٹک لگتے ہیں گانا بجانا ہوتا ہے۔ رات بھر پُرزور ہنگامہ جاری رہتا ہے۔ مغربی پاکستان کے دُور دراز علاقوں سے لوگ عُرس میں شرکت کے لیے آتے ہیں۔

ولادت، حسب ونسب اور ابتدائی زندگی

آپ سنہ؁ میں غزنی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اصل نام ابوالحسن علی ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن سیّد عثمان بن سید علی بن عبدالرحمان بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن اصغر بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن علیہ السّلام۔

ابتدائی زندگی کے متعلق صحیح اور پوری تفصیلات کا علم نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ شروع میں غزنی کے ایک گاؤں ہجویر میں رہے چنانچہ اسی نسبت سے ہجویری کہلاتے ہیں۔ علم شریعت کی تکمیل کے بعد طریقت کے منازل طے کرنے کے لیے آذربیجان

لہ ہر سال ۱۰ محرم کو یعنی عرس کی تاریخ سے چالیس دن پہلے مزار کو دھویا جاتا ہے۔ اس کے بعد قبر پر غلاف چڑھاتے ہیں۔ اس موقع پر نعت خوانی ہوتی ہے۔ بھنڈارا وغیرہ ہوتا ہے۔ لوگ نذرونیاز کی چیزیں لے کر آتے ہیں۔

53546

Marfat.com

خوزستان، عراق، بغداد، شام، دمشق، طوس اور دوسرے اسلامی علاقوں کا سفر کیا[1] اور وہاں کے بڑے بڑے علماء اور اولیائے عظام سے کسب فیض کیا۔ جن بزرگوں کی صحبتوں میں رہے ان میں ابوالقاسمؒ قشیری[2]، ابوسعید ابوالخیر، ابوالعباسؒ احمد اشقانی[3]، ابوالقاسمؒ گرگانی۔ ابوالعباس احمد اشقانی، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ورودِ لاہور اسلامی ممالک کی سیاحت کے بعد سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں آپ ہندوستان میں وارد ہوئے اور لاہور میں قیام کیا اور ساری عمر یہیں گزاری۔ یہیں ۴۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔

مشاغل آپ کی علمی استعداد کا اندازہ کرنے کے لیے آپ کی مشہور عالم کتاب "کشف المحجوب" کافی ہے، جو آپ نے آخری عمر میں لکھی۔ علاوہ ازیں آپ نے اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے اکثر ناپید ہیں۔ کتاب الفنا والبقا، اسرار الخرق والمونات، کتاب البیان لاہل العیان، کشف الاسماء، منہاج الدین، بحر القلوب، الرعایۃ لحقوق اللہ وغیرہ آپ کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔

کشف المحجوب "کشف المحجوب" میں حضرت گنج بخشؒ نے تصوّف کے اسرار و رموز پر روشنی ڈالی ہے اور تمام پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے۔ ہندوستان میں اسلامی تصوّف

۱؎ آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں مملکت اسلامی کی سیاحی کا ذکر کرتے ہوئے ان تمام شہروں کے نام تحریر کیے ہیں جہاں جہاں آپ گئے تھے۔

۲؎ شیخ ابوالقاسم قشیری تصوّف کے مشہور رسالہ قشیری کے مصنف ہیں جس کی اکابر اولیا نے شرحیں لکھیں آخر ربیع الاوّل ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ شیخ ابوالقاسم قشیری کا ذکر کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں کہ ابوالقاسم وقت کے ناقد تھے اور میری بات بڑی عزت کے ساتھ سنتے تھے۔

۳؎ ابوالعباس احمد اشقانی کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ بعض علوم میں میرے استاد تھے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جو آپ کی طرح شرع کا پابند ہو۔

۴؎ وفات ۴۵۰ھ خواجہ ابوالحسن خرقانی کے ہم عصر اور سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر میں سے تھے۔

۵؎ آپ کی آمد کے وقت شیخ حسین زنجانی لاہور میں مقیم تھے۔ جس دن حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور پہنچے اُسی دن شیخ نے انتقال فرمایا۔ حضرت داتا صاحب نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔

Marfat.com

کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے، جو کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے محققانہ طرزِ تحریر سے اپنے مجاہدات و مکاشفات اور تمام ذاتی تجربات بیان کیے ہیں۔ مباحثِ سلوک پر تنقید کی بہترین کتاب ہے۔ آخری باب میں سماع پر بحث ہے مصنف کے نزدیک سماع مباح ہے مگر بے ضرورت سننے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت گنج بخش فرماتے ہیں کہ سماع طویل وقفہ کے بعد سننا چاہیے اور محفل سماع میں لڑکے نہیں ہونے چاہئیں۔

کام حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور میں رہ کر اکثر تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے تھے مگر ایک لمحہ کے لیے بھی اشاعتِ اسلام سے غافل نہ ہوئے آپ کی کوششوں سے سینکڑوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان اسلام لانے والوں میں لاہور کا ایک راجہ بھی تھا جو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہؤا۔

مقام تصوّف اور علوم دینیہ میں آپ کا درجہ بہت بلند مانا جاتا ہے بعض مشائخؒ نے اپنے تذکروں میں آپ کو علوم ظاہر و باطن کا جامع قرار دیا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ جیسے اولیائے عظام نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کر کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ داتا صاحب کی درگاہ میں ان دونوں اکابر مشائخ کے اعتکاف کے حجرے موجود ہیں۔

گنج بخش کہا جاتا ہے کہ جب خواجہ معین الدین اجمیریؒ اعتکافؔ[ل] ختم کر کے داتا صاحب کے مزار سے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

ل یہ عبادت کا ایک طریقہ ہے جس میں انسان کچھ عرصے کے لیے دنیا سے قطع تعلق کر کے صرف عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر عبادت کی نیت کی جاتی ہے اور اس مخصوص عرصہ کے لیے آدمی گھر سے نکل کر مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ جاتا ہے اور وہیں عبادت اور شب بیداری کرتا ہے۔ کھانا پینا اور سونا سب وہیں ہوتا ہے صرف حوائجِ ضروریہ کے لیے ادھر اُدھر جا سکتا ہے۔ اس دوران میں گفتگو بھی نہیں کرتا۔ علماء اعتکاف کو سنت قرار دیتے ہیں اور اسے بہت ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اہل فقہ نے رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

چنانچہ اس واقعہ کے بعد آپ کو گنج بخش کے لقب سے بھی پکارا جانے لگا۔

وفات آپ کے سنِ وفات میں اختلاف ہے بعض ۴۶۴ھ اور بعض ۴۶۵ھ بتاتے ہیں مگر ۴۶۵ھ زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ سابقہ:

کیونکہ شب قدر انہی مدت میں آتی ہے۔ چنانچہ راتوں کو جاگنا اور عبادت کرنا بہت ثواب سمجھا جاتا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ بھی آخری عشرہ رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اعتکاف کے لیے دس دن ضروری نہیں اس سے کم مدت کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

ابو اسحاق قادریؒ (شاہ)

لاہور

عرس لاہور میں مزنگ کے مشرق کی طرف شاہ ابو اسحاق قادریؒ کی قبر بتائی جاتی ہے جہاں ہر سال ۵ محرم کو عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ قوالی اور راگ رنگ کی رسم دیکھنے میں نہیں آئی۔

حالات حضرت شاہ ابو اسحاق قادریؒ اپنے وقت کے بڑے فقیہہ اور عالم بتائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ اور حضرت ابو المعالیؒ[1] دونوں پیر بھائی تھے۔ زیادہ حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

---

[1] ابو المعالیؒ کا ذکر آگے آئے گا۔

Marfat.com

ابو المعالی قادریؒ (شاہ)

لاہور

روضہ لاہور میں فلیمنگ روڈ (نزد میکلوڈ روڈ) پر حضرت شاہ ابو المعالیؒ قادری کا مزار ہے۔ مزار کے قریب ایک مسجد ہے جو حضرت شاہ ابو المعالیؒ نے اپنی زندگی میں تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کے مشرق میں ایک کنواں ہے وہ بھی آپ نے خود تعمیر کرایا تھا۔ مقبرہ کے گرد و نواح میں بہت سی دوسری قبریں ہیں جن میں حضرت کی زوجہ محترمہ کے علاوہ کئی رشتہ دار بھی مدفون ہیں۔ مقبرہ میں ہزاروں کبوتر ہر وقت دیکھنے میں آتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے بڑے صاحبزادہ شاہ محمد درویش نے جو "برقعہ پوش" کے نام سے مشہور تھے کبوتر پالے، پھر رفتہ رفتہ اس کا رواج پڑ گیا۔

عرس اور میلے آپ کے مزار پر سال میں چار میلے لگتے ہیں۔ پہلا میلہ عرس کے موقعہ پر ۱۷۔ ربیع الاوّل کو منعقد ہوتا ہے۔ پھر عیدین اور شب برات کے موقعوں پر بھی مزار پر میلے منعقد ہوتے ہیں جن میں دوکانیں سجائی جاتی ہیں۔ قوالی اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ ان تمام میلوں میں کثرت سے لوگ آتے ہیں۔

حسب و نسب ابو المعالیؒ کا اصل نام سید خیر الدین تھا۔ کرمانی سادات میں سے تھے جدی سلسلہ اٹھائیس واسطوں سے حضرت موسیٰ المبرقعہ بن امام محمد تقی الجواد علیہ السّلام کے ساتھ ملتا ہے۔ والد کا نام سید رحمت اللہ اور دادا کا نام میر سیّد فتح اللہ شاہ تھا۔ مرشدی سلسلہ چودہ واسطوں سے سیّد الاولیا حضرت سیّد عبدالقادرؒ سے ملتا ہے۔

آپ کے آبا و اجداد میں سے سیّد فیض اللہ اپنے بیٹے سید مبارک کرمانی کے ہمراہ سنہ ۷۹۶ھ میں کرمان سے ہندوستان آئے اور اوچہ[1] میں سکونت اختیار کی۔ بعد ازاں ملتان کے نواح میں داؤد جال نام ایک قصبہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہ خاندان ۹۲۰ھ میں قصبہ

---

[1] اوچ شریف کو اس زمانہ میں اوچہ کہتے تھے۔

Marfat.com

ستگھرہ میں منتقل ہو گیا۔ دوبارہ وہاں سے ہجرت کر کے شیر گڑھ[1] آ گیا۔ اسی قصبہ میں شاہ ابوالمعالیؒ ۱۰۔ ذوالحجہ سنہ ۹۶۰ھ میں پیدا ہوئے جبکہ ہندوستان پر ہمایوں کی حکومت تھی۔

ورودِ لاہور شیخ داؤد شیر گڑھی سے جو آپ کے حقیقی برادر زادہ تھے بیعت کی اور انھیں کے حکم سے لاہور تشریف لا کر خلق اللہ کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ ورودِ لاہور کے وقت ۵۰ سال کی عمر تھی۔

آپ نے اپنے والد محترم کی صحبت میں رہ کر علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا تھا پھر جب دل میں عشق حقیقی موجزن ہوا تو مستانہ وار نکل پڑے۔ حضرت غوثِ پاکؒ کے عشق میں اویسیہ طریقہ اختیار کر لیا اور جنگلوں کی خاک چھانتے رہے۔ بعد ازاں دہلی گئے وہاں سے لوٹنے پر شیخ داؤدؒ کی مقاربت اختیار کی اور مسند قادریہ پر رونق افروز ہوئے چنانچہ لاہور آ کر اسی سلسلے کی نشر و اشاعت میں سرگرم ہوئے۔ اب آپ قطب الاقطاب کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ لوگ جوق در جوق خدمت میں حاضر ہونے لگے اور آپ انھیں علم و معرفت کی دولت سے مالا مال کرنے لگے۔

کرامتیں آپ کے متعلق بہت سی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں، منجملہ ان کے ایک نمایاں کرامت یہ ہے کہ جو بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا اُسے اُسی شب خواب میں حضرت غوثِ اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت نصیب ہوتی۔[2] تذکرۃ العارفین میں آپ کی کئی اور کرامتوں کا حال بھی درج ہے۔

تصانیف حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے یہ پانچ کتابیں لکھیں: دیوان غربتی[3]، تحفۃ القادری، رسالہ گلدستہ باغِ ارم، رسالہ مونسِ جاں، زعفرانِ زار۔ ایک کتاب ان کے اشعار پر مشتمل ہے۔

---

[1] یہ قصبہ ضلع منٹگمری میں واقع ہے۔ یہیں حضرت شاہ کے پیر و مرشد شیخ داؤد کرمانیؒ کا مزار ہے جن کے حالات یہاں علیحدہ بیان کیے گئے ہیں۔

[2] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل۔

[3] غربتی آپ کا تخلص تھا۔

Marfat.com

وفات آپ کی ولادت دوشنبہ[1] ۱۰۔ ذی الحجہ ۹۶۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۶ یا ۱۷ ربیع الاوّل[2] ۱۰۲۴ھ کو جہانگیر کے عہد میں ہوئی۔

اولاد شاہ ابوالمعالی کے ایک نواسے اور ایک پوتے ان کے وارث تھے۔ ان کی کچھ اولاد پنڈدادن خان اور پشاور کی طرف بھی بتائی جاتی ہے۔

---

[1] سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ۔

[2] منشی محمد دین فوق کی کتاب "یادِ رفتگان" میں سن وفات ۱۰۲۵ھ تحریر ہے۔

Marfat.com

احمد میروی (خواجہ)

میرا شریف

کیمبل پور کی تحصیل پنڈی گھیپ میں میرا شریف نام ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں حضرت خواجہ احمد میرویؒ مدفون ہیں۔ ہر سال ۳ - ۵ محرّم کو وہاں خواجہ صاحب کا سالانہ عُرس منایا جاتا ہے۔ عرس کی تقریبات ختم ہائے قرآن، حمد و نعت اور قوالی پر مشتمل ہوتی ہیں ان ایام میں گاؤں سے باہر ایک چھوٹا سا بازار لگتا ہے جس میں علاقے کی مصنوعات اور عام اشیائے خورد و نوش کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

میرا شریف کا محلِ وقوع میرا شریف جانے کے لیے کُندیاں ملتان ریلوے لائن پر چھب ریلوے سٹیشن پر اُتر کر آگے نو میل پیدل فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ یہ فاصلہ گھوڑے یا اونٹ پر بھی طے کیا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ پنڈی گھیپ سے پیدل نو دس میل ہے۔ زیادہ آمد و رفت چھب ہی کے راستے ہوتی ہے۔

خاندان حضرت خواجہ احمد میرویؒ کے آبا و اجداد کھوکر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سکھوں کے دورِ حکومت میں اپنے وطن علاقہ دریائے چناب سے ہجرت کر کے علاقہ کوہستان میں جا گزین ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام برخوردار صاحب تھا۔

ابتدائی حالات اوائل عمر ہی میں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر لی پھر اپنے ماموں کی وساطت سے خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کیا۔ انھیں کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شاہ محمد سلیمانؒ کی وفات کے بعد آپ تونسہ ہی میں رہ کر طلب علم میں لگے رہے۔

دنیوی لالچ سے بالکل بے نیاز تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے تھے۔

میرا شریف میں آمد تونسہ میں مجاہدہ و ریاضت کرنے اور تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ کو پیرِ طریقت کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس زمانے میں ٹیکسلا کے

Marfat.com

قریب گڑھی افغاناں میں فاضل شاہ نامی ایک بزرگ کا قیام تھا۔ آپ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس بزرگ کا کسی جگہ مستقل قیام نہ تھا عموماً ضلع ہزارہ کے نواح میں پھرتے رہتے تھے۔ آخر میرا شریف کے علاقہ میں پہنچے تو وہاں کی پُرسکون فضا پسند آئی اور وہاں مقیم ہو گئے۔ خواجہ صاحب بھی ان کے ساتھ یہاں رہنے لگے۔

کام میرا شریف میں قیام کے بعد آپ ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے، چونکہ آپ نے خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مشن کی تبلیغ و تکمیل کا فریضہ سنبھالا تھا اس لیے ریاضت و مجاہدہ کے علاوہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں میرا شریف دینی تعلیم کا مرکز بن گیا جہاں کے جاہل اور اجڈ لوگ اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے لگے۔ لنگر جاری کیا گیا جس میں طالب علموں اور درویشوں کی ضروریات کا انتظام تھا۔ ہر ضرورت مند کی حاجت لنگر سے پوری کی جاتی۔ لنگر کی عمارتیں، زمینیں اور مال مویشی سب اسی مقصد کے لیے وقف تھے۔ ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں قیمتی اور نادر کتابیں رکھی گئیں۔

وفات ۵ محرم ۱۳۳۰ھ بروز چہارشنبہ تیرہ دن کی علالت کے بعد ۹۸ برس کی عمر میں وفات پائی اور میرا شریف میں اپنے حجرہ کے اندر دفن ہوئے۔

جانشین خواجہ صاحب کی وصیت کے مطابق خواجہ مولوی احمد خان ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ آپ اعوان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۸۷ھ میں بمقام چکڑالہ ضلع میانوالی پیدا ہوئے اور ۲۱ صفر ۱۳۵۰ھ (۲۲ جولائی ۱۹۳۰ء) وفات پائی۔ حضرت خواجہ احمد میرویؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ کا عرس ۱۹-۲۱ صفر کو منعقد ہوتا ہے۔

Marfat.com

احمد بیگؒ (شیخ، نوری، نوشاہی)

سیالکوٹ

سیالکوٹ میں شیخ احمد بیگ نوریؒ کا مزار مرجع خلائق ہے جو نوشاہیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

آپ نور محمد نوری کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ حاجی محمد نوشا کے بڑے خلفا میں سے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ بلاول نام ایک معلّم جو موضع نوشہرہ کے رہنے والے تھے نوشاہ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مجھے بھی احمد بیگ کی طرح بنا دیں۔ حضرت نوشاہ مسکرا دیے فرمایا کہ میں ہر شخص کو اس کے حوصلہ کے مطابق مرتبہ دیتا ہوں۔ پھر آپ نے اس پر ایسی کیفیت طاری کر دی کہ ہوش میں آنے پر کہا مجھے میرے حوصلہ کے مطابق مرحمت فرمائیں۔

آپ کے زیادہ حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

۱۱۴۰ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

اسماعیلؒ (سیّد گیلانی)

لاہور

روضہ | لاہور میں لکھی محلہ[1] کے اندر حضرت میراں محمد شاہ موج دریا کے مقبرہ میں حضرت کی زوجہ محترمہ کی چار دیواری میں مشہور بزرگ سیّد اسماعیل گیلانی قدس سرہٗ العزیز کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ آپ کے عرس کی تاریخ متعین نہیں۔

آپ اپنے عہد کے بہت بڑے اولیاء اللہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہندوستان پر اکبر حکمران تھا۔ جب آپ کی شہرت اس کے کانوں میں پہنچی تو ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور انھیں لاہور میں طلب کیا اور ان کا بہت عقیدت مند ہوگیا۔ بادشاہ نے فیروزپور کے علاقہ میں ایک ہزار بیگہ زرعی زمین بھی آپ کو نذرانہ کے طور پر دی۔ پھر آپ نے لاہور ہی میں لکھی محلّہ میں سکونت اختیار کر لی جہاں بڑے بڑے تاجر رہتے تھے اور یہ سب آپ کے مرید اور معتقد تھے۔

۹۷۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ اسی سال آپ کے والد بزرگوار بھی فوت ہوئے۔

اولاد | آپ کے تین فرزند تھے۔ سیّد حاجی بہاؤالدین، سیّد بدرالدین اور سیّد قطب الدین سید بہاؤالدین المشہور بہاول شیر بن سیّد محی الدین، بن سیّد شمس الدین بن حاجی بہاؤالدین بن سیّد اسماعیل آپ کی اولاد میں سب سے مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کا مزار میانی کے مغرب میں کوٹ عبداللہ شاہ کی جانب واقع ہے۔

---

[1] پنجاب میں سکھوں کی عملداری سے قبل اس محلہ کا نام لکھی محلّہ تھا اور یہاں کپڑے کے بڑے بڑے تاجر آباد تھے۔ سکھوں کے عہد میں یہ محلہ تباہ ہوگیا

Marfat.com

اسماعیل محدثؒ (شاہ)

لاہور

لاہور میں مہاراجہ پٹیالہ کی کوٹھی کے قریب ایک اونچے چبوترے پر شاہ اسماعیل محدثؒ کا مزار پُر انوار واقع ہے جن کا عرس اسی جگہ ہر سال ۲۷ رجب کو منایا جاتا ہے۔ عموماً انگریز لوگ عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

آپ کے مفصّل حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ بڑے پایے کے ولی اور صاحب تاثیر اور بے مثل واعظ تھے۔

سن وفات ۸۴۴ھ بتایا جاتا ہے۔

Marfat.com

امام علی لاحقؒ (سید)

سیالکوٹ

سیالکوٹ شہر میں قلعہ کے قریب سید امام علی لاحقؒ کا مزار مرجع خلائق ہے جو تغلقوں کے عہد میں سیالکوٹ پر سے ہندو راج کا خاتمہ کر کے اُسے اسلامی سلطنت کے زیر نگین لانے کا موجب تھے۔

مزار یہ مزار جسے عام لوگ امام صاحب[1] بھی کہتے ہیں سڑک سے خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ آس پاس لوگوں کے رہائشی مکانات ہیں۔ مزار کی پشت پر وسیع قبرستان ہے[2]۔ قریب ہی ایک وسیع میدان ہے جو امام صاحب کے حدود میں شامل ہے۔ اس میدان میں تہواروں کے موقع پر دکانیں لگتی ہیں اور کھیل تماشے ہوتے ہیں۔

امام صاحب کے احاطہ مزار میں ان کے اُستاد حافظ علی محمد کا مزار ہے۔ حافظ صاحب کے ساتھ ہی ان کے بیٹے حافظ بدرالدین کی قبر ہے۔ اس سے ملحقہ ایک عالیشان مسجد ہے۔

جس دروازے سے روضے میں داخل ہوتے ہیں اس کے اُوپر دیوار پر روشنی کی ایک سفید لکیر نظر آتی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ لکیر اس وقت سے اسی طرح چمک دکھا رہی ہے جب عمارت تعمیر ہوئی تھی۔ رات کو اندھیرے میں اپنی پوری تجلی دکھاتی ہے۔ اس روشنی کو امام صاحب کی کرامت پر محمول کیا جاتا ہے[3]۔

---

[1] مزار کے قریب ایک چوک کا بھی یہی نام ہے۔

[2] اسی قبرستان میں علامہ اقبالؒ کے والدین کی قبریں بھی ہیں۔

[3] مجھے خود یہ لکیر دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس وقت سید برکت علی نام ایک سجادہ نشین وہاں موجود تھے میرے دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ ایک انگریز حاکم یہاں آیا۔ اسے جب اس روشنی کے متعلق بتایا گیا تو اُسے یقین نہ آتا تھا۔ دروازے کے عین سامنے کچھ فاصلے پر کھڑکی میں شیشہ لگا تھا وہ حاکم سمجھا کہ اس شیشے کا عکس پڑ رہا ہے چنانچہ اُس نے شیشے پر کپڑا ڈال دیا، مگر روشنی جوں کی توں قائم رہی۔ پھر

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

یوں تو عام دنوں میں سینکڑوں زائرین مزار پر آتے جاتے ہیں لیکن جمعرات کو خاص طور پر لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں۔ احاطہ مزار میں ایک مخصوص جگہ پر دن بھر قوالی ہوتی ہے۔ ۲۰ اگست کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

امام صاحب کون تھے؟ جیسا کہ صدر دیوان لاہوریؒ اور سید حسین زنجانیؒ کے حالات میں بتایا جائے گا۔ سید امام علی لاحقؒ، سید اسحاق زنجانی، سید حسین زنجانی اور سید یعقوب زنجانی (صدر دیوان لاہوری) چاروں آپس میں رشتہ دار تھے اور چاروں اکٹھے ترکستان سے ہندوستان آئے تھے۔ اور لاہور میں سکونت اختیار کی تھی۔

سید امام علی لاحقؒ کے والد بزرگوار کا نام سید حسن مکیؒ تھا۔ پہلے شاہی منصب پر فائز تھے پھر اُسے ترک کر کے کانگڑہ کے قریب کسی جگہ گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

سلسلہ نسب آپ کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے یوں ملتا ہے:

امام علی بن سید حسن مکی بن سید احمد بن سید یوسف بن سید اسحاق بن سید ہاشم بن سید عبدالرزاق بن سید عربی بن سید محمد صالح بن سید علی اکبر بن سید طاہر بن سید محی الدین بن سید عبداللہ بن سید ابوالحسن سرآہنگ، احمد بن سید موسیٰ بن سید ابراہیم اصغر بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن حضرت علیؓ۔

آپ بابا فریدالدین شکر گنجؒ کے خلیفہ[1] تھے۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سیالکوٹ آئے تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۳۱) روشنی کے اوپر سیاہی کا برش پھیرا گیا مگر روشنی کی جگہ بدستور چمکتی رہی۔ واللہ اعلم! (مصنف)

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۲۱۴ پر صاحب معارج الولایت کے حوالے سے مذکور ہے کہ جب امام علیؒ سے پہلے دو علی یعنی علی احمد صابرؒ اور علی بہاری بابا شکر گنجؒ سے بیعت کر چکے تھے۔ جب امام علی بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو بابا صاحب نے فرمایا "ایں علی نیز باں ہر دو علی لاحق باشد" چنانچہ اس دن سے لاحق آپ کا خطاب ہو گیا اور "امام علی لاحق" کہلانے لگے۔

Marfat.com

سیالکوٹ کی کیفیت جن دنوں امام صاحب ہندوستان آئے ان دنوں سیالکوٹ پر ایک ہندو راجہ حکومت کرتا تھا۔ اگرچہ ہندوستان پر تغلق حکمران تھے، مگر انھوں نے راجہ سے حکومت چھیننے کا کبھی خیال نہ کیا، تاہم راجہ کو ہر وقت اپنی حکومت کا خطرہ رہتا تھا۔

سیالکوٹ کے راجہ کی نازیبا حرکت کہا جاتا ہے کہ ایک جوتشی نے راجہ کو مشورہ دیا کہ اگر کسی مسلمان کا خون قلعہ کی دیواروں پر چھڑک دیا جائے تو قلعہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے حملے سے محفوظ ہو جائے گا۔

راجہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک مسلمان بڑھیا کے بیٹے کو قتل کر کے اس کا خون قلعے کی دیواروں پر چھڑکا۔ بڑھیا فریاد لے کر امام صاحب کے پاس گئی۔

راجہ کی شامت ان دنوں تخت دہلی پر فیروز شاہ تغلق متمکن تھا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات امام صاحب سے ہوئی تو انھوں نے بڑھیا کی فریاد بادشاہ تک پہنچائی فیروز شاہ کو راجہ کے اس ظلم پر بڑا طیش آیا چنانچہ اس نے امام صاحب ہی کو امیر بنا کر ان کی سرکردگی میں ایک لشکر سیالکوٹ کی طرف روانہ کیا تاکہ راجہ کو اس کی ظالمانہ حرکت کی سزا دے۔

امام صاحب کی پہلی فتح اس لشکر میں امام صاحب کے ساتھ سید میر باز خان ایک قابل جرنیل بھی تھا۔ علاوہ ازیں امام صاحب کے بھائی امام ناصر الدین بھی شریک تھے۔ جب لشکر جالندھر پہنچا تو ناصر الدین نے علالت سے وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے[1]۔ لشکر آگے بڑھا تو جگت پور[2] نام ایک مقام پر سیالکوٹ کے راجہ کا بھائی جگت رام مقابلے میں آیا۔ سخت لڑائی کے بعد امام صاحب نے راجہ کو شکست دی مگر اس جنگ میں امام صاحب کا قابل جرنیل سید میر باز خاں شہید

---

[1] امام ناصر الدین کا مزار جالندھر میں ہے۔

[2] کہتے ہیں یہی وہ مقام ہے جسے اب پسرور کہتے ہیں۔ امام صاحب کے لشکر نے جگت پور کو فتح کرنے کے بعد اس کا نام بدل کر پُرسرور رکھا جو پسرور بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ پسرور کو راجہ پرس رام نے آباد کیا تھا۔

Marfat.com

ہو گیا۔

امام صاحب کی دوسری فتح

جگت پور کا معرکہ سر کرنے کے بعد لشکر آگے بڑھا تو ہنس پور کے مقام پر سیالکوٹ کے راجہ کا ایک اور بھائی سدِ راہ ہوا۔ یہاں بھی معرکے کی جنگ ہوئی جس میں راجہ مارا گیا اور امام صاحب سیالکوٹ پر آ چڑھے۔

سیالکوٹ کی جنگ

سیالکوٹ کے راجہ نے قلعہ کی حفاظت کے تمام انتظامات کر رکھے تھے اور مقابلے کی ٹھان رکھی تھی۔ امام صاحب نے نالہ ایک کے جنوب میں ڈیرے ڈال دیے۔ پھر پورے زور شور کے ساتھ قلعے پر حملہ کیا۔ دو دن کی سخت لڑائی کے بعد امام صاحب شہر میں داخل ہو گئے۔

قلعے کی فتح اور امام صاحب کی شہادت

راجہ قلعے میں گھر گیا۔ امام صاحب نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور کئی روز تک لڑائی ہوتی رہی، بالآخر راجہ نے شکست کھائی اور قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا مگر مسلمانوں کو اس کی بڑی قیمت ادا کرانی پڑی یعنی امام صاحب اور ان کے ساتھ دوسرے کئی بزرگ شہید ہو گئے۔ امام صاحب کی شہادت ۶۸۶ھ میں ہوئی۔[1] چونکہ جو جس جگہ شہید ہوا وہیں اُسے دفن کیا گیا۔ اسی لیے قلعے کے آس پاس امام صاحب کے علاوہ اور بھی کئی شہیدوں کی قبریں ہیں جو امام صاحب کے ہمراہ اس جنگ میں شریک ہو کر شہید ہوئے۔

سید سُرخ رو کا مزار

امام صاحب کے ساتھ شہید ہونے والوں میں ایک کا نام سیّد سُرخ رُو تھا، جو لڑائی کے وقت قلعے کے دروازے کے سامنے شہید ہوئے تھے چنانچہ قلعہ کے دروازے کے اندر ان کا مزار ہے۔

بڑھیا اور اس کے بیٹے کا مزار

جس بڑھیا کے بیٹے کو راجہ نے قتل کیا تھا وہ بھی اپنے ایک اور بیٹے کے ہمراہ جنگ میں شامل تھی۔ دونوں شہید ہو گئے تھے چنانچہ

---

[1] مولوی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیا (جلد اول) میں شجرۂ چشتی اور سیر الاصفیا کے حوالے سے امام علیؒ کا یہی سن وفات تحریر کیا ہے۔

Marfat.com

ان دونوں کے مزارات بھی قلعے کے اندر موجود ہیں۔

پیر مراد کا مزار قلعہ کے ایک گوشے میں پیر مراد کا مزار ہے جنھیں عام لوگ "پیر مرادیا" کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ مزار ایک چھوٹی سی شکستہ عمارت کی شکل میں ہے، جہاں کبھی کبھی لوگ دیے جلا دیتے ہیں۔

بہلول کا مزار امام صاحب کے ساتھ شہادت پانے والوں میں ایک کا نام بہلول بتایا جاتا ہے، جن کا مزار امام صاحب کے مزار سے فرلانگ بھر کے فاصلے پر چوک امام صاحب میں لبِ سڑک واقع ہے۔

ایک بڑے پھاٹک سے گزر کر مزار کے احاطہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں بائیں جانب ایک اونچے پلیٹ فارم پر تین قبریں ہیں۔ ایک بہلول کی قبر ہے اور ساتھ دوسری دو قبریں ان کے ساتھیوں کی ہیں۔ قبروں پر چند درخت احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

پلیٹ فارم کے دائیں جانب چند رہائشی کمرے ہیں جن میں مزار کے متولی وغیرہ رہتے ہیں۔ پھاٹک کے عین سامنے بارہ دری کے نمونہ پر ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس کے عین پیچھے ایک مسجد ہے۔ قبروں کے ساتھ ہی ذرا آگے ایک بوسیدہ دو منزلہ عمارت یا مکان ہے جو متولی کی اقامت گاہ بیان کی جاتی ہے۔

مزاروں کی بے حرمتی بہلول کے حالات میں نے کتابوں میں تلاش کیے مگر نہ مل سکے چنانچہ مجھے سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوا تو میں خود ان کے مزار پر گیا خیال یہ تھا کہ مطلوبہ معلومات کے سلسلہ میں شاید مزار سے متعلقہ لوگوں سے استفادہ کیا جا سکے۔

جب میں احاطہ میں داخل ہوا تو وہاں ایک بڑھیا کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے بڑھیا سے متولی کا پتہ پوچھا۔ اس نے بتایا کہ "حضرت" سامنے مکان کی دوسری منزل میں رہتے ہیں اوپر چلے جائیں۔ میں سیڑھیوں سے اوپر گیا تو بڑھیا نے پھر آواز دی کہ دروازہ نہ کھٹکھٹائیں بلکہ باہر ہی انتظار کریں "حضور" خود باہر آ جائیں گے۔ میں نے پوچھا کب باہر آئیں گے۔ وہ بولی یہ نہیں کہہ سکتے۔ میں نے دروازے کو دیکھا وہ اندر سے بند تھا اور باہر زمین پر ایک نوجوان دیہاتی عورت اور ایک نو عمر لڑکا بیٹھے تھے۔ ان کے پاس گٹھڑی میں بتاشے اور

Marfat.com

مٹھائی بندھی تھی۔ ان لوگوں نے خود ہی مجھ سے کہا کہ ہم تارہ وال سے آئے ہیں اور صبح سے بیٹھے التجا کر رہے ہیں۔ دو گھنٹے گزر چکے ہیں مگر حضور باہر نہیں آئے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا تمہیں اندر سے جواب آیا، وہ بولے اندر سے باتوں کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی ہے مگر حضور باہر نہیں آتے۔ کہتے ہیں انتظار کرو۔ میں نے دروازے پر دستک دی، بار بار کھٹکھٹانے سے جب جواب نہ ملا تو میں نے متولی صاحب کو آواز دی۔ دوسری آواز پر اندر سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی "کون ہے" میں نے جواب میں کہا لاہور سے ایک ملنے والا آیا ہے پھر وہی آواز آئی کون ہے اور کیا کام ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ متولی صاحب کے پاس سوالی آتے ہوں گے اور وہ اسی طرح ان سے دریافت کرتے ہوں گے۔ میرے بلانے پر مجھے بھی انھوں نے سوالی سمجھ کر یوں پوچھا۔ لہٰذا میں نے جواب دیا کہ اگر باہر آ کر ملنے میں کوئی امر مانع ہے تو کہہ دیں میں لوٹ جاتا ہوں اور اگر آپ اپنے سوال کا جواب چاہتے ہیں تو سامنے آئیں تاکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر بات کر سکیں۔ جواب آیا میں نے کپڑے اتار رکھے ہیں، میں نے کہا کپڑے پہن لیجیے میں انتظار کر لیتا ہوں۔ چند لمحے گزرے تھے کہ متولی صاحب نے دروازہ کھولنے کی بجائے اندر ہی سے دیوار کے اوپر سے سر نکال کر مجھے دیکھا اور پوچھا فرمائیے۔ میں نے کہا آپ باہر کیوں نہیں آتے۔ انھوں نے پھر وہی عذر پیش کیا کہ میں نے کپڑے اتار رکھے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کسی سلیقے سے میری بات سنیں تو میں کہوں۔ میں اس طرح دیوار کی اوٹ سے بات سننے سنانے نہیں آیا۔ اس پر انھوں نے کہا اچھا میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ قریباً پندرہ منٹ کے بعد انھوں نے دروازہ کھولا مگر صرف ایک تہہ بند پہنے تھے۔ عمر کوئی تیس پینتیس برس کی ہوگی۔ آنکھوں میں سرمہ اور بدن پر تیل لگا تھا۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر بیچ میں اس طرح کھڑے ہو گئے گویا کمرے کے اندر کی کیفیت کو میری نظروں سے اوجھل رکھنا چاہتے ہیں مگر میں نے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ لیا۔ پھر میں نے بہلولؒ کے متعلق ان سے بعض باتیں پوچھیں جنھیں سن کر وہ کسی سوچ میں پڑ گئے پھر کہا کہ حضور (بہلولؒ) کا حکم ہے کہ ان کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔ میں نے پوچھا کہ ان کا یہ حکم آپ کو کب اور کس طرح ملا تھا؟

Marfat.com

کچھ توقف کے بعد کہنے لگے کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے۔ میں جان گیا کہ متولی صاحب کو بہلول دانا کے متعلق خود کچھ علم نہیں لہٰذا انھوں نے اپنی ناواقفیت پر پردہ ڈالنے کے لیے یوں کہہ دیا ہے۔ میں رخصت ہونے لگا تو بولے جائیں نہیں بلکہ "چائے پانی" پی کر جائیں، میں شکریہ کہتے ہوئے چل دیا۔ میرے رخصت ہونے کے ساتھ ہی وہ عورت جو کئی گھنٹوں سے باہر بیٹھی تھی متولی صاحب سے کچھ "عرض" کرنے لگی مگر میں نے دیکھا کہ انھوں نے جھٹ سے دروازہ پھر بند کر لیا۔ میں سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا تو تین چار آوارہ کتے جو مزارات کے آس پاس پھر رہے تھے، میرے استقبال کے لیے میری طرف لپکے اور وہ اودھم مچایا کہ میں قبروں کے پاس جا کر ان کا جائزہ بھی نہ لے سکا اور چلا گیا۔

اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہ ہوگا کہ بعض مزاروں پر ایسے متولی دیکھنے میں آتے ہیں جو ان مزاروں کو محض کھانے پینے کا وسیلہ یا دنیاوی عیش و آرام کے حصول کا ذریعہ بنائے بیٹھے ہیں اور اپنے مصنوعی تقدس کے ذریعہ عوام کو گمراہ کر کے معاشرے کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ظاہر ہے ان کے اس طریق کار سے اس بزرگ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا، تاہم یہ ضروری ہے کہ مقدس جگہوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے اور انھیں غلط قسم کے لوگوں کی تحویل میں نہ دیا جائے۔

Marfat.com

امیر الدین رح (خواجہ) عرف بابا صاحب
کوٹلہ شریف

کوٹلہ شریف لاہور سرگودھا روڈ پہ لاہور سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر لب سڑک چوہڑکانا ایک قصبہ ہے اس قصبہ سے تھوڑی دور مشرق کی جانب سیم نالہ کے قریب کوٹلہ پنجو بیگ نام ایک چھوٹی سی بستی ہے جو چند کچے گھروں پر مشتمل ہے۔

اس بستی میں نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ خواجہ امیر الدین رح مدفون ہیں جنھیں بابا صاحب کہہ کر پکارا جاتا ہے اور اس بستی کو احتراماً "کوٹلہ شریف" کہا جاتا ہے۔

مزار بابا صاحب کا مزار بالکل سادہ ہے۔ ان کا کچا مکان جس میں سکونت رکھتے تھے۔ اسی طرح موجود ہے۔ مزار سے ملحقہ ایک چھوٹا سا جوہڑ ہے۔ پاس ہی ایک پختہ مسجد ہے جو میاں شیر محمد رح شرقپوری نے بنوائی تھی۔ بابا صاحب کی قبر کے ساتھ ان کے خادم اور مرید خاص میاں محمد الدین رح عرف مصلّی کی قبر ہے۔

عُرس بابا صاحب کا عُرس ہر سال ماہ ذی قعدہ میں بڑے خاموش اور پُر سکون طریقہ پر منایا جاتا ہے۔

ابتدائی حالات بابا صاحب رح کا نام امیر الدین تھا۔ ۱۲۰۷ھ میں ضلع گورداس پور (مشرقی پنجاب) میں دھرم کوٹ کے مقام پر گگے زئی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دھرم کوٹ ہی میں حاصل کی۔

ارادت ان دنوں رتڑ چھتر میں جو دھرم کوٹ کے قریب ہی تھا ایک نقشبندی بزرگ سید امام علی شاہ رح ساکن مکان شریف کی ولایت کی بڑی دھوم تھی۔ بابا صاحب رح بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔

ملازمت سید صاحب کی ہدایت کے مطابق بابا صاحب رح نے پولیس کی ملازمت کر لی لاہور میں ہلّہ نام گاؤں کی پولیس چوکی پر تھانیدار کی حیثیت سے تعینات رہے۔ مگر طبع

Marfat.com

درویش منش انسان تھے۔ زیادہ وقت ذکر و فکر میں گزرتا۔ پولیس چوکی کے قریب ایک ٹیلے پر آپ نے مسجد بنوائی اور اسی میں ذکر و فکر کیا کرتے۔ چونکہ ملازمت ان کی دینی ریاضتوں کے راستہ میں رکاوٹ تھی اس لیے بہت جلد مستعفی ہو گئے اور پوری توجہ اور دلجمعی سے اللہ اللہ کرنے لگے۔

کوٹلہ پنجو بیگ میں آمد آپ کے مرشد سید امام علی شاہؒ کو کوٹلہ پنجو بیگ میں کچھ اراضی بطور جاگیر ملی تھی۔ سید صاحب نے اس کے انتظام کے لیے بابا صاحب کو وہاں بھیج دیا۔ بابا صاحب وہاں اُٹھ آئے۔ اس وقت تک آپ جادۂ طریقت کے شہسوار بن چکے تھے۔ چنانچہ آپ کی عظمت چھپی نہ رہی اور جلد ہی بستی اور اس کے قرب وجوار کے لوگوں کو آپ کی باطنی کیفیت کا اندازہ ہو گیا اور دُور دُور سے لوگ اظہارِ عقیدت کے لیے آنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غیر آباد جگہ رفتہ رفتہ آباد ہو گئی اور بابا صاحب کے احترام کے طور پر اسے کوٹلہ شریف کہا جانے لگا۔

وفات بابا صاحب نے سوا سو سال کی عمر پائی۔ ۱۹۱۲ء میں انتقال فرمایا۔

خلفاء آپ کے ایک خادم کا نام میاں محمد دین تھا۔ وہی آپ کے خلیفہ بتائے جاتے ہیں۔ آپ کو مُصلّی کا لقب دیا گیا تھا۔

میاں محمد دین مصلی بھی ضلع گورداسپور کے باشندے تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں اسی ضلع کے ایک قصبہ مسانیاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام الٰہی بخش تھا جو قصبہ کے ایک معزز تاجر تھے۔

آپ نے بابا صاحبؒ کی وفات تک ان کی خدمت کی۔ بابا صاحبؒ سے بے انتہا محبت تھی، وہ بھی دل و جان سے انھیں چاہتے تھے مگر بابا صاحبؒ اپنے آخری ایام میں ان سے ناراض ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود میاں محمد دین نے بابا صاحبؒ کا ساتھ نہ چھوڑا اور ہمیشہ ان کی دلجوئی کی کوشش کرتے رہے۔ بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے اپنی قبر بابا صاحبؒ کی قبر کے ساتھ بنوالی تھی۔

وفات ۳۔ ذوالحجہ ۱۳۶۳ھ میں کوٹلہ شریف میں وفات پائی اور مرشد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

Marfat.com

ایشانؒ (خواجہ)

لاہور

لاہور میں بیگم پورہ سے متصل عہد مغلیہ کے نقشبندی بزرگ خواجہ خاوند محمود نقشبندی، المعروف خواجہ ایشانؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

ابتدائی حالات اصل نام خاوند محمود تھا۔ شیخ سرہندیؒ کے ہم عصر تھے۔ بخارا میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ بارہ برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ پھر سمرقند، ہرات، قندھار، کابل وغیرہ کی سیاحت کی اور کشمیر پہنچے۔ بہت شیریں بیان تھے اور وعظ بڑا پر تاثیر ہوتا ہوتا تھا۔ چنانچہ بڑی آسانی سے مجمع کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ ان خصوصیات کی بناپر کشمیر میں آپ کے سلسلے کو بہت فروغ ہوا۔

شیعہ سنی مناقشات کشمیر میں ان دنوں شیعہ اور اہل سنت کے درمیان بلوے ہوئے چنانچہ جہانگیر نے ایشانؒ کو کشمیر سے اکبر آباد بلا لیا پھر وہ بادشاہ کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ شیخ محمد اکرام "رودِ کوثر" میں لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ عہدِ مغلیہ میں شیعہ سنی مناقشات زیادہ تر نقشبندیہ سلسلے کی ایک اور شاخ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کے بانی خواجہ خاوند محمود نقشبندی المعروف بہ حضرت خواجہ ایشانؒ تھے۔۔۔۔۔۔۔
>
> کشمیر میں آپ کے سلسلے کو خاص فروغ ہوا۔ یہاں ان دنوں شیعہ سنی سوال زوروں پر تھا۔ دربارِ دہلی کی طرف سے نواب مظفر خاں والیٔ کشمیر تھا۔ قضارا شیعوں اور اہلِ سنت کے درمیان بلوہ ہوا اور بہت سے کشت و خون کے بعد قاضی ابو القاسم اور قاضی محمد عارف کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ انھوں نے اہل تشیع کی سزا دہی میں توقف کیا۔ اس سے اہل سنت ناراض ہو گئے اور خواجہ خاوند محمود کی سرکردگی میں شہر چھوڑ کر ہفت چنار آ گئے۔ ناظم صوبہ

انھیں آگرہ منا کے لے گیا اور شیعوں کے خلاف کارروائی بھی کی، لیکن اس نے ساتھ ساتھ دربارِ شاہی میں خواجہ کی شکایت لکھی۔ چنانچہ دربار میں بلائے گئے اور ان کے متعلق فیصلہ ہوا کہ وہ شاہی لشکر کے ساتھ ساتھ رہیں۔ کشمیر واپس نہ جائیں۔ اس کے بعد وہ مختلف مقامات میں شاہی لشکر کے ساتھ رہے۔۔۔"

"خواجہ خاوند محمود تو شاہی حکم کے بعد کشمیر نہیں گئے[1] لیکن شیعہ سُنّی چپقلش ان کے جانشینوں کے عہد میں جاری رہی۔ ان کے ایک سجادہ نشین خواجہ کمال الدین نقشبندی تھے انھوں نے شیعوں کی مخالفت جاری رکھی اور ان کی کوششوں سے امین نامی ایک شیعہ کو قتل کی سزا ہوئی۔ اس پر شیعہ برافروختہ ہو گئے اور ایک آدمی کو آمادہ کیا کہ وہ خواجہ صاحب کو شہید کر دے۔ چنانچہ ۲۹ رجب ۱۱۸۰ھ کی رات کو (یعنی مرزا جانجاناں کی شہادت سے پندرہ سال پہلے) آپ اپنی خانقاہ میں شہید کر دیے گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد شیعوں سنیوں میں پھر بلوے ہوئے۔ کئی شیعے خواجہ کی شہادت کی پاداش میں قتل کیے گئے۔ خواجہ کمال الدین کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ سعید الدین سجادہ نشین ہوئے، لیکن وہ عین جوانی میں وفات پا گئے۔ اس کے بعد سجادہ نشینی کے مسئلے پر خاندان میں سخت جھگڑے ہوئے۔ "نوبت بہ قتال و جدال رسید" اس سے اس خاندان کا بازار سرد پڑ گیا، لیکن خواجہ خاوند محمود کے خاندان کے بزرگ کشمیر میں موجود ہیں اور اس مملکت میں نقشبندیہ سلسلہ اب بھی قائم ہے۔"[2]

لاہور میں سکونت | جہانگیر کی وفات کے بعد خواجہ صاحب نے لاہور میں سکونت

---

[1] منشی محمد دین فوق کا بیان قدرے مختلف ہے" یادِ رفتگاں" صفحہ ۵۶ پر وہ لکھتے ہیں کہ جب کشمیر میں بلوہ ہوا تو جہانگیر نے خواجہ ایشاں کو اکبر آباد بلا لیا اور ان کا روزینہ مقرر کر دیا ہمیشہ لشکر کے ساتھ رکھا۔ جہانگیر ان کی کمال عزت کیا کرتا تھا۔ پھر یہ کہ جب بادشاہ کشمیر کی سیر کے لیے جاتا تو خواجہ صاحب کو ساتھ لے جاتا۔ آخری سفر کشمیر کے وقت بھی خواجہ صاحب جہانگیر کے ساتھ ہی تھے اور اس کی لاش کے ساتھ ہی لاہور واپس آئے تھے۔

[2] رودِ کوثر صفحہ ۲۲۳-۲۲۴

اختیار کر لی۔ اپنی خانقاہ بھی یہیں بنا لی۔ جب شاہجہان لاہور آیا نواب آصف جاہ کی معرفت کچھ رقم خواجہ صاحب کی نذر کی جس میں سے کچھ خانقاہ کی تعمیر میں لگائی اور کچھ روپیہ کشمیر کی خانقاہ اور مسجد پر لگایا۔ جب شاجہاں لاہور کی سیر کرنے کے بعد دہلی لوٹا تو خواجہ صاحب کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد آپ لاہور واپس آگئے۔

نواب وزیر خاں کہا جاتا ہے کہ نواب وزیر خاں جس کے نام سے لاہور کی مسجد وزیر خاں منسوب ہے اُسے خواجہ صاحب سے بہت عقیدت تھی انھیں کے وسیلہ سے وہ لاہور کا صوبیدار مقرر ہوا اور بڑے مرتبے کو پہنچا۔

دینی مشاغل جس جگہ خواجہ صاحب کا مزار ہے یہاں انھوں نے ایک باغ بھی لگایا تھا اور اسی میں سکونت رکھتے تھے۔ احکام شرع کے سختی سے پابند تھے۔ ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ میں وعظ کرتے جہاں ہزاروں سننے والے موجود ہوتے۔ فصاحت و بلاغت اور شیریں زبانی کے باعث لوگ آپ کے وعظ سے بہت متأثر ہوتے تھے۔ مسئلہ وحدۃ الوجودی کے متعلق حضرت میاں میر لاہوری کے ساتھ تحریری بحث مباحثہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

وفات ۱۲ شعبان ۱۰۵۲ھ میں اسی باغ کے اندر وفات پائی۔

Marfat.com

بلاولؒ (شاہ)

لاہور

مزار اور عُرس لاہور میں شالامار باغ کے قدیم راستے کے شمال اور باغ راجہ دینا ناتھ کے مشرق کی جانب عہد شاہجہان کے ایک باکمال اور باکرامت بزرگ شاہ بلاولؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۲۸ شعبان کو حضرت کا عرس منایا جاتا ہے۔

آتش بازی عُرس کے موقع پر آتش بازی بھی چلائی جاتی ہے۔ اور یہ رواج سکھوں کے زمانے سے چلا آتا ہے۔ سکھوں کے عہد میں یہاں آتش بازی بڑے زور شور سے ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ رواج کم ہونے لگا۔ آجکل بھی آتش بازی ہوتی ہے مگر کم۔

خاندان شاہ بلاولؒ کا اصل وطن ہرات ہے۔ آپ کے جدِ امجد شہنشاہ ہمایوں کے ساتھ ہرات سے ہندوستان آئے، جہاں ہمایوں نے انھیں شیخوپورہ[1] کا علاقہ رہنے کے لیے دیا اس وقت ہمایوں شیر شاہ سوری سے برسرِ پیکار تھا۔

ابتدائی حالات شاہ بلاولؒ ۹۶۸ھ میں بہ عہدِ جہانگیر پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں بچپن ہی سے آپ کے اندر بزرگی اور کرامات کے آثار پائے جاتے تھے۔ چنانچہ بچپن کے دو واقعات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ لڑکپن میں جبکہ آپ کی عمر چھ سات برس کی تھی آپ کے ساتھ کھیلنے والے لڑکوں میں سے ایک لڑکا مر گیا۔ اُس کی ماں روتی ہوئی جا رہی تھی۔ بلاولؒ نے اُسے روتا دیکھ کر پوچھا کیا ہوا۔ عورت نے بتایا کہ میرا فلاں بچہ جو تمھارے ساتھ کھیلا کرتا تھا مر گیا ہے۔ بلاولؒ نے کہا مرا نہیں بلکہ سو رہا ہوگا آؤ مجھے دکھاؤ۔ وہ عورت بلاولؒ کو اپنے گھر لے گئی اور لڑکے کی لاش کے پاس کھڑا کر دیا۔ بلاول نے مردہ لڑکے کو مخاطب کر کے کہا دوست اٹھو۔ کھیلنے کا وقت ہے۔ اتنا کہنا تھا کہ لڑکا آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا، گویا واقعی وہ سو رہا تھا۔

---

[1] یہ علاقہ لاہور سے قریباً دس بارہ کوس کے فاصلے پر ہے۔

Marfat.com

بلاولؒ کی اس کرامت پر لوگ بڑے متعجب ہوئے اور دور ونزدیک اس کا چرچا ہو گیا آپ کے والد کو بھی پتہ چل گیا چنانچہ والد نے انھیں تعلیم کے لیے لاہور میں شیخ فتا کی مسجد میں بھیجدیا۔

دوسرا واقعہ پڑھنے کے معاملہ میں ابھی تک بالکل کورے تھے، مگر جب پہلے ہی دن اُستاد نے الف ب پڑھایا تو بے کم وکاست سارا قاعدہ خود بخود پڑھ کر سنا دیا۔ استاد نے ان کے والد سے کہا کہ آپ کہتے تھے لڑکے نے ابھی تک کچھ نہیں پڑھا مگر وہ تو سارا قاعدہ پڑھ گیا۔ والد بزرگوار نے کہا نہیں اس نے تو ابھی تک الف ب بھی نہیں پڑھی۔ چنانچہ اُستاد سمجھ گیا کہ شاہ بلاولؒ کی یہ علمی استعداد یقیناً ان کے کسی غیر معمولی مستقبل کی نشاندہی کرتی ہے چنانچہ اُستاد نے انھیں قرآن حفظ کرایا جو انھوں نے چھ ماہ میں ازبر کر لیا اور بڑا ہو کر وہی کچھ نکلے جس کے متعلق آپ کی کرامات اشارہ کرتی تھیں اور جس کا آپ کے والد اور اُستاد نے قبل از وقت اندازہ کر لیا تھا۔

عادات واخلاق اور بزرگی آپ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ شیخ شمس الدین کے مرید تھے۔ مریدی کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت غوث اعظمؒ تک پہنچتا ہے۔ عبادت وریاضت میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر یاد الٰہی کیا کرتے تھے۔ نماز کے سختی سے پابند تھے۔ دیگر امور شریعت پر بھی پورا پورا عمل تھا۔ تمباکو جیسے معمولی نشہ کی چیز سے بھی احتراز کرتے تھے۔ اکثر مراقبہ میں رہتے۔ ہزاروں مرید مجلس میں آتے اور علوم ظاہری وباطنی سے استفادہ کر کے جاتے۔ ہزاروں روپیہ آتا جس سے عظیم الشان لنگر جاری کیا۔ کہتے ہیں شاجہاں نے آپ کے لنگر کے اخراجات دیکھ کر لنگر کے لیے ایک بڑی رقم انھیں دی۔

چور کا واقعہ آپ کا لنگر خانہ چونکہ بہت بڑا تھا اور باورچی خانہ میں بڑی بڑی قیمتی چیزیں پڑی رہتی تھیں اس لیے ایک دفعہ وہاں چور آگیا جونہی وہ باورچی خانے میں داخل ہوا اس کی بینائی جاتی رہی۔ حیران ہوا کہ کیا کروں اور کس طرح واپس جاؤں۔ وہ ایک کوٹھڑی میں چھپ گیا۔ جب دن کے وقت لوگ لنگر سے کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو شاہ بلاولؒ نے خادموں سے کہا کہ فلاں کوٹھڑی میں جاؤ وہاں ایک شخص ابھی بھوکا ہے اُسے بھی کھانا کھلادو

Marfat.com

ملازموں نے وہاں جاکر دیکھا تو اندھا چور وہاں موجود تھا۔ اُسے کھانا کھلایا گیا پھر شاہ بلاول ؒ نے اُسے کچھ نقد روپیہ بھی دیا۔ چور نے شرمندہ ہوکر عرض کیا یا حضرت میں چوری سے توبہ کرتا ہوں دُعا فرمائیں کہ میری بینائی لوٹ آئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔

مقبولیت عام لوگوں کے علاوہ سلطنتِ مغلیہ کے بڑے بڑے رؤسا اور سردار بھی آپ کی بہت قدر کرتے تھے اور دل سے عقیدت مند تھے۔ خود شاہجہان آپ کے معتقدوں میں سے تھا۔ آپ کے پاس دُور دُور سے مظلوم اور حاجت مند حاکموں سے سفارش کرانے کے لیے آتے مگر آپ نے کبھی کسی کو خالی نہ لوٹایا ہمیشہ ہر شخص کی جائز مدد کی۔ دو کاتب ہر وقت پاس رہتے تھے جن کا کام خط و کتابت کرنا تھا۔ سفارشی خطوط بھی وہی لکھا کرتے تھے۔

وفات دوشنبہ ۲۸ شعبان سنہ ۱۰۴۶ھ میں بعمر بہتر سال شاہجہان کے عہد میں وفات پائی اور کنارِ راوی دفن ہوئے۔ کچھ مدت گزری قبر کو دریا کی زد سے بچانے کے لیے صندوق وہاں سے نکال کر اس مقام پر دفن کیا گیا جہاں اب آپ کا روضہ ہے۔ جس جگہ پہلے آپ کی قبر تھی وہ جگہ اب شاہ بلاول ؒ کا بن کہلاتی ہے۔

Marfat.com

بُلھے شاہؒ

قصور

قصور (ضلع لاہور) میں شہر کے اندر پنجاب کے مشہور صوفی بزرگ اور شیریں نوا شاعر بُلھے شاہؒ کا مزار مرجع خلائق ہے جنھوں نے پنجابی زبان کی کافیوں میں معرفت کے وہ دریا بہائے کہ اُن کا نام خدا رسیدہ بزرگوں اور مجذوبوں میں لیا جاتا ہے۔ پنجاب بھر میں ان کی کافیاں زبان زدِ عام و خاص ہیں۔

حالات بُلھے شاہؒ سید عنایت قادری شطاریؒ کے مرید بتائے جاتے ہیں جو شاہ رضا شاہ قادری شطاریؒ لاہوری کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ مرشد نے خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد سیّد عنایت کو قصور کی طرف بھیج دیا تاکہ وہاں خدمتِ خلق کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ قصور میں آپ کے سینکڑوں عقیدت مند تھے[1]۔

بُلھے شاہؒ کی شاعری جب بُلھے شاہ نے شاعری شروع کی اور مرشد کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے یہ بات پسند نہ کی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ مگر جب انھوں نے ان کے اشعار سُنے تو اُن کی غلط فہمی دُور ہو گئی اور بلھے شاہ کی عالی دماغی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ پیر و مرشد نے شاگرد کی کافیوں میں علم و معرفت اور حکمت کی باتیں دیکھیں تو انھیں شاعری کی پوری پوری اجازت دے دی۔ مرشد کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلھے شاہؒ نے سینکڑوں کافیاں کہہ ڈالیں اور وہ اس قدر مقبول ہوئیں کہ آج بھی لوگ انھیں بڑے شوق سے گاتے اور سنتے ہیں۔ انھیں کافیوں کے طفیل بلھے شاہ کو لافانی شہرت نصیب ہوئی۔

کافیوں کے نمونے نمونے کے طور پر آپ کی دو ایک کافیاں درج کی جاتی ہیں، فرماتے ہیں:

---

[1] خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ آخری عمر میں شاہ عنایت قصور کے افغان حاکم حسین خان سے کبیدہ خاطر ہو کر لاہور چلے آئے تھے۔ چنانچہ یہیں ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

پڑھ پڑھ علم لگاویں ڈھیر قرآن کتاباں چار چوفیر
گردے چانن وچ انھیر باجھوں رہبر خبر نہ سار
علموں بس کریں او یار
ہکو الف ترے درکار

اس قافی میں علمائے سُو کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ کہ عالم کے چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر لگے ہیں۔ گویا اس کے اردگرد کتابوں کی شکل میں علم کی روشنی پھیلی ہوئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ خود اس کے اندر اندھیرا ہے کیونکہ مرشد کے بغیر وہ محض کتابوں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسے علم سے بہتر ہے کہ وہ اُس سے کنارہ کش رہے۔ اُسے اگر ضرورت ہے تو ایک "الف" کی ضرورت ہے۔

پھر اس الف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'الف' اللہ نال رتا دل میرا مینوں 'ب' دی خبر نہ کائی
'ب' پڑھدیاں مینوں سمجھ نہ آوے لذت 'الف' دی آئی
'عین' تے 'غین' نوں سمجھ نہ جاناں گل 'الف' سمجھائی
بُلھا شاہ قول 'الف' دے پورے جیہڑے دل وچ رکھن صفائی

اس قافی کا مطلب یہ ہے کہ الف اور ب کے اصل معنی وہ نہیں جو سکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے 'ب' کے پڑھنے میں وہ لطف نہیں ملتا جو الف کے پڑھنے میں حاصل ہوتا ہے اور افسوس ہے کہ میرا یہ مطلب لوگ نہیں سمجھتے۔ سمجھنا چاہیے کہ توحید کے عاشقوں کی اصطلاح میں الف اللہ کو کہتے ہیں اور ب عالم کو۔ پس یہ طے شدہ اور آزمودہ بات ہے کہ الف یعنی اللہ ہی کے ذکر سے دل کی صفائی ممکن ہو سکتی ہے اور کسی طریقہ سے نہیں۔

غرض بُلھے شاہؒ کی قافیاں معرفت و حکمت، دانائی اور عبرت کی باتوں سے لبریز ہیں۔ قصور بجا طور پر ایسے باکمال شخص کے مدفن پر فخر کر سکتا ہے۔

Marfat.com

بہاؤالدین زکریاؒ (شیخ، ملتانی)

ملتان

ملتان میں قلعہ کی اُونچی سطح پر اس خطے کے مشہور و معروف بزرگ بہاؤالدین زکریاؒ کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ ۷ صفر المظفر کو یہاں حضرت کا عرس بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے، جس میں پاکستان کے علاوہ بھارت سے بھی ان کے عقیدت مند اور مرید شرکت کرنے آتے ہیں۔ عرس کے علاوہ عام دنوں میں بھی مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

نام و نسب حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کا وطن مکہ مکرمہ ہے۔ قبیلہ ہباری اسدی (قریشی) ہے، جو دوسری صدی ہجری میں سندھ میں آباد ہوا غالباً کچھ دنوں کے بعد سکھر کے علاقہ میں محمد نور نامی قصبہ میں جا بسا پھر پانچویں صدی ہجری میں وہاں سے ملتان آیا[1] اور آج تک وہیں موجود ہے۔ حضرت بہاؤالدین ۵۷۸ھ میں یہیں تولد ہوئے[2]۔ آپ کی والدہ اور بابا فرید گنج شکرؒ کی والدہ سگی بہنیں تھیں۔

ابتدائی حالات بارہ سال کے ہوئے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس دوران میں قرآنِ پاک حفظ کر چکے تھے۔ ابتدائی دینی تعلیم بھی پا لی تھی۔ لہٰذا اب خوارزم کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں جا کر مزید تعلیم حاصل کریں۔

سیاحت اور تحصیلِ علم خراسان، بلخ، بخارا اور بغداد ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں کے مشہور مدارس میں تعلیم حاصل کی، حدیث پڑھی، منقولات و معقولات میں درجۂ تبحر حاصل کیا۔ پھر مکہ گئے، حج کیا اور بیت المقدس پہنچے۔ انبیائے کرام کے مقابر کی زیارتیں کیں۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے ملے پھر روحانی

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص۳۵۵ بحوالہ تاریخ سندھ ابوظفر ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ص۳۵۵۔ بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ کے جد بزرگوار نے مکہ معظمہ سے نکل کر پہلے خوارزم میں توطن اختیار کیا پھر ملتان آئے۔

[2] اخبار الصالحین میں آپ کی پیدائش بمقام قلعہ کوٹ کروڑ متصل ملتان ۵۶۵ھ یا ۵۶۶ھ میں بتائی گئی ہے۔

Marfat.com

فیوض و برکات لے کر بغداد واپس آئے جو اس وقت دنیائے اسلام کا بہت بڑا علمی مرکز تھا۔

عطائے خلافت بغداد میں ان دنوں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا طوطی بول رہا تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ سترہ دنوں کے اندر اندر انھوں نے آپ کو باطنی دولت سے مالا مال کر دیا۔ درجۂ ولایت پر پہنچا کر خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور حکم دیا کہ ملتان جا کر وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچائیں۔

ملتان کو واپسی اور کام آپ ۶۱۴ھ میں ملتان واپس پہنچے۔ اس وقت چھتیس سینتیس سال کی عمر تھی۔ طبیعت میں بلا کا جوش، ولولہ اور حوصلہ تھا چنانچہ بڑے زور شور سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ملتان کی حالت چند سال کے اندر اندر بدل کر رکھ دی۔ ہر طرف مسجدیں، مدرسے اور لنگر بن گئے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں تعمیر ہو گئیں، نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت کے فیوض و برکات سے منور ہو گیا۔ ملتان کا مدرسہ سارے ہندوستان کی مرکزی اسلامی یونیورسٹی بن گیا، جس میں تمام دینی اور دنیوی علوم و فنون اور منقولات و معقولات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت بہاؤالدینؒ خود اس یونیورسٹی کے مہتمم اعلیٰ تھے۔ ہندوستان کے علاوہ عراق، شام اور حجاز تک سے طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے اور ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔

تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ خوراک اور رہائش کا انتظام بھی مدرسے کی طرف سے ہوتا تھا علاوہ ازیں تعلیم سے متعلقہ سب چیزیں یعنی قلم، دوات، سیاہی، کاغذ، کتابیں وغیرہ بھی مفت مہیا کی جاتی تھیں۔ ان مدارس سے بڑے بڑے جید علماء علم حاصل کر کے نکلے۔

بہاؤالدین زکریاؒ کا سارا ہندوستان عقیدت مند تھا بلکہ بیرونِ ہند بھی آپ کے قدردان موجود تھے۔ چنانچہ ان تمام اخراجات کے لیے روپے کی کمی نہ ہو سکتی تھی۔

علومِ باطنی کا اہتمام یہ سب اہتمام ظاہری اور دنیوی علوم کے سلسلے میں تھا۔ باطنی علوم یا علومِ الٰہیہ کے لیے ایک جدا خانقاہ تھی جس میں ہندوستان کے علاوہ چین، ترکستان، مصر، بغداد اور دوسرے علاقوں کے طالبانِ حقیقت کا اجتماع رہتا تھا، جسے آپ اس قابل سمجھتے تھے اُسے خرقۂ خلافت عطا فرماتے تھے۔ اس خانقاہ میں خواجہ غریب نوازؒ، حضرت قطب الاقطابؒ

قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت جلال الدین تبریزی اور فرید الدین شکر گنج بھی آکر قیام کرتے تھے۔ باکمال صوفیا، اور اولیاء کا ہمیشہ اجتماع رہتا تھا۔

اس خانقاہ میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ عام خانقاہوں کی طرح یہاں دنیوی راحت و آرام سے مکمل کنارہ کشی کی تعلیم نہ دی جاتی تھی بلکہ عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے اور روپیہ کمانے کی ممانعت نہ تھی۔ حکم تھا کہ زندگی آرام سے گزارنے کے لیے روپیہ بھی کمایا جائے مگر گناہ سے بچا جائے اور اطاعت اور ذکرِ الٰہی سے بھی غفلت نہ برتی جائے۔

آپ کا ذاتی تموّل آپ کی اپنی دولت کا بھی شمار نہ تھا۔ لاکھوں روپیہ آتا اور غریبوں پر یا دینی کاموں میں صرف کر دیتے۔ اپنے لیے شاندار محل بنایا جس میں زربفت کے پردے پڑے رہتے تھے، مخملی تکیہ پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا کمرہ نادر اشیاء اور قیمتی قالینوں سے مزین ہوتا۔ لباس بڑا پُر تکلف پہنتے تھے۔ نہایت مصروف اور امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ امیرانہ خوراک تھی مگر یہ سب کچھ اپنے لیے ہی مخصوص نہ تھا تمام درویشوں کو اسی قسم کا کھانا کھلاتے اور اسی طرح کا لباس پہناتے۔

باطنی کیفیت اس تمام ظاہری شان و شوکت اور تموّل کے باوجود ذکر و فکر کا یہ عالم تھا کہ رات کے وقت کھڑے ہو کر دو رکعت میں سارا قرآن ختم کر دیتے۔ عشا کا وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ہی بیٹھتے۔ تہجّد کی نماز کے بعد تلاوت شروع کرتے اور صبح کی نماز تک ختم کر دیتے۔

وفات سنہ ۶۶۶ھ[1] میں وفات پائی۔ وفات کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ حسبِ معمول حجرے میں ذکر و فکر میں مصروف تھے۔ بڑے صاحبزادے صدر الدین باہر تھے انھیں کسی شخص نے حاضر ہو کر سر بمہر لفافہ دیا کہ اندر بہاؤ الدین کو دے دیجیے۔ وہ لے آئے۔ حضرت نے اُسے کھول کر پڑھا صرف "اللہ" زبان سے نکلا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ پھر آواز بلند ہوئی "دوست بہ دوست رسید"۔ ملتان میں مدفون ہیں۔

---

[1] اخبار الصالحین میں تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۴ھ بتائی گئی ہے۔

Marfat.com

سہروردی طریق کار

حضرت مخدوم صاحب نے سہروردی طریقہ پر خدمتِ خلق کے سلسلہ میں مہتمم بالشان خدمات انجام دیں۔ آپ فرماتے تھے کہ انسان خدا کی رسّی پکڑ کر دنیا کی ہر نعمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ انسان دولت میں کھیلنے کے باوجود کامل متشرع رہ کر دینی فرائض انجام دے سکتا ہے اور عرفان حاصل کر سکتا ہے۔ ان کا ارشاد ہے، کہ انسان کو چاہیے کہ عام دنیاداروں کی طرح کھائے پیے، لذائذ دنیوی سے فائدہ اٹھائے مگر خدا کو نہ بھولے۔ انھوں نے خود محلّوں میں رہ کر اور زر و جواہر میں کھیل کر عملاً ثابت کر دیا کہ خدا نے جو نعمتیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کر رکھی ہیں ان سے پوری طرح مستفیض ہونے کے بعد بھی وہ اللہ کا مقبول بندہ بن سکتا ہے۔

Marfat.com

بیدل بیکسؒ

روہڑی

سندھ کے قدیم شہر روہڑی[1] میں مغرب کی طرف بیدل بیکسؒ نام ایک بزرگ کا مزار بنایا جاتا ہے جہاں ہر سال ان کا عرس منایا جاتا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند جمع ہوتے ہیں۔ عرس کی تاریخ کا پتہ نہیں چل سکا نہ ہی آپ کے سن ولادت اور سن وفات کا علم ہو سکا ہے۔

آپ کے حالات معلوم کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں مل سکا البتہ آپ کے ایک مرید قاضی عبدالخالق کے متعلق چند باتوں کا علم ہو سکا جو درج ذیل ہیں۔

قاضی عبدالخالق قاضی عبدالخالق کو قاضی بابا کہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ تادم تحریر ہذا بہ قید حیات ہیں۔ عمر نوے سال کی ہے۔ مرشد کی وفات کے بعد آپ اپنے تمام عزیز و اقارب سے قطع تعلق کر کے عبادت و ریاضت میں لگ گئے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ آپ سڑک کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک موٹر اور تانگے کا تصادم ہو گیا، اس تصادم میں آپ کی ٹانگیں کچلی گئیں اور مفلوج ہو گئے۔

آپ نے سکھر میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسٹیشن روڈ کی ایک جانب میدان میں حجرہ بنا لیا جہاں یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

---

[1] روہڑی ریلوے کا مشہور جنکشن ہے۔ جہاں سے کوئٹہ کے لیے گاڑی بدلتے ہیں۔ سکھر اس لائن پہ روہڑی سے قریباً دو میل دور دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔

Marfat.com

پنجو رح (شیخ، پشاوری)

مزار پشاور کے قریب سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ شیخ پنجو رح کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اتوار کو زائرین کا ہجوم ہوتا ہے۔

حالات شیخ پنجو رح کے حالات کا زیادہ علم نہیں۔ آپ علوم دینی میں کامل تھے چشتیہ سلسلے کے سرگرم کار بزرگ تھے۔ ان کا طریقہ مولانا درویزہ بابا[1] کے طریقے پر تھا۔ اگرچہ آپ کی زبان پشتو تھی مگر فارسی اشعار کہتے تھے، اور اہل ہنود کی زبان میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ بڑے صاحب جمال اور صاحب حال و قال بزرگ تھے۔

وفات ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی۔

---

[1] درویزہ بابا رح کے حالات پیر بابا رح کے ضمن میں بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

پیر بابا رح (سید علی المعروف)

بونیر

مزار سرحد کی ریاست بونیر[1] میں گدائی زئی ایک تحصیل ہے جہاں پاچہ کلی یعنی پاچہ گاؤں کے پاس پیر بابا[2] علیہ الرحمۃ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ مزار سے تقریباً تین میل دور ایک مقام پر پیر بابا رح کی اہلیہ محترمہ کا مزار ہے جو لب سڑک واقع ہے اور مزار "پیرہ ابی" کے نام سے مشہور ہے۔

عرس پیر بابا کا عرس ماہ رجب میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ قصبے کے علاوہ آس پاس میدانوں اور کھیتوں میں بھی زائرین ہی دکھائی دیتے ہیں۔ عیدین کے موقع پر بھی زائرین کا ہجوم ہوتا ہے۔

والیٔ سوات نے ریاست میں غیر شرعی رسوم کی ممانعت کر رکھی ہے چنانچہ عرس کے موقع پر صرف قرآن خوانی اور ذکر اذکار ہوتا ہے، قوالی نہیں ہوتی۔

آمد و رفت کے وسائل زائرین کو مردان ریلوے اسٹیشن پر اترنا پڑتا ہے۔ مردان میں پیر بابا رح کے نام سے لاریوں کا ایک اڈہ ہے۔ اس اڈے سے رستم انبیلہ روڈ کے راستے پیر بابا رح پہنچتے ہیں۔

مالاکنڈ کے راستے بھی پیر بابا جا سکتے ہیں۔ یعنی مالاکنڈ سے ریل میں درگئی تک جاتے ہیں۔ پھر درگئی سے تھانہ بٹ خیلہ تک لاری جاتی ہے۔ بٹ خیلہ سے دوسری لاری میں سوار ہو کر پیر بابا پہنچ جاتے ہیں۔

---

[1] ریاست بونیر کی جنوب مغربی سرحد ضلع پشاور کی شمال مشرقی سرحد سے ملتی ہے۔ پہلے یہ ریاست الگ تھی، مگر اب ریاست سوات کے ساتھ شامل ہو گئی ہے۔ اور اسے ریاست سوات ہی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

[2] جہاں پیر بابا رح کا مزار ہے یہ جگہ پیر بابا کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

Marfat.com

مردان سے پیر بابا تک لاری ہیں قریباً اڑھائی روپے کرایہ ہے اور براستہ درگئی آٹھ دس آنے زیادہ لگتے ہیں۔ دونوں راستے پہاڑی ہیں۔
زائرین کی سہولت کے لیے راستے میں جگہ جگہ مسجدیں بنی ہیں اور پانی کا بھی انتظام ہے۔
عرس کے دنوں میں مردان اور درگئی سے پیر بابا تک سپیشل لاریاں چلتی ہیں۔

پیر بابا کا حسب و نسب پیر بابا سرحد کے مشہور و معروف بزرگ ہیں جنھیں "بونیر بابا" بھی کہا جاتا ہے۔ اصل نام سید علی اور وطن ترمذ تھا۔ حسینی سیّد ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

سید علی بن سید قمبر علی بن سید احمد نور بن سید یوسف نور بن سید محمد نور بن شیخ خواجہ احمد بے غم بن سید بوداق بن سید احمد مشتاق بن سید افتراب بن سید حمید الدین بن سید محمود بن سید اسحاق بن سید عثمان بن سید جعفر بن سید عمر بن سید محمد بن سید حسام بن سیّد ناصر خسرو بن سید جلال بن سید امیر علی بن سید عبدالرحیم بن سید محمود مکی بن سید محمد مہدی بن شیخ عسکری بن سید علی نقی بن سید محمد تقی بن سید موسیٰ رضاؒ بن سید موسیٰ کاظمؒ بن سید جعفر صادقؒ بن سیّد محمد باقرؒ بن امام زین العابدینؒ بن امام حسین علیہ السّلام۔

آپ کے سنِ ولادت کا علم نہیں۔ والد بزرگوار سید قمبر علی ترمذ[1] کے شہر قندس کے رہنے والے تھے۔ بابری خاندان کے مرشدوں میں سے تھے۔ بابر کی لڑکی ان کے نکاح میں تھی گویا پیر بابا شہنشاہ ہمایوں کے بھانجے ہیں۔

ابتدائی حالات سید قمبر علی بابر کی فوج میں افسر اعلیٰ تھے۔ جس وقت پیر بابا تولّد ہوئے اس وقت وہ ہندوستان میں سپہ سالار تھے۔ آپ نے بیٹے کو بھی سپاہیانہ تربیت[2] دلائی مگر پیر بابا کو اس پیشے سے کوئی رغبت نہ تھی بلکہ شروع ہی سے اسلامی علوم و معارف سیکھنے کا شوق تھا۔ والد نے ان کے اس رجحان کا لحاظ رکھتے ہوئے مولانا شمس الدین نام

---

[1] یہ علاقہ افغانستان کی آخری سرحد ہے اور آجکل روس کے زیرِ اقتدار ہے۔

[2] بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب بابر نے ہندوستان پر آخری حملہ کیا (۱۵۲۷ - ۲۸ء) اس وقت پیر بابا بھی بابر کی فوج میں موجود تھے اور اعلیٰ درجہ کے سپاہی مانے جاتے تھے مگر اس لڑائی کے بعد سپاہیانہ زندگی ترک کر دی۔

Marfat.com

ایک عالم کے سپرد کر دیا جنھوں نے آپ کو علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ کیا۔

خلافت پیر باباؒ کی خواہش پر اُستاد نے انھیں اجمیر شریف بھیجا جہاں ان کی ملاقات سالار رومیؒ سے ہوئی جو عرس میں شرکت کے لیے وہاں آئے تھے۔ سالار رومیؒ نے ایک ہی نظر میں جوہرِ قابل کو پہچان لیا۔ پیر باباؒ ان کی صحبت میں رہ کر کسبِ فیض کرتے رہے پھر انھیں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

درویشی اب ہر طرف سے عقیدت مند آپ کے گرد جمع ہونے لگے مگر آپ کو دنیاوی شور و غل سے نفرت تھی اس لیے کسی ایک جگہ ٹھہرنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ پیر و مرشد سے اجازت حاصل کر کے زہد و ریاضت کی غرض سے علاقہ کشمیر کی پہاڑیوں میں جا نکلے اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

پھرتے پھراتے داؤد پنڈ نام ایک گاؤں میں پہنچے۔ جہاں لوگوں نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی اور ٹھہرا لیا مگر آپ نے وہاں بھی قیام پسند نہ کیا اور پہاڑیوں میں گھومتے رہے۔

دینی کام اس درویشانہ سفر کے دوران میں آپ اشاعت اسلام کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ یعنی جہاں جاتے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ لوگوں میں غلط قسم کی جو مذہبی رسوم رائج تھیں انھیں دور کرنے کی کوشش کرتے اور شرع اسلامی کی ترویج میں لگے رہے۔

پیرِ روشن آپ کو خبر ملی کہ پشاور کے گرد و نواح میں علیشی بلوتی اور بایزید (پیرِ روشن) لوگوں کو اسلام کے صحیح راستے سے ہٹا کر گمراہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ فوراً اس طرف متوجہ ہوئے اور ان دونوں سے ملاقات کی۔ آپ نے کھلے مناظروں کے ذریعہ ان کے باطل عقائد کا پول کھول ڈالا اور اس طرح لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچایا۔

بونیر میں قیام اب آپ نے کشمیر کی بجائے علاقہ بونیر کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور یہیں مجاہدہ بھی کرتے رہے۔ بونیر میں جعفر نام پہاڑی کے ایک غار میں بارہ برس تک ریاضت کرتے رہے پھر علاقہ گدائی زئی کے ایک پہاڑ پر ذکر و اذکار کرتے رہے۔

شادی علاقہ بونیر میں باجکٹہ نام ایک مشہور نواب تھا۔ اس نے اپنی صاحبزادی پیر باباؒ کے نکاح میں دی۔ چنانچہ نکاح کے بعد آپ دوکڈہ نام ایک مقام میں فروکش ہوگئے۔

Marfat.com

مقبولیت پیر باباؒ کی مساعی سے سرحد کے لوگ شریعت اسلامی کے پابند ہوتے گئے ساتھ ہی پیر باباؒ کی قدر و منزلت بھی بڑھتی گئی اور دُور دراز علاقوں کے لوگ آ آ کر مرید ہونے لگے۔

خاندان پیر باباؒ کے خاندان کو خدا نے بہت برکت دی۔ آپ کی اولاد علاقہ صوات، بونیر، کابل اور ضلع پشاور غرض کہتر سے کاغان تک پھیلی۔ آپ کی اولاد میں کئی بزرگ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے آپ کے بعد سرحد میں اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں بہت کام کیا۔

درویزہ بابا آپ کے مریدوں میں مولانا درویزہ پشاوریؒ جیسے جیّد عالم بھی شامل تھے۔ مولانا درویزہ آپ کے خلیفہ بھی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے پیر باباؒ کے ساتھ مل کر عیسیٰ بلوقی اور بایزید کے الحاد کا خاتمہ کیا۔ آپ نے اپنی کتاب "مخزن الاسلام" میں بھی ان دونوں کا ذکر کیا ہے یہ کتاب پشتو میں ہے جسے آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے عبد الکریم نے مکمل کیا۔

درویزہ باباؒ نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی۔

لہ یہ غار آپ کے مزار کے قریب چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے زائرین بڑے شوق سے اُسے دیکھتے جاتے ہیں غار کو لوگ چہلہ خانہ کے نام سے پکارتے ہیں (چہلہ خانہ سے مراد چلّہ کاٹنے کی جگہ ہے)۔

Marfat.com

تاجے شاہؒ (فقیر)

لاہور

مزار لاہور میں شاہ ابوالمعالیؒ کی درگاہ کے مغرب میں میدان زین خان کے اندر ایک بزرگ فقیر تاجے شاہ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۷۔ بیساکھ کو مزار پر ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ بعض زائرین وہاں رات بھی بسر کرتے ہیں۔ بھنڈارا اور راگ رنگ ہوتا ہے۔

وفات آپ کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ وفات کی تاریخ دوشنبہ ۷ بیساکھ سمت ۱۹۰۰ (سنہ ۱۲۶۰ھ) بتائی جاتی ہے۔

Marfat.com

جان محمد حضوریؒ (سیّد)

لاہور

مزار گڑھی شاہو میں مغرب کی طرف میاں میر کو جانے والی سڑک کے جنوب[1] میں سیّد جان محمد حضوریؒ کا مزار ہے۔ ایک چبوترے پر دو قبریں ہیں۔ ایک قبر آپ کی اور ایک آپ کے دادا سید محمود کی قبر ہے۔ مزار کے گنبد پر مندرجہ ذیل شعر لکھے ہیں:

محمّد جاں حضوریئے بہشتی ۔۔۔ چو در ذاتِ خدا شد محوِ مطلق
بگفتم از سرِ اکرام تاریخ ۔۔۔ محمد جاں بہشتی واصلِ حق

مقبرے کے ساتھ ایک مسجد ہے۔ مقبرہ اور مسجد دونوں عبد الصمد نام ایک شخص نے تعمیر کرائے جو سیّد جان محمّد کا مرید اور ایک دولتمند سوداگر تھا۔

حالات سیّد جان محمد حضوریؒ کے بہت کم حالات معلوم ہو سکے ہیں۔ آپ کے جد امجد سیّد شمس العارفین غزنی کے علاقہ غور میں سکونت رکھتے تھے جہاں سے ترکِ وطن کر کے لاہور آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ والد کا نام سید شاہ نور تھا۔ آپ کے دادا سید محمود بھی اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔

"حضوری" کی وجہ تسمیہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے دادا سید محمودؒ سے جو کوئی حضور نبی کریمؐ کی زیارت کرنے کی خواہش کرتا، آپ اس کا بازو پکڑ لیتے اور وہ اپنی آنکھوں کے سامنے آنحضرتؐ کو دیکھ لیتا۔ اسی طرح ہزاروں لوگوں کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی۔ چنانچہ اسی بنا پر انھیں "حضوری" کہا جانے لگا۔ سیّد محمودؒ کے بعد یہ کرامت ان کے خاندان میں برقرار رہی۔ چنانچہ ان کے بعد ان کے بیٹے سید شاہ نور، سید جان محمد اور سید جان محمد

---

[1] پیر دھکا کا مزار بھی اسی سمت واقع ہے۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی دھکوں (مسوں) والا آپ کے پاس آتا تو آپ کی دعا سے شفایاب ہو جاتا۔ کہتے ہیں کہ اب بھی اگر کوئی دھکوں والا پھولوں کا سہرا اور جاروب آپ کے مزار پر نذر گزارے تو وہ تندرست ہو جاتا ہے۔ آپ کا اصل نام نظام الدین تھا۔

Marfat.com

کے بیٹے سید سرور دین بھی "حضوری" تھے ، یعنی جو شخص بھی چاہتا ان بزرگوں کی وساطت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل کر لیتا ۔

وفات ۱۰ رمضان ۱۰۶۴ھ میں عالم فانی سے عالم جاوداں کو رحلت فرمائی ۔

سیّد سر آپ کے رشتہ داروں میں سیّد عبدالخالق نام ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں ، جنھیں سید سر کہا جاتا ہے ۔ آپ متبحر عالم اور ولی تھے ۔ آپ نے دینی علم سکھانے کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا ۔ اس مدرسہ میں ایک تالاب بھی کھدوایا ۔ اسی تالاب کے باعث اس جگہ کا نام محلہ "سید سر" پڑ گیا ، یعنی سیّد کا تالاب[1] ۔

آپ کا مزار سید جان محمد حضوریؒ کے مزار کے شمال میں ریلوے کی فرودگاہ کے قریب واقع ہے ۔

---

[1] تالاب کو پنجابی میں سر کہتے ہیں ۔

Marfat.com

جلال الدّین بخاریؒ (مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشت)

اوچ شریف

ریاست بہاولپور کے قصبہ اوچ شریف میں حضرت سیّد جلال الدین بخاریؒ کا عرس ہر سال ۱۰ ذی الحجہ کو بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے جس میں ہزاروں لوگ دور دراز سے شرکت کے لیے آتے ہیں۔

آپ سید منیر شاہ جلال الدین میر سُرخ بخاریؒ کے پوتے ہیں۔

ابتدائی حالات آپ ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید احمد کبیر تھا۔ اُچ کے رہنے والے ہیں۔ آثارِ بزرگی اوائل عمر ہی میں ہویدا تھے۔ پہلے سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت کی پھر اپنے چچا شیخ صدر الدین محمد غوث اور شیخ رکن الدین ملتانی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔[1] شیخ رکن الدین ابوالفتح[2] ملتانی خود راوی ہیں کہ سیّد مخدوم برسوں ان کی خدمت سے فیضیاب ہو کر مکّہ، مدینہ اور دیگر اسلامی ممالک یعنی عراق، شام، مصر اور خراسان وغیرہ کی سیاحت کو نکلے۔ اور پھر ہندوستان واپس آئے اور اُچھ[3] میں مقیم ہو گئے۔[4]

غرض سیاحت سے فارغ ہو کر جب آپ ہندوستان واپس آئے تو دہلی گئے اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ[5] دہلی کی خدمت میں رہنے لگے اور فیضانِ چشتیہ حاصل کیا۔

---

[1] بعض کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ بدیع الدین مدراسی سے بھی آپ کو خرقۂ خلافت عطا ہوا تھا۔

[2] متوفی ۷۰۷ھ (مرأۃ الاسرار مؤلفہ عبدالرحمان چشتی)

[3] محمد غوری کے حملہ کے وقت سندھ میں تین بڑے شہر تھے جن میں سے ایک اُچھ تھا جو سندھ کے شمال میں ملتان کے قریب واقع تھا۔ اُچھ کے قریب احمد پور ایک مقام آج بھی موجود ہے (تاریخ سندھ ابوظفر ندوی مطبوعہ اعظم گڈھ ص ۲۹۲) [4] ایضاً ص ۳۱۷-۳۱۸

[5] آپ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ سید گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۴۳ سال کی عمر میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہوئے۔

مخدوم جہانیاں کا لقب! مخدوم جہانیاں کے لقب کی وجہ یہ بیان[1] کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ شیخ ابوالفتح ملتانی زینہ پر سے اُتر رہے تھے کہ مخدوم جہانیاں ان کے سامنے زینہ پر لیٹ گئے تاکہ شیخ کے قدم ان کے سینہ پر پڑیں۔ یہ دیکھ کر شیخ ابوالفتح نے فرمایا، تم اپنے مرتبہ ولایت کو پہنچ چکے ہو اور مخدوم جہانیاں بن چکے ہو۔ پھر مخدوم صاحب کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ چنانچہ اُس روز سے یہی لقب پڑ گیا۔

آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ ہیں۔ اپنے وقت کے قریباً تمام اولیائے کرام و مشائخ عظام سے ملاقات کی اور کسب فیض کیا۔ سلوک اور عوارف پر بہت سی کتابیں پڑھیں۔

وفات ۷۸۵ھ میں بعمر چوہتّر برس اوچ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

---

[1] انوار اولیاء میں اخبار الاولیاء کے حوالہ سے یہ واقعہ درج ہے۔

Marfat.com

جلھے شاہؒ

کوٹلی

مزار اور تکیہ سیالکوٹ سے دو تین میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب کوٹلی نام ایک قصبہ ہے جہاں لاہور کے ایک مجذوب جلھے شاہؒ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ یہ مجذوب اکثر لاہور ہی میں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ لاہور میں ان کا ایک تکیہ بھی بتایا جاتا ہے جو بھاٹی دروازہ کے باہر مشرق کی جانب اُس سڑک پر واقع ہے جو انار کلی سے شاہدرہ کو جاتی ہے۔

حالات آپ کے حالات کی تفصیلات کا علم نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ مجذوب قسم کے فقیر تھے۔ بہت سی کرامات بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ زیادہ تر لاہور شہر ہی میں پھرا کرتے تھے۔ لاہور کے بہت سے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ جس جگہ آپ کا تکیہ ہے یہاں آپ نے اپنی قبر حین حیات ہی میں بنوالی تھی۔ مگر آخر عمر میں کوٹلی چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ چنانچہ اسی جگہ آپ کا مزار ہے۔ سن وفات کا علم نہیں اتنا کہا جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں وفات پائی۔

Marfat.com

جماعت علی شاہؒ (پیر، حافظ، سیّد)

— علی پور شریف —

روضہ ضلع سیالکوٹ کے موضع علی پور سیداں میں جسے علی پور شریف کہتے ہیں، پیر، حافظ سید جماعت علی شاہؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ انھیں مقامی لوگ اپنی زبان میں "چڑھدے والے پیر" بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اسی نام کے ایک بزرگ مزار کی دوسری سمت میں مدفون ہیں (پیر جماعت علی شاہ لاثانیؒ) جنھیں "لہندے والے پیر"[1] کہتے ہیں۔

عرس پیر حافظ سید جماعت علی شاہؒ کا عرس ہر سال ۱۰، ۱۱ مئی کو بڑی شان و شوکت سے علی پور سیداں میں منایا جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر مختلف علمائے کرام تقریریں کرتے ہیں۔ تمام لوگوں میں کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔ قوالی کا رواج نہیں، البتہ ختم قرآن ہوتا ہے۔ عرس میں زیادہ تر سیالکوٹ اور مضافات کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ زیادہ لوگ ریل کے ذریعہ علی پور سیداں پہنچتے ہیں۔

سلسلۂ طریقت آپ بابا فقیر محمد (جن کا مزار چورا شریف میں ہے) کے مرید تھے سلسلۂ طریقت حضرت مجدّد الف ثانیؒ سے یوں ملتا ہے:

حافظ سید جماعت علی شاہ مرید بابا فقیر محمد مرید خواجہ نور محمد مرید خواجہ فیض اللہ مرید خواجہ محمد عیسیٰ مرید شاہ جمال اللہ مرید محمد اشرف مرید خواجہ محمد زبیر مرید خواجہ حجت اللہ مرید خواجہ محمد معصوم مرید شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانیؒ۔

حالات آپ پنجاب کے مشہور بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مریدوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ آپ عالم و فاضل بزرگ تھے۔ "انوار صوفیا" نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ یہ غالباً ۱۹۰۲ء میں نکالا گیا۔ آپ نے دینی تبلیغ کے لیے ایک مدرسہ بھی جاری کیا

---

[1] "لہندے والے پیر" کا ذکر آگے آئے گا۔

Marfat.com

جسے نقشبندیہ مدرسہ کہا جاتا ہے ۔ یہ مدرسہ آپ کے مزار کے قریب واقع ہے ۔ کچھ طالبعلموں کے رہنے کا بھی انتظام ہے ۔ مدرسہ کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے ۔

مزار اسٹیشن سے قریباً دو میل کے فاصلے پر ہے ۔

Marfat.com

جماعت علی شاہؒ لاثانی (پیر)

علی پور شریف

روضہ ضلع سیالکوٹ کے موضع علی پور شریف میں پنجاب کے مشہور نقشبندی بزرگ حضرت جماعت علی شاہؒ لاثانی کا مزار مرجع خلائق ہے انھیں "لہندے والے پیر" بھی کہتے ہیں سیالکوٹ نارووال لائن پر علی پور سیداں ایک ریلوے سٹیشن ہے۔ مزار کا سفید گنبد سٹیشن سے نظر آتا ہے۔ اور روضہ سٹیشن سے میل بھر کے فاصلے پر ہے۔ سٹیشن سے کچی سڑک پر تانگے چلتے ہیں۔

عرس ہر سال ۱۷۔ اسوج (ستمبر) کو شاہ صاحب کا عُرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ نواحی علاقوں سے اور دُور دراز کے علاقوں سے مرید عُرس میں شرکت کے لیے آتے ہیں عرس کے موقع پر نعت خوانی ختم قرآن اور وعظ وغیرہ ہوتا ہے۔ قوالی نہیں ہوتی۔

نام ونسب آپ کا نام جماعت علی شاہ اور لقب لاثانی تھا۔ لقب کی وجہ یہ ہے کہ اسی گاؤں یعنی علی پور سیداں میں اسی نام کے ایک اور بزرگؒ[1] بھی رہتے تھے۔ چنانچہ تخصیص کے لیے آپ کے نام کے ساتھ "لاثانی" کا لقب آپ کے مرشد نے تجویز کیا۔ آپ حسینی سیّد ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سید جماعت علی شاہ بن سیّد سید علی شاہ بن سید مہر علی شاہ بن سید فیض کریم شاہ بن سید محکم دین شاہ بن سید صغیر الدین بن سیّد میر سید بن سید علی اکبر شاہ بن سید محمد امین شاہ بن سید شاہ محمد بن سید حیدر علی شاہ بن سید محمد سعید شاہ نوروز (عرف دادا پیر بانی علی پور شریف) بن سید حسین شاہ شیرازی بن سید منصور شاہ شیرازی بن سید نظام دین شاہ بن سید حبیب اللہ بن سید خلیل اللہ بن سید شمس الدین بن سید عبداللہ شاہ بن سید نور اللہ شاہ بن سید خسرو شاہ بن سید محمد عارف شاہ بن سید اسد اللہ شاہ بن سید محمد طاہر احمد شاہ بن سید حسین شاہ کلاں صاحب

---

[1] ان (پیر، حافظ، سید جماعت علی شاہ) کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

Marfat.com

بن سید محمد علی العارض بن سید محمد دیباج شاہ بن سید امام محمد جعفرؑ بن سید امام محمد باقرؑ بن سید امام زین العابدینؑ بن سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام ۔

شجرۂ طریقت آپ کا شجرۂ طریقت حضرت مجدّد الف ثانیؒ سے اس طرح ملتا ہے :

سید پیر جماعت علی شاہ لاثانیؒ مرید باواجی فقیر محمد[۱] مرید خواجہ نور محمد مرید خواجہ فیض اللہ مرید خواجہ محمد عیسیٰ مرید شاہ جمال اللہ مرید محمد اشرف مرید خواجہ محمد زبیر مرید خواجہ حجت اللہ مرید خواجہ محمد معصوم مرید شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانیؒ ۔

حالات آپ کی ولادت ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء کو علی پور سیداں میں ہوئی۔ ۹ سال کی عمر میں گاؤں کے ایک مولوی صاحب کے پاس تعلیم کے لیے بٹھا دیے گئے اور قرآن شریف حدیث، فقہ اور تصوّف کی کتابیں پڑھیں۔

جیسا کہ شجرہ طریقت میں بتایا گیا ہے آپ نے چورا شریف کے مشہور بزرگ بابا فقیر محمد صاحب سے بیعت کی۔ سرہند شریف، پانی پت، دہلی، اجمیر، کلیر شریف وغیرہ کئی مزارات کی زیارت کی۔ شریعت کے سختی سے پابند تھے۔

وفات اور اولاد ۱۶ شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء بروز اتوار وفات پائی۔ آپ کے تین صاحبزادوں کے نام یہ ہیں: سیّد فدا حسین شاہ، سید خادم حسین شاہ اور سیّد غلام رسول شاہ۔

خلفاء آپ کے خلفا بہت تھے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

پیر سید چراغ شاہ	میاں احمد دین	پیر محمد شفیع	پیر میاں محمد اسماعیل
سید مظہر حسین شاہ	سید نذیر حسین شاہ	سید امیر حسین شاہ	مولوی عبد الغنی
مولوی محمد مسعود	مولوی فضل الٰہی	حاجی محمد غوث	

آپ کے ایک خلیفہ صوفی محمد دین تقسیم ہند سے قبل اپنے پیر و مرشد کا عرس رمداس (ضلع امرتسر) میں منایا کرتے تھے اور آجکل یہی عرس وہ ہر سال اکتوبر کے آخری ہفتے اور اتوار کو بمقام گوجرہ مناتے ہیں جس میں صرف قرآن خوانی، نعت خوانی اور وعظ وغیرہ ہوتا ہے۔

---

[۱] چورا شریف میں ان کی خانقاہ ہے۔

Marfat.com

جمالؒ (شاہ)

لاہور

عُرس لاہور سے قریباً تین میل دُور فیروز پور روڈ[1] پر بجانب جنوب اور اچھرہ سے بجانب مشرق قادری اور سہروردی بزرگ شاہ جمالؒ کے مزار کا سفید گنبد نظر آتا ہے۔ یہاں ۱۸ ربیع الثانی کو حضرت کا عرس منایا جاتا ہے۔ جس میں لاہور اور مضافات کے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ زائرین میں زیادہ تعداد شیخ لوگوں کی ہوتی ہے۔ زائرین وہاں شب باشی کرتے ہیں[1]۔ سرود و سماع کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ کچھ مدت پہلے بعض لوگ ناطہ کی رسمیں بھی اسی مزار پر ادا کرتے تھے۔

عرس کے دن دکانیں لگتی ہیں۔ زائرین تانگے، چھکڑوں اور بسوں میں وہاں پہنچتے ہیں۔ بہت لوگ مستورات اور بچوں سمیت وہاں آکر رات گزارتے ہیں۔ غرض زائرین کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔

نام و نسب اور حالات حضرت شاہ جمال کا سلسلہ سہروردیہ قادریہ تھا جو چند واسطوں سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے یوں ملتا ہے:

شاہ جمال مرید لکھرا بیگ مرید شاہ شرف مرید شاہ معروف مرید جعفر الدین مرید فہیم دین، سہروردی مرید شیخ جمال مرید شیخ عارف صدر الدین مرید شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی مرید شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی۔

آپ سادات کرام حسینی میں سے ہیں۔ ان کی اولاد اب تک سیالکوٹ میں موجود ہے۔ آپ دو بھائی تھے، دوسرے بھائی کا نام شاہ کمال[2] تھا۔ دونوں بھائی باکمال تھے۔ اکبر کے عہد میں لاہور آئے اور اچھرہ میں مقیم ہو گئے۔

---

[1] مشہور ہے کہ اگر عرس کی رات کے علاوہ کسی اور رات وہاں قیام کیا جائے تو قیام کرنے والے کو شیر دکھائی دیتے ہیں اور وہ ڈر جاتا ہے۔

[2] شاہ کمال کا مزار بھی اچھرہ کی بستی راؤں میں واقع ہے۔

Marfat.com

ایک واقعہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں اپنا سات منزلہ مکان تیار کرایا۔ یہ مکان ۱۰۰۱ھ میں تیار ہوا۔ قریب کسی مغل شہزادی کی حویلی تھی۔ چونکہ مکان پر چڑھنے سے شہزادی کی حویلی کے اندر نظر پڑتی تھی۔ اس لیے شہزادی نے شاہ جمال سے کہا کہ وہ مکان کو گرا کر نیچے بنائے شاہ جمال نے اُسے گرانے کی بجائے اپنی کرامت سے اس کی نچلی پانچ منزلیں زمین میں دھنسا دیں اور صرف دو بالائے زمین باقی رہ گئیں۔ اس کرامت کو دیکھ کر لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کو آنے لگے اور مرید ہوتے گئے۔

وفات کا واقعہ کہتے ہیں کہ آپ مکان کے تہ خانے میں ایک حجرے کے اندر شب و روز عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اس کے اندر چلّہ کاٹ رہے تھے، چلّہ ختم ہونے میں کچھ دن باقی تھے کہ حجرے کے بیرونی دروازے کی چھت گر گئی اور آپ بیچ میں آ گئے۔ خادموں نے باہر نکالنا چاہا مگر اندر سے آواز پائی کہ مشیت ایزدی کے سامنے کوئی چارہ نہیں۔ حجرے کا دروازہ بند کر کے اوپر قبر کا نشان بنا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ واقعہ چہار ربیع الثانی ۱۰۶۱ھ کا ہے۔

چرخی دار کنواں جس کی منڈیر چونہ کچ ہے اس کی مرمت راجہ دھیان سنگھ نے خود کرائی تھی

شاہ کمال شاہ کمال یا مولانا سید کمال الدین کاشمیری شاہ جمال کے بڑے بھائی تھے یہ وہ باکمال شخصیت ہیں جن کے شاگردوں میں نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے شیخ محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی کو متفقہ طور پر گیارھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا گیا ہے۔

شاہ کمال کے شاگردوں میں ایک علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ہیں جو عہد اکبر میں سب سے بڑے مدرسہ کے صدر الصدور تھے۔ جہانگیر نے ان کے علم و فن کی قدر کرتے ہوئے بھاری جاگیر عطا کی اور اپنے مصاحبوں میں شامل کیا۔ شاجہان نے آپ ہی کی نگرانی میں سیالکوٹ میں ایک یونیورسٹی قائم کی جس میں بیرونِ ہند کے طلبا تحصیل علم کے لیے آتے تھے علم منطق، فلسفہ اور علم الکلام پر آپ نے کتابیں تصنیف کیں جو اب تک ہند اور بیرونِ ہند میں پڑھائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

شاہ کمال کے تیسرے باکمال شاگرد نواب سعد اللہ خاں ہیں جو شاجہان کے وزیر اعظم تھے اور اپنے وقت کے ابوالفضل اور فیضی سمجھے جاتے تھے۔

شاہ کمال سلسلہ سہروردیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ زندگی بھر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ بالآخر ۱۰۱۷ھ میں وفات پائی۔

شاہ کمالؒ کا مزار شاہ کمال اپنے بھائی شاہ جمالؒ کے مزار کے پاس ہی مدفون بتائے جاتے ہیں مگر بعض آپ کا مزار سیالکوٹ میں بڑی عیدگاہ کے قریب مزار شاہ مونگا ولی کے پاس بتاتے ہیں۔

جنید باباؒ

پشاور

مزار پشاور شہر میں لاہوری دروازہ کے باہر قبرستان کے دائیں طرف ایک چھوٹا سا خوبصورت روضہ ہے۔ آس پاس کھجور اور شیشم کے درخت ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اس میں جنید باباؒ مدفون ہیں جو بڑے پایے کے بزرگ تھے۔

عقیدت مزار پر روزانہ سینکڑوں زائرین آتے ہیں۔ عقیدت کے پھول اور نذرانے چڑھاتے ہیں، کبھی کبھی جمعرات یا اتوار کے دن مردوں اور عورتوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ میلے کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔ عورتیں منتیں مانتی اور چڑھاوے چڑھاتی ہیں۔

حالات جنید باباؒ کے صحیح حالات دستیاب نہیں ہو سکے کہا یہ جاتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے قطب تھے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جنید بابا بغداد سے یہاں آئے یعنی آپ کو جنید بغدادی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ جنید بغدادی کا روضہ مبارک بغداد میں ہے۔ ان کا پشاور آنا کسی طرح ثابت نہیں۔

جنید بغدادی جنید بغدادیؒ کا وطن نہاوند اور مولد بغداد ہے۔ آپ کے والد محمد بن جنید شیشہ کے تاجر تھے۔ شریعت و طریقت و حقیقت میں مجتہد تھے۔ بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں، خواجہ سری سقطیؒ[۱] کے بھانجے اور مرید تھے۔ انھیں کے ساتھ حج بھی کیا۔ ۶ رجب ۲۹۷ھ کو عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے عہد میں وفات پائی اور بغداد میں دفن ہوئے۔

---

[۱] آپ حضرت خواجہ معروف کرخیؒ کے مرید تھے۔ اہل تصوف کے امام اور زہد و ریاضت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ عراق کے اکثر مشائخ آپ کے مرید تھے۔ ۳۰ رمضان یا رجب ۲۵۳ھ میں خلیفہ المعتز باللہ کے عہد میں وفات پائی۔

Marfat.com

چراغ (شاہ)

لاہور

عرس لاہور میں بڑے ڈاکخانہ کے جنوب ہائی کورٹ کے مغرب میں حضرت شاہ چراغ کا مزار ہے جہاں آپ کے عرس کا میلہ بہت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

مقبرہ مقبرہ کے اندر آٹھ قبریں ہیں۔ ایک قبر حضرت شاہ چراغ کی ہے، ایک ان کے فرزند زین العابدین کی اور باقی دوسرے عزیزوں کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ شاہجہان نے بنوایا تھا[۲]۔ مقبرہ کے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے جو اب سرکاری دفاتر کے ساتھ شامل سمجھی جاتی ہے۔ مسجد کے مغرب میں ایک چبوترہ پر ایک شکستہ چاردیواری کے ساتھ ایک مزار ہے جو شاہ چراغ کے کسی مرید کا مزار بیان کیا جاتا ہے۔

نام و نسب حضرت شاہ چراغ کا اصل نام سید عبدالرزاق تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

شاہ چراغ بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث بن محمد غوث بالا پیر بن زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث اوچی گیلانی[۳]۔

حضرت موج دریا بخاری آپ کے پھوپھا تھے۔

شاہ چراغ نام کیوں پڑا؟ کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے دادا سید عبدالقادر نے فرمایا کہ یہ لڑکا ہمارے خاندان کا چراغ ہوگا۔ چنانچہ شاہ چراغ نام پڑ گیا۔

---

[۱] جس جگہ یہ مزار ہے کسی زمانہ میں یہ ایک محلہ تھا جسے لنگر خان کا محلہ کہتے تھے۔ لنگر خان مغلیہ حکومت کے زمانہ میں ایک مشہور شاہی امیر اور شاہ چراغ کا مرید تھا۔

[۲] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۱۷۲۔ بعض کہتے ہیں کہ روضہ اورنگزیب نے بنایا تھا۔

[۳] ایضاً

Marfat.com

شاہ چراغ قادریہ مشائخ میں بڑا اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ شجاعت اور سخاوت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ خرقۂ ارادت اور خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ حرمین شریفین کی زیارت کی اور وہاں بڑے بڑے علماء سے مل کر کسب فیض کیا۔ شاہجہان آپ کا بہت معتقد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہجہان اپنی لڑکی حضرت شاہ چراغؒ کے کسی فرزند کو نکاح میں دینا چاہتا تھا مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔

وفات | آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ تذکرۃ العارفین میں ۷ ربیع الاول ۱۰۹۲ھ بتائی گئی ہے۔ تحقیقات چشتی میں ۲۲ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ بتائی گئی ہے[1]

اولاد | آپ کے فرزندوں میں ایک کا نام سید مصطفیٰ تھا۔ وہ بھی باپ کی طرح صاحب کرامت بزرگ تھے، جن سے بہت سی خوارق و کرامات سرزد ہوئیں۔ ان کی وفات شعبان ۱۰۶۴ھ میں ہوئی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا میں بھی یہی تاریخ درج ہے۔

Marfat.com

حسنؒ (سیّد، گیلانی، پشاوری)

پشاور

پشاور میں مشہور صاحب ولایت بزرگ سید حسن گیلانیؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ سیّد محمد غوث جن کا مزار پُرانوار لاہور میں ہے۔ انھیں کے خلف الرشید ہیں۔

نسبت | سیّد حسنؒ کی نسبت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ تک اس طرح پہنچتی ہے:

سیّد حسن بن سیّد عبداللہ بن سیّد محمود بن سیّد عبدالقادر بن سیّد عبدالیاس بن بدرالدین حسن بن سیّد شہاب الدین احمد بن علاؤالدین علی بن احمد بن شمس الدین قادری بن یحییٰ شہید تاتاری بن احمد متقی بن سید صالح بن سید ابی نصر صالح بن سید عبدالرزاق قطب الآفاق بن غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ۔[1]

آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے اور شرافت و نجابت اور ولایت ورثہ میں پائی تھی۔ آپ کے جدِ بزرگوار سیّد محمود اشرف البلاد بغداد سے ہندوستان آئے اور ٹھٹھ میں سکونت اختیار کی۔ ان کی وفات پر ان کے فرزند عبداللہ پشاور آگئے اور وہیں رہنے لگے۔

آپ نے کئی علاقوں کی سیاحت کی۔ بزرگی اور ولایت میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل صفحہ ۱۸۸

[2] ۔۔۔ غوثیہ

Marfat.com

حسّوتیلیؒ (شیخ)

لاہور

عُرس لاہور کے کلب گھر کے قریب شمال کی طرف سلسلہ سہروردیہ کے ایک خدارسیدہ بزرگ حسّو تیلی کا مزار ہے۔ ہر سال ۳ شوال کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کے دن زیادہ تر تیلی لوگ جمع ہو کر مزار پہ فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

حالات شیخ حسّوؒ کے سن پیدائش کا علم نہیں۔ البتہ آپ کی وفات ۳ شوال ۱۰۳ھ میں بتائی جاتی ہے۔ یعنی ان کا اور مادھولال حسینؒ کا زمانہ ایک ہے۔

مہاراجہ کھڑک سنگھ کی حویلی کے راستہ چوک جھنڈا کو جائیں تو دائیں طرف دکانوں میں ایک دکان ہے جو حسّو تیلیؒ کی دکان بتائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں آپ اس دکان پہ گوشت بیچا کرتے تھے۔ بعد ازاں غلّہ بیچنے لگے پھر تیل بیچنا شروع کیا اور اسی نسبت سے تیلی مشہور ہوئے۔

دیانت داری کا ثمرہ بیان کیا جاتا ہے کہ آجکل کی طرح ان دنوں میں بھی دکانداروں میں کم تولنے کی وبا عام تھی۔ شیخ حسّوؒ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

ان دنوں لاہور میں شاہ جمالؒ[1] بقید حیات تھے۔ شیخ حسّو خدا کا راستہ معلوم کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ جمالؒ نے صرف ایک ہی نصیحت کی کہ برابر تولا کرو۔ چنانچہ اسی دن سے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جو گاہک بھی آتا ترازو اس کے ہاتھ میں تھما دیتے اور کہتے کہ مقررہ نرخ پر خود تول لو۔ یعنی نہ نرخ سے زیادہ لیتے اور نہ کم تولتے۔ چنانچہ انہیں کاروبار میں بہت فائدہ ہوا۔

طلائی ترازو کا واقعہ آپ نے چاندی کا ایک ترازو بنا کر شاہ جمالؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ شاہ جمالؒ نے نذر قبول کر لی مگر فرمایا کہ اسے جا کر دریا میں ڈال آؤ۔ شیخ حسّوؒ حکم بجالائے اور ترازو دریا میں پھینک آئے۔

---

[1] شاہ جمالؒ کے حالات الگ بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

کچھ دنوں بعد اتفاق ایسا ہوا کہ ایک کمہار دریا پر گیا جہاں اس کے پاؤں کو ٹھوکر لگی۔ اس نے دیکھا کہ نیچے کوئی طلائی اینٹ یا پتھر ہے۔ باہر نکالنے پر اُس نے پہچان لیا کہ یہ حسُّو تیلی کا ترازو ہے چنانچہ وہ ان کے پاس لے آیا۔ شیخ حسُّو نے ترازو لے جا کہ دوبارہ شاہ جمال کی خدمت میں پیش کیا اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ شاہ صاحب نے فرمایا حسُّو! دیکھ دریا میں پھینکا ہوا بھی ضائع نہیں ہوتا۔

اُسی دن سے شاہ جمال نے حسُّو کو سلسلہ سہروردیہ میں مرید کر لیا اور شیخ حسُّو نے وہ عظمت حاصل کی کہ آج ان کا نام بزرگوں میں لیا جاتا ہے۔ آخری عمر میں تیل کا کاروبار کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ تیلی لوگ آپ کو اپنا پیر سمجھتے ہیں۔

وارث شاہؒ نے "ہیر" میں ایک جگہ ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

ے

عشق پیر ہے عاشقاں ساریاں دا اُٹھکھ پیر ہے مستیاں ہاسیاں دا!
حسُّو تیلی ہے پیر جو تیلیاں دا سلیمان ہے جن بھوتا سیاں دا!

وفات ۳ شوال ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی۔

حسین زنجانیؒ (سیّد)

لاہور

لاہور میں چاہ میراں کے قریب سید حسین زنجانیؒ مدفون ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ دراصل انھیں کا کام سنبھالنے کے لیے لاہور میں تشریف لائے تھے۔

حالات سید صاحب کے حالات کا زیادہ علم نہیں، اتنا معلوم ہے آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ بہت سی کرامات اور خوارق آپ سے ظہور میں آئیں۔ حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ خاندانِ جنیدیہ سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ سید یعقوب زنجانی صدر دیوان[1] کی معیت میں زنجان سے لاہور تشریف لائے اور یہیں ۶۰۰ھ میں وفات پائی[2]۔ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاً میں لکھا ہے کہ آپ ۷۵۵ میں لاہور آئے اور آپ کے ساتھ سید اسحاق زنجانی اور حضرت امام علی لاحق (جن کا مزار سیالکوٹ میں ہے) بھی تھے۔ یہ چاروں حضرات آپس میں رشتہ دار بھی تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ جب وہ مرشد کے حکم سے لاہور تشریف لائے تو جس دن وہ لاہور پہنچے اسی دن انھوں نے حضرت حسین زنجانیؒ کا جنازہ سامنے سے گزرتا دیکھا چنانچہ حضرت داتا صاحبؒ بھی آپ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔

---

[1] سید یعقوب زنجانی کی وفات ۶۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور، متصل تالاب رتن چند روڑی والا میں مدفون ہیں۔ آپ کا عرس ۱۶ رجب کو منایا جاتا ہے۔

[2] خزینۃ الاصفیا جلد دوم

Marfat.com

خدا بخش ملتانیؒ (مولانا)

خیر پور

بہاول پور کے قصبہ خیر پور میں مولانا محمد خدا بخش ملتانیؒ کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے جہاں ماہ صفر میں عرس کے موقعہ پر ہزاروں زائرین آتے ہیں۔ خانقاہ کے سامنے ایک خوش وضع دالان، خوبصورت مسجد اور حجرے بنائے گئے ہیں۔ عرس کے موقعہ پر زائرین کے آرام کی خاطر ایک بڑا مہمان خانہ بھی ہے۔

شجرۂ نسب آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے: مولانا خدا بخش ولد مولوی جان محمد ولد مولوی عنایت اللہ ولد مولوی حسن علی ولد مولوی محمود ولد مولوی محمد اسحاق ولد مولوی علاؤ الدین۔[1]

آپ قصبہ تلمبہ کے رہنے والے قوم ملہنا میں سے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں مولوی محمود صاحب ولی کامل تھے۔ آپ کے والد بزرگوار بھی بڑے عالم، متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔

ابتدائی زمانہ طلب علم کے لیے مولوی عبد الحکیم چشتی[2] کے ہاں گڑھی اختیار خاں جانیکا ارادہ کیا۔ جب شجاع آباد[3] پہنچے تو لوگوں کے اصرار پر دو تین ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ پھر ملتان کا قصد کیا تاکہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ ان کے آستانہ پر حاضری دی اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔

حافظ صاحب کی ہدایت کے مطابق آپ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت صرف و نحو، منطق و معانی، بدیع و بیان وغیرہ جملہ علوم متعارفہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ شغل بڑھاپے تک جاری رہا۔ تمام لوگوں میں آپ کے علمی کمالات کا چرچا پھیل گیا تھا سینکڑوں طالب علم آپ سے فیض حاصل کر کے روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچے۔

---

[1] "حدیقۃ الاخیار" ترجمہ گلشن ابرار مؤلفہ خواجہ امام بخش ص ۲۷۹۔

[2] یہ بزرگ حضرت گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے۔

[3] یہ شہر ملتان سے اٹھارہ کوس جنوب میں ہے۔

Marfat.com

آپ نے " توفیقیہ " کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس میں احکام شریعت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کیے۔

کافی مدت ملتان اور اطراف واکناف میں گزارنے کے بعد آپ خیرپور چلے آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بہاول پور کے نواب محمد صادق خان نے آپ کے خدام کا روزینہ مقرر کر دیا اور لنگر کا سارا خرچ بھی اپنے ذمے لیا۔ چنانچہ وہاں ایک عمدہ سرائے، فقراء کے لیے حجرے اور دیگر عمارتیں بنوائی گئیں۔

ایک واقعہ | آپ کے کشف و کرامات کے کئی واقعے بیان کیے جاتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ملتان کی کسی گلی میں سے گزر رہے تھے کہ کتیا آپ پر بھونکی آپ نے مڑ کر اس پر نگاہ ڈالی اور چلے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس اسی راستے سے گزرے تو دیکھا کتیا مری پڑی ہے۔ آپ اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے کُتیا! اس فقیر نے تو تجھے کچھ نہیں کہا مگر خدا سے اپنے بندے کے حق میں تیری یہ گستاخی گوارا نہ ہوئی۔

وفات | صفر ۱۲۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

Marfat.com

داؤد کرمانی رح (شیخ)

شیر گڑھ

ضلع منٹگمری میں شیر گڑھ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں حضرت شیخ داؤد کرمانی رح کا مزار ہے۔ سال میں ایک دفعہ ان کا عرس ہوتا ہے جس میں آس پاس کے علاقوں کے علاوہ دور دراز سے ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند آتے ہیں

نسبت حضرت شیخ داؤد کرمانی کی نسبت چند واسطوں سے امام موسیٰ کاظم رض تک اس طرح پہنچتی ہے:

سید داؤد کرمانی بن سید فتح اللہ کرمانی بن سید مبارک بن سید فیض اللہ باقی بن سید صفی الدین آدم کرمانی بن سید تقی الدین احمد بن سید عبد المجید بن سید عبد الحفیظ بن سید عبد الرشید بن سید ابو النقایم بن سید ابو المکارم بن سید ابو المحاسن بن سید ابو الفیض بن سید ابو المفضل بن سید عبد الباقی بن ابو المعالی محمد بن سید ابو الواہب بن سید ابو الحیات بن سید محمد بن سید ماہ بن سید شاہ محمد میر بن سید مسعود بن سید محمود بن سید ابو الاحمد بن سید داؤد بن سید ابو ابراہیم اسماعیل بن سید محمد بن موسیٰ بر قع بن امام موسیٰ رض

ابتدائی حالات حضرت شیخ داؤد کرمانی رح کے بزرگ عرب سے ہندوستان آئے تھے اور ملتان کے قریب کسی جگہ مقیم ہوگئے تھے۔ ان دنوں لاہور میں مشہور شاعر اور عالم مولانا جامی رح کے ایک شاگرد مولانا اسماعیل رہتے تھے۔ شیخ داؤد رح نے علوم ظاہری میں ان سے تربیت حاصل کی پھر جلد ہی علوم باطنی کی طرف طبیعت مائل ہوگئی۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم رح سے اویسی طریقہ پر تربیت پائی۔

۱؎ خزینۃ الاصفیا (جلد اول)

Marfat.com

بیعت پھر قادریہ سلسلہ کے مشہور عالم شیخ عبدالقادر ثانی (وفات سنہ ۹۴۰ھ) کے پوتے حضرت سید حامدؒ سے جو حامد گنج بخشؒ[1] کے نام سے مشہور ہیں۔ بیعت کی اور ان کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔

عبادت و ریاضت عبادت و ریاضت میں بہت مصروف رہنے لگے۔ بڑی بڑی ریاضتیں کیں۔ تن تنہا ننگے سر اور ننگے پاؤں جنگل میں پھرتے رہتے۔ خاصی مدت اسی طرح گزری پھر شیر گڑھ میں سکونت اختیار کر لی۔

بزرگی اور کرامت آپ بڑے باکمال اور باکرامت بزرگ تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اُس زمانے کے مشہور چشتی بزرگ شیخ قطب عالم کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ جب میں (شیخ قطب عالم) شیخ داؤد کی خدمت میں پہنچا تو خیال گزرا کہ کہیں آپ مہدوی[2] نہ ہوں۔ ادھر میرے دل میں یہ خیال گزرا اُدھر شیخ نے میرے اظہار کے بغیر فرمایا کہ مہدویہ فرقہ گمراہ ہے اور ان کے پاس اپنے طریقے کی کوئی سند نہیں۔

---

[1] (وفات سنہ ۹۷۸ھ) شیخ شیر علی شاہ جن کا روضہ ملتان میں مغرب کی جانب واقع ہے۔ شیخ حامدؒ کے خلیفہ تھے۔ شیخ حامدؒ کے ایک صاحبزادہ شیخ موسےٰ پاک شہید تھے جو ملتان میں پاک دروازہ کے اندر آرام فرما ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے قادریہ سلسلہ میں ان سے بیعت کی تھی۔ شاہی لشکر میں بھی رہے۔ آخری ایام اُچہ میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزارے وہیں ان کا مزار ہے۔

[2] مہدوی سے مراد وہ لوگ ہیں جو سید محمد جونپوری کے پیرو تھے۔ سید محمد جونپوری سنہ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔ حج کرنے گئے تو مکہ معظمہ میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ پھر احمد آباد گجرات واپس آئے تو یہاں بھی مہدویت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جو میرے دعوے پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔ چنانچہ ان کے لیے قتل کا فتویٰ دیا گیا اور وہ قندھار چلے گئے۔ یہاں بھی علماء نے ان کی مخالفت کی۔ پھر خراسان کے شہر فراہ کی طرف چلے گئے اور وہیں سنہ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد کئی با اثر اور مشہور علماء نے مہدوی طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ تھا کہ مہدوی ہر وقت قیامت کے انتظار میں رہتے تھے۔ دنیا کی ناپائیداری پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنا تمام دنیوی ساز و سامان غربا میں بانٹ کر توکل کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ شرع کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ خلاف شرع امور کو روکنے میں کسی جابر سے جابر حاکم کی بھی پروانہ کرتے تھے۔

Marfat.com

آپ بڑے پابندِ شریعت تھے۔ قرآن اور حدیث کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے
آپ کی روحانیت اور تقدس کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔

اکبر کا نامہ و پیام ایک مرتبہ شہنشاہ اکبر نے شہباز خان کو بھیج کر انھیں اپنی خدمت میں طلب کیا، لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ میں یہیں بیٹھا تمھیں غائبانہ دُعا دیتا ہوں۔ میں یہی کچھ کرسکتا ہوں۔

تبلیغی کام اگرچہ آپ کے ملفوظات اور تذکروں میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں کوئی باقاعدہ اور باضابطہ کام کیا ہو تاہم اسے آپ کی روحانی عظمت سمجھیے کہ روزانہ پچاسوں کی تعداد میں غیر مسلم اپنے کنبے سمیت حاضرِ خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے[1]۔

مشہور مؤرخ بدایونی کی ملاقات مشہور مؤرخ شیخ عبدالقادر بدایونی نے شیر گڑھ جا کر آپ سے ملاقات کی۔ وہ تین چار روز آپ کے پاس رہا[2]۔ پھر اپنے تذکروں میں حضرت کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی آپ کی عظمت اور بزرگی کا قائل تھا اور آپ کے تقدس سے بہت متاثر ہوا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ گفتگو کے وقت شیخ کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک اور نور نظر آتا تھا۔ بدایونی نے آپ کے چہرے کے جمال و جلال کی بھی بہت تعریف کی ہے۔

وفات آپ کی وفات ۹۸۲ھ[3] میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین شیخ ابوالمعالی قادری لاہوری (وفات ۱۰۲۴ھ) نے جو صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں اور جن کے حالات اس کتاب میں الگ بیان کیے گئے ہیں، پنجاب میں قادریہ سلسلے کا فیض گھر گھر پہنچایا۔

---

[1] یہ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے۔
[2] حضرت نے اپنی کلاہ بھی بدایونی کو عنایت کی تھی۔
[3] خزینۃ الاصفیاء (جلد اوّل)

Marfat.com

سخی سرورؒ

لاہور

لاہور میں لوہاری اور بھاٹی دروازہ کے درمیانی راستہ میں موری دروازہ[1] واقع ہے۔ اس دروازے کے قریب ہی ایک مزار بنا ہوا ہے جو سخی سرورؒ کا مزار بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں ہر سال فروری کے مہینہ میں سخی سرورؒ کا سالانہ عرس اور میلہ لگتا ہے جس میں مزار کے آس پاس رہنے والے یا مقامی لوگ شرکت کرتے ہیں۔

سخی سرورؒ کے مفصّل حالات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔

واضح رہے کہ اسی نام کے ایک اور بزرگ بھی ہیں جو "سخی سرور سلطان" کہلاتے ہیں۔ ان کے حالات اگلے باب میں بیان ہوئے ہیں۔

---

[1] یہ دروازہ چونکہ بہت تنگ تھا اس لیے موری دروازہ کے نام سے مشہور ہوا۔

Marfat.com

سخی سرور سلطانؒ (المعروف لکھ داتا)

ڈھونکل (ضلع گوجرانوالہ) میں حضرت سخی سرور سلطانؒ المعروف لکھ داتا کا عرس ۲۹ اگست کو دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ دور دراز سے لوگ عرس میں شرکت کے لیے آتے ہیں۔

حضرت سخی سرور سلطانؒ خطۂ ملتان کے اولیا و مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتان کے مرید اور خلیفہ تھے۔

نام اور حسب و نسب اصل نام سید احمد تھا مگر سخی سرور سلطان کے نام سے زیادہ مشہور۔ جود و سخا کے باعث لکھ داتا کا لقب پایا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے یوں ملتا ہے:

سید احمد بن زین العابدین بن سید عمر بن سید عبداللطیف بن سید بہاؤالدین بن سید غیاث الدین بن بہاؤالدین بن صلاح الدین بن سید زین العابدین بن سید عیسیٰ بن سید صالح بن سید عبدالغنی بن سید جلیل بن خیرالدین بن سید ضیاءالدین بن سید داؤد بن سید عبدالجلیل رومی بن سید اسماعیل بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقرؒ بن حضرت امام زین العابدینؒ بن سید الکونین حضرت امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔[1]

ابتدائی حالات حضرت کے والد بزرگوار عرب سے ہندوستان آئے اور ملتان کے مضافات میں کرسی کوٹ نام ایک مقام پر فروکش ہوئے۔ یہ جگہ آجکل شہاکوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ والدہ محترمہ کا نام عائشہ تھا۔ آپ کے ایک بھائی کا نام عبدالغنی تھا جو سید خان ڈھوڈ کے نام سے مشہور ہوئے۔

تحصیل علوم باطنی بچپن ہی سے طبیعت میں وہ تمام رجحانات پائے جاتے تھے جو ولایت اور کاملیت کے مدارج طے کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں ہی آپ کے

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۲۴۶

Marfat.com

افعال و کردار کے اندر اعلیٰ روحانی مستقبل کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ والد بزرگوار بہت متقی اور پرہیزگار شخص تھے چنانچہ ان کی دینی تربیت نے روحانی ترقی کے لیے مزید راستے ہموار کیے اور ان کی صحبت میں رہ کر دین اور دنیا دونوں کی برکات سے فائدہ اٹھایا۔ پھر کسب فیض کی غرض سے بغداد گئے اور حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی۔ پھر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے استفادہ کیا اور اسی طرح علوم ظاہری و باطنی کے مظہر بن گئے۔

پنجاب میں آمد ان دنوں مولوی محمد اسحٰق لاہوری کے چشمۂ فیض سے ایک دنیا سیراب ہو رہی تھی۔ آپ بھی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور ان سے تحصیل علم کے بعد ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل وزیر آباد کی طرف چلے گئے۔ وہاں دریائے چناب کے کنارے اس جگہ قیام فرمایا جہاں آجکل سوہدرے کا گاؤں آباد ہے۔[1] کچھ مدت تک آپ یہیں قیام فرما رہے۔ آس پاس کے لوگوں میں آپ کی ولایت کا چرچا ہوا تو گروہ کے گروہ فیض حاصل کرنے کے لیے آنے لگے پھر عقیدت مندوں کا سلسلہ جلد ہی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ عقیدت مند نذر و نیاز کے طور پر بے اندازہ روپیہ اور مال لاتے اور وہ سارے کا سارا آپ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ یہی وہ دور ہے جس میں آپ نے غریب پروری اور سخاوت کے دریا بہائے اور لوگ آپ کو لکھ داتا کہہ کر پکارنے لگے۔

مراجعتِ وطن جتنی مدت آپ سودھرا میں رہے خلق خدا آپ کی روحانی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی رہی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہوئے اور دین و دنیا کی کامرانی حاصل کی۔ بالآخر جب وطن کی یاد نے ستایا تو خواہش پیدا ہوئی کہ اب لوٹ چلیں چنانچہ آپ کروڑ کوٹ میں آ گئے۔

شادی ملتان کے حاکم کو جب حضرت کی آمد کا پتہ چلا اور آپ کے روحانی کمالات کا اندازہ ہوا تو وہ بھی آپ کا مرید بن گیا اور اپنی بیٹی بے بے بائی کو حضرت کے نکاح میں

---

[1] یہ گاؤں وزیر آباد شہر سے قریباً ۸ میل کے فاصلے پر وزیر آباد سیالکوٹ روڈ پر واقع ہے۔

Marfat.com

دے دیا۔ کرسی کوٹ دینی تبلیغ کا ایک اچھا خاصہ مرکز بن گیا جہاں حضرت سخی سرور سلطان کے علم و معرفت کے چشموں سے خطۂ ملتان کے لوگ سیراب ہونے لگے۔ مگر جہاں آپ کی باطنی کمالات کی دھوم مچی وہاں بعض لوگ آپ سے حسد بھی کرنے لگے چنانچہ وہ آپ کے آزار کے درپے ہوگئے اور آپ کے مریدوں کو ورغلانے لگے۔ ان حاسدوں میں آپ کا ایک عزیز بھی شامل تھا۔ آپ کو شر پسند لوگوں کا یہ رویہ پسند نہ آیا۔ چنانچہ یہی مناسب سمجھا کہ اسی علاقے کو ہی خیرباد کہہ دیا جائے۔

وطن سے کوچ | آپ نے کرسی کوٹ کو خیرباد کہا اور کسی پرسکون مقام کی تلاش میں نکل پڑے جہاں آپ اطمینان سے بیٹھ کر یاد رہی ہیں دن بسر کر سکیں۔ چنانچہ اپنی بیوی اور بھائی سید عبدالغنی کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں اس جگہ پہنچے جہاں آپ کا مزار ہے اور زندگی کے باقی ایام یہیں گذارے۔ مزار کی اصل جگہ کا علم نہیں۔

Marfat.com

سُرخ بخاریؒ (جلال الدّین منیر شاہ)

اُچ شریف

ریاست بہاول پور کے قصبہ اوچ شریف میں سید جلال الدین منیر شاہ میر سُرخ بخاریؒ کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ عام دنوں میں آپ کے مزار پر زائرین کی آمدورفت رہتی ہے۔ جمعرات کو خصوصیت سے عقیدت مندوں کا بے پناہ ہجوم رہتا ہے۔ اور درگاہ میں ایک عجیب منظر دکھائی دیتا ہے۔

حسب و نسب آپ کا اصل نام سید جلال الدین منیر شاہ ہے۔ سُرخ بخاریؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت امام محمد نقیؒ تک یوں پہنچتا ہے:

میر سُرخ بخاریؒ بن سید ابوالمؤید علی بن سید جعفر بن سید محمد محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سیّد علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن حضرت امام ذوی الکرام سید محمد تقی۔

شیر شاہ، میر سُرخ، شریف اللہ، ابوالبرکات، ابو احمد، میر بزرگ، مخدوم اعظم، جلال اکبر، عظیم اللہ یہ سب آپ کے خطابات تھے[1]

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے بڑے خلیفوں میں تھے۔ سید جلال الدین بخاریؒ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے آپ دادا ہیں جن کا حال اس کتاب میں الگ بیان کیا گیا ہے۔

ابتدائی حالات ۵۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد سیاحت کو نکلے۔ نجف اشرف، حجاز، بیت المقدس اور بعض دوسرے شہروں کی سیاحت کے بعد کچھ دنوں کے لیے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی اور زہد و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ قیام حج تک وہیں رہے۔ فریضہ حج سے فارغ ہو کر مختلف علاقوں میں پھرتے رہے۔ علما و مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور کسب فیض کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لائے، جہاں شہر جھنگ سیال کی آبادی کی بنیاد ڈالی، وہیں خانقاہ اور حجرہ تعمیر کیا اور ذکر و فکر میں لگ گئے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صـ ۳۵۔

Marfat.com

ایک واقعہ آپ کی کرامت کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آپ حجرہ کو مقفل کر کے کہیں باہر گئے۔ مسجد کے اندر کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ انھوں نے سنا کہ حجرہ کے اندر سے ذکر وفکر کی آواز آرہی ہے، چونکہ دروازہ مقفل تھا اور خواجہ صاحب اندر موجود نہ تھے، اس لیے لوگ حیران ہوئے کہ یہ آواز کس کی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس آب خورہ سے آپ پانی پیا کرتے تھے وہ حجرے کے اندر رکھا تھا اور یہ آواز اسی آب خورہ کی تھی۔

وفات خواجہ صاحب نے ۱۹ جمادی الاوّل سنہ ۶۹۰ھ میں اوچ میں وفات پائی۔

اولاد آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ سید علی اور سید جعفر نام دو صاحبزادے بخارا چلے گئے پھر لوٹ کر نہ آئے۔ انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔

تیسرے فرزند سید احمد کبیر تھے جنھیں سید مخدوم جہانیاںؒ جیسا فرزند نصیب ہوا۔ چوتھے فرزند کا نام سید صدرالدین محمد غوث اور پانچویں کا نام سید بہاؤالدین احمد تھا۔

Marfat.com

سروانیؒ (شاہ)

لاہور

لاہور میں مزنگ کے قریب شمال کی جانب شاہ سروانیؒ کا مزار بتایا جاتا ہے، جہاں سال میں دو مرتبہ یعنی ۹ صفر اور ۹ ربیع الاوّل کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

آپ کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اصل نام شاہ سرربانی تھا مگر شاہ سروانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ احمد آباد دکن اصل وطن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ میری نعش کو صندوق میں بند کر کے پنجاب لے جانا اور اس مقام پر دفن کرنا جہاں سے صندوق کسی کے ہلائے ہل نہ سکے۔ چنانچہ صندوق جب لاہور پہنچا تو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتا تھا۔ پس صندوق کو یہیں دفن کر دیا گیا۔

آپ کی وفات ۱۰۳۵ھ میں ہوئی۔ ۹ صفر کا عرس تاریخ وصال کے مطابق منایا جاتا ہے اور ۹ ربیع الاوّل کو اس لیے کہ اس تاریخ پر آپ کا صندوق لاہور میں دفن کیا گیا تھا۔

Marfat.com

سید سرؒ

لاہور

سید سرؒ کا ضمنی تذکرہ سیّد جان محمد حضوری کے حالات میں آیا ہے -

---

Marfat.com

شاہ دولا (گجراتی)

گجرات

گجرات شہر میں شاہ دولی دروازہ کے باہر پنجاب کے مشہور باکرامت بزرگ شاہ دولا دولی کا مزار مرجع خلائق ہے۔ جہاں عام دنوں کے علاوہ جمعرات کو زائرین کی کثرت نظر آتی ہے کبھی کبھی[1] عرس کا بھی اہتمام ہوتا ہے اور اس موقعہ پر ایک بڑا اجتماع دیکھنے میں آتا ہے۔ بھنڈارا اور قوالی وغیرہ ہوتی ہے۔

سلسلہ نسب وطریقت آپ کا سلسلہ نسب سلطان بہلول لودھی سے ملتا ہے۔ اور سلسلہ طریقت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی تک اس طرح پہنچتا ہے:

شاہ دولہ مرید شاہ سیدا سیالکوٹی سرمست مرید شاہ مونگا مرید شاہ کبیر مرید شیخ شہراللہ مرید شیخ یوسف مرید پیر برہان مرید شیخ صدرالدین مرید شیخ بدرالدین مرید شیخ اسماعیل قریشی مرید حضرت شاہ صدرالدین مرید شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی، مرید شیخ صدرالدین عارف مرید غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی[2]

ابتدائی حالات آپ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ اس لیے تعلیم و تربیت سے محروم رہے اور سیالکوٹ کے ایک شخص گھما وڈیرا کے ہاں ملازم ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ بچپن میں آپ کو ایک ہندو کے ہاں فروخت کر دیا گیا اور آپ اس کی خدمت کرنے لگے۔ مالک نے آپ کی خدمت سے خوش ہو کر آزاد کر دیا اور آپ سیالکوٹ چلے گئے۔

شاہ سیدا سرمست سیالکوٹی سیالکوٹ میں ان دنوں عہد جہانگیری کے بہت بڑے بزرگ شاہ سیدا مقیم تھے جنہیں سرمست سیالکوٹی بھی کہا جاتا ہے اور شاہ مونگا ولی کے مرید تھے۔ شاہ دولا شاہ سیدا سے بیعت کر کے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

---

[1] جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں باقاعدہ سالانہ عرس کی تاریخ متعین نہیں تاہم عموماً ۲ نومبر کو ان کا عرس ہوتا ہے۔ [2] خزینۃ الاصفیا جلد دوم

Marfat.com

شاہ دولہ نام کی وجہ | چونکہ ولی مادرزاد تھے اس لیے بچپن ہی میں خوارق وکرامات آپ سے سرزد ہونے لگی تھیں۔ آپ نے کچھ مدت پیر کی خدمت میں گزاری۔ جب شاہ سیدا کے وصال کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے ایک مرید کو جس کا نام شاہ دولا تھا آواز دی۔ چونکہ وہ موجود نہ تھا اس لیے آپ اندر چلے گئے۔ پیر نے کہا کہ مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔ میں نے شاہ دولا کو بلایا ہے۔ آپ باہر آگئے۔ پیر نے دوبارہ شاہ دولہ کو آواز دی، تب بھی آپ حاضر ہوئے۔ تیسری مرتبہ جب پھر ایسا ہوا، تو پیر نے یہ شعر پڑھا ؎

ہر کہ را مولا بہ نہد　　　شاہ دولا گردد

پھر نعمت الٰہی ان کے حوالے کی اور وفات پا گئے[۱]

شاہ دولہ اُسی وقت سے مجذوب ہو گئے اور مست الست پھرنے لگے اور انھیں شاہ دولہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

جذب کا عالم | آپ پر جذب کا عالم طاری رہتا تھا۔ احکام شرع کے متعلق کچھ سوچنے کا خیال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بس جنگلوں میں پریشان پھرتے رہتے تھے۔ یا کہیں مراقبے میں پڑے رہتے تھے۔ سماع سے بہت رغبت تھی جو منہ سے نکلتا وہ پورا ہو کر رہتا۔

مرتبہ اور کام | آپ کی کرامات کو دیکھ کر لوگ آپ کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔ مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا مگر آپ کا زیادہ وقت مراقبے ہی میں گزرتا۔ کوئی حاجت مند سامنے آکر سوال کرتا تو سر اٹھا کر اس کی حاجت روائی فرما دیتے۔ لوگ آپ کو اپنے عہد کا سب سے بڑا ولی مانتے تھے۔ چنانچہ نذر نیاز کی صورت میں بہت سا مال و دولت آتا جو سب کا سب رفاہِ عام پر خرچ کر دیتے۔ آپ نے سیالکوٹ اور گجرات میں کئی مسجدیں اور مدرسے، پُل اور دوسری عمارتیں بنوائیں۔ وسیع لنگر جاری کیے۔

شاہ دولا کے چوہے | کہا جاتا ہے کہ شاہ دولا ولی کے پاس زیادہ لوگ اولاد کی خواہش لے کر آتے تھے۔ ایسے سوالیوں سے کہا جاتا کہ وہ اولاد کی پیدائش پر سب سے پہلا بچہ

---

[۱] شاہ سیدا سرمست سیالکوٹی کا مزار کنک منڈی محلہ شاہ سیداں، نزد تحصیل بازار سیالکوٹ میں ہے یہ محلہ انھیں کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا سلسلہ سہروردیہ تھا۔

Marfat.com

شاہ دولا کی نذر کریں گے۔ چنانچہ اس عہد کے بعد شاہ دولا ان کے حق میں اولاد کے لیے دعا کرتے۔ اس طرح جو بچہ پیدا ہوتا اُس کی مخصوص ہیئت ہوتی تھی یعنی اس کا سر چھوٹا، اس کی زبان گنگ اور وہ مجذوب اور مسلوب الحواس ہوتا۔ والدین اس بچے کو شاہ دولا کی درگاہ میں پیش کر دیتے۔ اس طرح شاہ دولا کی درگاہ میں بہت سے اسی ہیئت کے بچے پرورش پاتے تھے، جنھیں "موش شاہ دولا" یعنی شاہ دولا کے چوہے کہا جاتا تھا۔ شاہ دولا کے مزار پر یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اسے شاہ دولا کی کرامت گردانا جاتا ہے۔[1]

شاہ دولہ اور اورنگ زیب عالمگیر

رسالہ دین و دنیا دہلی کے ایک پرانے پرچے میں سید حسن برنی کا ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں انھوں نے ایک ہندو مصنف کی ایک قدیم کتاب جس میں شاہ دولہ کی کرامتوں کا حال درج ہے۔ کے قلمی نسخے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے دو اقتباسات فارسی سے ترجمہ کر کے پیش کیے۔ یہ اقتباسات سید حسن برنی ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

وہ لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کے مطالعہ اور ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدتوں کے میل جول نے اس زمانہ میں ہندو مسلمانوں کو ایک کر دیا تھا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رواداری کرنا خوب جانتے تھے۔

خدا کے فضل سے حضرت ولی اللہ شاہ دولاؒ کا راجہ چیتر سیہ راجہ ملک راجور مرید خاص اور خادم با اخلاص تھا۔ اس کے خاندان میں قدیم سے باپ دادوں سے یہ رسم اور مقررہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اس کے پیدا ہوتے ہی اُسے مار دیتے تھے۔

جب بائی نام لڑکی اس کے گھر پیدا ہوئی تو حضرت نے از روئے کشف معلوم کر کے راجہ کو یہ بشارت دی کہ یہ دختر فرخندہ اختر بڑے زبردست نصیبہ والی پیدا ہوئی ہے۔ اسے نہ مارا جائے۔ راجہ متعجب اور حیران رہ گیا۔ کچھ دن بعد پھر چاہا کہ لڑکی کو عدم آباد میں آباد کر دے۔

---

[1] کہا جاتا ہے کہ پہلا بچہ پیدا ہونے پر اگر والدین اسے درگاہ کی نذر نہ کریں تو بچے کو عجیب وغریب قسم کے دورے پڑنے لگ جاتے ہیں۔ اس کی آنکھیں پتھرانے لگتی ہیں چنانچہ والدین مجبور ہو کر اسے درگاہ میں چھوڑ آتے ہیں اور وہ تندرست ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا "یہ بات ٹھیک نہیں۔ یہ لڑکی بادشاہوں کے نصیب میں ہے اور اس سے بادشاہ پیدا ہوں گے اور اُس کی بدولت تمھارے مرتبے بلند وارجمند ہوں گے۔ اسے مار ڈالنا کسی طرح جائز نہیں"۔

راجہ نہایت حیران تھا، آخر اپنے آدمیوں، متعلقوں اور لڑکی کو لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت کی خدمت میں نذر و نیاز گزران کر سب پیروں میں پڑ گئے۔ جب اُس لڑکی کو حضرت کے قدموں میں ڈالنا چاہا تو حضرت نے منع کر دیا اور کہا "بھاؤ! یہ لڑکی بڑی طالع مند اور نیک بخت ہوگی اور اس سے بادشاہ پیدا ہوں گے جو بڑا مرتبہ پائیں گے اور تمھیں بھی اس کی خوش قسمتی کا بڑا فیض پہنچے گا اور فقیر کو بھی بے شمار خیرات ملے گی۔ اس کے حق میں بُرا خیال نہ لایا جائے"۔

وہ حضرت کا حکم قبول کر کے چلے گئے اور خیال فاسد کو دُور کر دیا اور اس کی نگہداشت اور پرورش میں لگ گئے۔

کتنے ہی سال بعد لڑکی بالغ ہوگئی۔ خاقانِ روزگار شاہجہان پادشاہ والا اقتدار متوجہ کشمیر جنت نظیر ہوئے تو راجہ مذکور نے اس لڑکی کو خسرو زماں کے نذر گزرانا۔ ملک آفاق نے اپنے سن و سال اور لڑکی کی عمر کا خیال کرتے ہوئے خود تو قبول نہ کیا لیکن اپنے بیٹے شاہزادہ اورنگ زیب کو اُسے بخش دیا اور اس کا نکاح اس سے کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد بہ زمانہ شاہزادگی اورنگ زیب غازی شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک جانور زر مرغ کا نام اور دو ولائتی بلیاں اور ایک لکڑی کی چھڑی پیش کی۔ دل میں خیال کیا کہ اگر شاہ دولا اس چھڑی کو مجھے مرحمت کر دیں گے تو سمجھوں گا کہ تخت سلطنت مجھے ملے گا۔ ابھی قدم بوسی کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ حضرت نے " بادشاہ سلامت " فرما کر سلام کیا اور اُس وقت ایک نان نیاز کا آیا ہوا اورنگ زیب کے سامنے رکھ کر چھڑی عنایت کی اور فرمایا "بھاؤ یہ نان خدا کے حکم سے تیرے لیے آرہا ہے اور یہ حکمرانی کی چھڑی تجھے مرحمت ہوتی ہے خاطر جمع رکھ" اورنگ زیب معتقد ہو کر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ بیگم بائی سے کہا شاہ دولا فی الواقع فقیر کامل ہے جو میرے دل میں تھا اسی طرح کیا۔ بیگم بائی نے کہا میری جان بخشی

Marfat.com

کر کے حضرت نے فرمایا تھا کہ تو پادشاہ کے گھر میں جگہ پائے گی اور تجھ سے پادشاہ پیدا ہونگے
ہیں جس دن سے خدمت والا میں آئی ہوں جانتی ہوں کہ پادشاہی آپ کے ملازموں کے
حصہ میں ہے اور میرا بیٹا بھی بادشاہی کرے گا۔

چنانچہ اورنگ زیب نے بھی سلطنت پائی اور بہادر شاہ اور سلطان محمود اورنگ زیب
کے بیٹے بیگم بائی سے پیدا ہوئے۔ عالم و عالمیان قول و کرامت حضرت شاہ دولا کے معتقد ہوئے۔

بلبھ رائے کا واقعہ

۲۔ عنایات خداوندی سے بلبھ رائے ہندو حضرت ولی اللہ شاہ دولا کا
خادم عقیدت مند و مرید ارادت پیوند تھا۔ حضرت نے اُسے سدا بسنت
کا خطاب دے رکھا تھا۔ وہ شاہزادہ والا گہر دارا شکوہ کی حضوری و وکالت پر مامور تھا۔

ایک روز بطریق نذر و نیاز نقود و اجناس شاہزادہ جہان و جہانیاں کی طرف سے گزران
کر اُس کے بارہ میں دعا کا طالب ہوا اور عرض کیا "جناب کرامت مآب سے اعتقادِ کامل
رکھتے ہیں۔ حکم ہو کہ تختِ سلطنت و جہانبانی ان کے وجود سے آرائش پائے۔ حضرت نے فرمایا
"بھاؤ، بر حق اور مال ایک شخص کُلہ دار کا ہے، دستاربند کو نہیں پہنچ سکتا۔"

ہر چند اس نے تکرار کی کہ وہ مرید اُس آستان عظمت نشان کا ہے اور دونوں سر حضرت
پر فدا ہوں گے۔

فرمایا "پختہ کار آدمی کو طمعِ خام کا آرزومند ہونا فائدہ نہیں دیتا۔"

خاموش ہو کر رہ گیا اور جان لیا کہ اس کے نصیب میں نہیں ہے۔ چنانچہ آخر کار باوجود
ہنگامہ ہائے بے شمار اور نبرد ہائے ہزار در ہزار، پیرایۂ خلافت و جہانداری نے پادشاہزادہ
اورنگ زیب کے وجود اور مستعد فرمانروائی (فرمانروائی آمادہ) سے آراستگی پائی اور عالم و
عالمیان کو حضرت کی کرامت و اعجاز پر پورا یقین حاصل ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ منت مانگنے والے لوگ یہاں چاندی کا پنجہ چڑھاتے ہیں اور اولاد کی خواہشمند
عورتیں کاغذ کے پھول چڑھاتی ہیں۔

وفات

سنِ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض ۱۰۸۷ھ (۷۷-۱۶۷۶ء) بتاتے ہیں، بعض
نے ۱۰۸۵ھ بعض نے ۱۰۷۵ھ بیان کیا ہے۔ مؤخر الذکر زیادہ قرین قیاس ہے۔

شرفؒ (شاہ)

لاہور

لاہور میں جیل روڈ اور چاند ماری کے ٹیلوں کے قریب اینٹوں کے ایک چبوترہ پر شاہ شرفؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ۱۳ صفر کو منایا جاتا ہے۔

اس چبوترے پر ایک قبر آپ کے مرشد محمد فاضل قادری شطاریؒ کی ہے۔ اور ایک تیسری قبر آپ کے مرید عزیز اللہؒ کی۔

حالات شاہ شرفؒ کے زیادہ حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ قصبہ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ کھتریوں کی "پوری" قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

اپنے وقت کے بزرگ تھے۔ جہاں آپ کا مزار ہے اس کے جنوب میں ایک مسجد تھی جس میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہ مسجد اب موجود نہیں مگر اس کے کھنڈر دیکھنے میں آتے ہیں۔

وفات ۱۱۳۷ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

شمس الدین قادری رحؒ (شاہ)

لاہور

لاہور میں باغ جناح کے قریب ریس کورس روڈ سے گاف روڈ پر جائیں تو تھوڑا آگے بائیں طرف چمبہ ہاؤس ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک کوچہ نما[1] سڑک شاہ شمس الدین قادریؒ کے مزار کو جاتی ہے۔

مزار مزار ایک چھوٹے سے احاطہ کے اندر ہے۔ ساتھ ہی ایک مسجد ہے جو آج سے قریباً ستر سال پہلے تعمیر ہوئی۔ آس پاس کچھ رہائشی مکان اور چند ایک دکانیں ہیں۔ مزار کے نام سے اس بستی کا نام بھی شاہ شمس قادری پڑ گیا۔

عرس اس جگہ شاہ شمس قادریؒ کا عرس ہر سال ۱۸ اور ۱۹ اسوج[2] کو منایا جاتا ہے۔ عرس کے موقعہ پر نعت خوانی اور قوالی ہوتی ہے۔ بھنڈارا تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے چونکہ مزار بالکل غیر آباد جگہ پر تھا اس لیے عرس صرف دن کے وقت ہوتا تھا۔ رات کو لوگ ہیبت محسوس کرتے تھے مگر اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی چونکہ اردگرد ایک بستی آباد ہوگئی ہے اور کافی رونق ہے لہٰذا زائرین رات بھی یہیں بسر کرتے ہیں۔

یہ روضہ شاہجہان نے جو آپ کا بہت معتقد تھا تعمیر کرایا تھا اور جہانگیر نے اس کے گرد ایک باغ بھی لگوایا تھا۔ یہ باغ اب اجڑ چکا ہے۔

حالات شاہ شمس الدین قادریؒ کے مفصل حالات کا علم نہیں ہوسکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ شاہ ابو اسحاقؒ[3] کے خادم اور شاہ بلاولؒ[4] کے پیر بھائی تھے۔ شاہ محمد غوث لاہوریؒ آپ کی اولاد (چھٹی پشت) میں سے تھے۔ افغانستان کے ایک مست جن کا نام حیدر علی شاہ تھا اور مزار آزاد قبائل میں ہے، آپ کے خاص مرید تھے۔

---

[1] اس راستے کو چمبہ ہاؤس لین نمبر ۲۷، ۲۸ کہتے ہیں۔ [2] آپ کا یوم وفات ۱۱ رجب ہے۔
[3] شاہ ابو اسحاق کا ذکر الگ آیا ہے۔ آپ شاہ ابو المعالی کے پیر بھائی تھے۔ آپ کا عرس ۵ محرم کو منایا جاتا ہے۔
[4] شاہ بلاول کے حالات بھی اس کتاب میں الگ بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

شمس الدینؒ (خواجہ سیالوی)

سیال شریف

سرگودھا سے قریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر قصبہ سیال شریف میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ جہاں ہر سال ۲۴ صفر کو ان کا عرس منایا جاتا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں زائرین جمع ہوتے ہیں۔ سرگودھا سے سیال شریف تک موٹریں اور تانگے جاتے ہیں۔

حالات شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کا ذکر اس کتاب میں آگے آئے گا، خواجہ شمس الدین سیالویؒ ان کے خلفاء میں سے ہیں جنھوں نے سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں بہت سرگرمی سے کام لیا۔

ابتدائی تعلیم آپ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار نے دینی تعلیم کا انتظام گھر میں ہی کر دیا۔ ۶ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا، پھر پنڈی گھیپ کے علاقہ میں اپنے ماموں کے پاس چلے گئے وہاں بھی پڑھتے رہے۔

مکھڈ میں قیام اُس زمانہ میں مکھڈ میں مولوی علی محمد تشریف فرما تھے۔ خواجہ سیالویؒ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ طے کیا۔ تیرہ سال تک ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔

سفر کابل اور واپسی اس اثنا میں ایک مشہور تاجر کے ہمراہ کابل جانے کا اتفاق ہوا جہاں کابل کے ایک درویش کامل حضرت حافظ دراز صاحب کی صحبت میں رہنے لگے اور ان سے حدیث اور فقہ میں مہارت حاصل کی پھر مکھڈ واپس تشریف لے آئے۔

بیعت ان دنوں تونسہ میں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کا چشمۂ فیض جاری تھا۔ مولوی علی محمدؒ نے ان کی تعریف سُنی تو خواجہ سیالوی کے ہمراہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دونوں نے ان کی بیعت کی۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد مولوی صاحب خواجہ صاحب

Marfat.com

کے ہمراہ واپس مکھڈ لوٹے۔

مولوی علی محمدؒ کے کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ انھوں نے خواجہ صاحب کو ہی اپنا بیٹا اور اپنا سارا مال واسباب ان کے سپرد کر دیا۔ مدرسہ میں بھی انھیں ہی اپنا قائم مقام مقرر کیا۔

سیال کو واپسی کچھ عرصہ بعد والد کے اصرار پر خواجہ صاحب ان کے پاس چلے گئے اور وہیں اپنے چچا کی لڑکی سے نکاح کر کے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بیشتر وقت زہد و عبادت میں صرف ہوتا درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا تھا اور دُور دُور سے لوگ فیضیاب ہونے کے لیے آنے لگے۔

مرشد کی خدمت آپ اکثر تونسہ میں اپنے پیر و مرشد سے ملنے جاتے اور فیوضِ روحانی سے مالامال ہو کر واپس آتے۔ انھیں کے ہمراہ متعدد مرتبہ بہار شریف کا سفر بھی کیا۔ سفر کے دوران مرشد کی بہت خدمت کی۔ چھتیس برس کی عمر تھی جب خواجہ تونسویؒ نے خرقۂ خلافت عطا کیا۔

عادات و طریقت خواجہ سیالوی بڑے بلند اخلاق کے بزرگ تھے۔ خلقِ خدا کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ بہت زیادہ تھا اور حتی الوسع ہر حاجت مند کی مدد کرتے تھے۔ شریعت کے معاملہ میں بڑے سخت گیر تھے اور اس بارے میں مریدوں سے کوئی رعایت نہ کرتے تھے۔ سماع بالمزامیر سے اجتناب کرتے تھے۔

خانقاہ آپ کی خانقاہ کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ غریبوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لیے بہت بڑا لنگر جاری کر رکھا تھا جس میں کھانے کے علاوہ کپڑا، چارپائیاں اور بستر بھی مہیا کیے جاتے تھے۔ زائرین کو ہر قسم کی سہولت دی جاتی تھی۔

وفات خواجہ سیالویؒ نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی۔

اولاد آپ کے تین فرزند تھے۔ خواجہ محمد الدین، خواجہ فضل الدین، خواجہ شعاع الدینؒ آپ کی وفات کے بعد خواجہ محمد الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی وفات ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔

خلفاء خواجہ سیالویؒ کے خلفاء میں بڑے پایے کے بزرگ گزرے ہیں۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور پیر غلام حیدر شاہ جلال پوری جیسے بزرگ بھی آپ ہی کے خلیفہ تھے۔ ان کے

Marfat.com

علاوہ بعض دوسرے قابل ذکر خلفاء یہ ہیں :

مولوی فضل دین ، ساکن چاچڑ تحصیل شاہ پور

سیّد محمد سعید صاحب[1] ساکن بھرتھہ متصل لاہور

سیّد غلام شاہ ساکن ہرن پور ضلع جہلم

سیّد مبارک شاہ چھانا آبادی۔ راولپنڈی

سیّد گلاب شاہ اورنگ آبادی ضلع کیمبل پور

سیّد فیض شاہ ساکن جھانب ۔ جھنگ

مولوی فتح محمد۔ ساکن سلھیانہ ضلع جھنگ

مولوی علی محمد ساکن کالا۔ ضلع شاہ پور

سیّد شاہ خدا بخش ، ساکن سنجر۔ ضلع ڈیرہ غازی خاں

مُلا خوشنود یوسف زئی ۔ساکن کابل

سیّد رستم علی شاہ ساکن علاقہ پونچھ کشمیر

سیّد صالح شاہ ساکن سلطان پور۔ ضلع جھنگ

سیّد نور بہار شاہ ساکن سنجر۔ ضلع ڈیرہ غازی خاں

سیّد اکرام شاہ ساکن سلھوکے ۔ رسول نگر

مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات

صاحبزادہ شجاع الدین

میاں علی حیدر صاحب میانوالی

شیخ عبد الجلیل تحصیل شاہ پور

سید محمد شاہ غزنوی ساکن کٹا واڑہ بوبک خیل ، خراسان

مولوی حفیظ ماہی صاحب

سید جنڈ دوا شاہ ۔ عیسے خیل ضلع میانوالی ۔

---

[1] " مرآۃ العاشقین " آپ کی مشہور تصنیف ہے ۔

Marfat.com

شمس الدینؒ (شیخ، سبزواری، تبریزی)

ملتان

روضہ ملتان میں ایک قلعہ نما فصیل کے اندر شیخ محمد جمالؒ ملتانی کے روضہ سے قدرے فاصلے پر سبز رنگ کا ایک خوبصورت گنبد شیخ شمس الدینؒ سبزواری، تبریزی کے مزار پُرانوار کی نشان دہی کرتا ہے جہاں صبح و شام زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

تعمیر روضہ یہ روضہ حضرت کے وصال کے دو سال بعد ۷۷۶ھ میں تعمیر ہوا۔ پیر حاجی صدر الدین آپ کے صاحبزادے سید احمد شکر بار اور شہزادہ محمد نے (جو آپ کے ساتھ ہی سبزوار سے ملتان آیا تھا) مل کر اس تعمیر میں حصہ لیا۔ اُس وقت روضے کی عمارت بالکل سفید تھی۔

دوسری مرتبہ ۱۱۹۴ھ میں سیّد میر صفدر علی شاہ کے زمانے میں روضہ تعمیر ہوا۔ اُس وقت حسب ذیل تحریر روضے کے دروازے پر لکھی گئی جو اب تک موجود ہے : ؎

حکم بنائے روضہ شد از درگاہِ لم یزل — گشت ارشاد بہ چہار گاہ درویشاں ولی
بود زلفِ ما تسعین احمد ہجری — کہ کرد بسم اللہ تاریخ سنت موجودے
تعمیر خانقاہش روضہ دریافت جلی — محمد مولوی در عہد حیات میر صفدر علی
یکہزار یکصد نود چہار ہجری — کہ پُر دُر شد ایں نامہ ابیات قلندری

نام کی غلط فہمی شاہ شمس الدینؒ کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت سبزوار میں ہوئی اس لیے آپ کو 'سبزواری' بھی کہتے ہیں۔ جب اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کشمیر گئے تو وہاں 'میر شمس الدین عراقی' کہلائے۔ چونکہ آپ اکثر سفر ہی میں رہتے تھے اس لیے جب قونیہ (ترکستان) گئے تو وہاں کے لوگ انھیں "شمس پرندہ" کہہ کر بلانے لگے شام اور مصر میں آپ کو "شمس مغربی" کہتے تھے۔ جب تبریز میں زیادہ مدت رہے تو "شمس تبریزی" کہلائے۔ "شاہ قاسم انوار" بھی آپ کا خطاب تھا۔

Marfat.com

ان مختلف ناموں کے باعث بعض مؤرخوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ شاید یہ الگ الگ ہستیاں ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ شمس الدین تبریزیؒ جن کا مزار ملتان میں ہے یہ وہ شمس الدین نہیں جن کی مولانا رومؒ سے ملاقات تھی بلکہ یہ کوئی اور بزرگ ہیں شمس الدین تبریزیؒ کا مزار تبریز میں ہے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنّف کا بھی یہی خیال ہے۔ بعض دوسرے حضرات بھی یہی لکھتے ہیں، مگر حقیقت ان کے بیان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ہم یہاں اصل کیفیت بیان کرنے سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان مؤرخین کے اختلافی اور متضاد بیانات کا خلاصہ بھی نقل کر دیں تاکہ ان کی روشنی میں قارئین ہمارے بیان کی صحت کا اندازہ کرنے میں کسی قسم کی دِقّت محسوس نہ کریں۔

اختلافی بیانات ۱۔ نواب معشوق جنگ بہادر لکھتے ہیں[۱] کہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ کے والد کا نام علی بن ملک داؤد تبریزی تھا اور تبریز میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کے برعکس مولوی غلام سرور لاہوری[۲] آپ کے والد بزرگوار کا نام محمد بن ملک داد بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں آپ شیخ ابوبکر سلہ باف تبریزی کے مرید تھے۔ بعض آپ کو بابا کمال خجندیؒ کا اور بعض رکن الدین سنجاسیؒ کا مرید بتاتے ہیں۔

صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ شیخ شمس تبریزیؒ نے شیخ سلہ بافؒ، بابا کمالؒ خجندیؒ اور شیخ رکن الدین سنجاسیؒ تینوں سے استفادہ کیا۔

۲۔ "جواہر مضیئہ" جو حنفیہ کے حالات پر مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جب شیخ شمس الدین تبریزیؒ مولانا روم کے پاس قونیہ گئے تو مولانا کے آس پاس تلامذہ بیٹھے تھے اور سامنے کتابوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ شمس تبریزیؒ سلام کر کے بیٹھ گئے پھر کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کیا ہے؟ مولانا بولے یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ مولانا کا یہ کہنا تھا کہ کتابوں کو آگ لگ گئی۔ مولانا گھبرا کر بول اٹھے یہ کیا؟ شمس تبریزیؒ بولے یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔ مولانا رومؒ نے پیچھا کیا مگر آپ جا چکے تھے۔ مولانا روم نے علاقے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر شمس تبریزیؒ کو نہ پا سکے۔

---

[۱] اخبار الصالحین صفحہ ۲۸۱ [۲] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۲۶۸

Marfat.com

اس کے برعکس خزینۃ الاصفیا، جلد دوم صد ۲۶۹ پر مولوی غلام سرور نے کتابوں کا جلنا نہیں بلکہ پانی میں ڈوب جانا بتایا ہے۔ یعنی وہ لکھتے ہیں کہ شمس تبریزیؒ نے کتابوں کی طرف اشارہ کرکے پوچھا یہ کیا ہے، وہ بولے اسے قیل وقال کہتے ہیں۔ شمس تبریزیؒ نے کتابیں اٹھا کر پاس ایک حوض میں ڈال دیں۔ مولانا متحیر ہو کر بولے، یہ کیا۔ آپ نے کتابیں حوض میں سے نکال کر پھر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔ مولانا یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کسی کتاب کو پانی نے چھوا تک نہ تھا۔ حیران ہو کر پوچھا اے شیخ یہ کیا۔ شمس تبریزیؒ نے فرمایا یہ ذوق وحال ہے جس کی تمھیں خبر نہیں۔

۳۔ شمس تبریزؒ کی وفات کے متعلق بھی مؤرخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔ اخبار الصالحین کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ مولانا روم کے پاس خلوت میں بیٹھے تھے کہ کسی نے باہر سے اشارہ کرکے حضرت کو بلایا۔ آپ نے مولانا سے فرمایا کہ مجھے قتل کرنے کے لیے بلاتے ہیں پھر اٹھ کر باہر چلے گئے جہاں سات افراد کھڑے تھے۔ انھوں نے آپ پر حملہ کرکے قتل کر دیا۔ قتل ہوتے وقت آپ نے اس زور سے نعرہ لگایا کہ ساتوں آدمی بے ہوش ہو گئے۔ ان میں مولانا رومؒ کا بیٹا علاؤالدین محمد بھی تھا۔ قتل کی جگہ آپ کی لاش موجود نہ تھی صرف خون کے چند قطرے دکھائی دیے۔ علاؤالدین ایک عجیب بیماری میں مبتلا ہو کر مرگیا۔ مولانا روم نے اس کے جنازے میں شرکت نہ کی۔ قتل کا یہ واقعہ ۶۴۵ھ میں ہوا۔

آپ کی لاش کے متعلق بھی دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قاتلوں نے جسم کے ٹکڑے کرکے کنوئیں میں ڈال دیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا روم کے فرزند سلطان ولد کو خواب میں ہدایت ملی کہ میرے جسم کے ٹکڑوں کو فلاں کنوئیں سے نکال کر مدرسہ کے بانی امیر بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب ہو گئے اور پھر آپ کا سراغ نہ ملا۔

نتیجہ ان اختلافی مباحث سے قطع نظر سب اس بات پر متفق نظر آتے ہیں، کہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ وہی باکمال بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔ جن کی مولانا رومؒ سے صحبت رہی اور ملتان میں جو شمس تبریزیؒ مدفون ہیں یہ وہی شمس ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور شمس تبریزی[1]

[1] صاحب خزینۃ الاصفیا نے خود بھی کسی ایسی شخصیت کا پتہ نہیں دیا۔

Marfat.com

کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ مولوی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۲۷۰ پر لکھتے ہیں:

"در روضہ شیخ شمس الدین تبریزی کہ در ملتان مشہور و معروف است، آں شمس الدین غیر از شمس الدین تبریزی است و شیخ شمس الدین ملتانی از سادات عظام موسوی است کہ اولاد امجادش مذہب شیعہ دارند و در لاہور وغیرہ بسادات شمسی مشہور و معروف اند۔"

"خزینۃ الاصفیاء" میں جس "شمس الدین ملتانی" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس نام کی کسی شخصیت کا تذکرہ تاریخوں میں نہیں۔ اور شمس تبریزیؒ کے وجود کو سب مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔ اوپر کے اقتباس میں خط کشیدہ عبارت انھیں سے متعلق ہے۔

اصل حالات شاہ شمس الدین سبزواریؒ عراق کے ایک شہر سبزوار کے رہنے والے تھے، جو صحرائے نمک سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جمعہ ۱۵ شعبان ۵۶۰ھ کو بادشاہ محمد یادگار مرزا کے عہد میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام سید صلاح الدین محمد نور بخش[1] تھا، جو مجدد مذہب اثنا عشری تھے۔

سلسلہ نسب آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس طرح ملتا ہے:

شاہ شمس الدین تبریزیؒ ابن سید صلاح الدین محمد نور بخش ابن سید علی ملقب بہ سلام الدین ابن سید عبدالمومن بادشاہ افریقہ ابن سید علی خالد الدین ابن سید محمد محب الدین ابن سید السادات سید محمود[2] سبزواری ابن سید محمد ابن ہاشم علی ابن سید احمد ہادی ابن سید منتظر باللہ ابن سید عبدالمجید ابن سید غالب الدین ابن سید محمد منصور ابن اسماعیل ثانی ابن سید محمد عریضی ابن سید اسماعیل اعرج اکبر ابن حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام[3]

اجداد آپ کے اجداد میں سے سید محمد عریضی امام جعفر صادق کی موجودگی میں طبرستان رے چلے گئے اور محمد آباد شہر بسایا، جو آپ کے نام سے منسوب ہے۔ ان کی اولاد سندھ،

---

[1] متوفی محرم ۶۶۴ھ

[2] سید محمود سبزواریؒ لاہور میں مدفون ہیں۔ پرانی انار کلی کے آخر میں نیلے گنبد کا مزار انھیں کا بتایا جاتا ہے۔ ان کے مفصل حالات اس کتاب میں الگ بیان کیے گئے ہیں۔

[3] کنز الانساب، صفحہ ۴۲

خراسان اور قندھار وغیرہ میں پھیلی۔ سید صلاح الدین محمد نور بخش اسی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ سبزوار میں سکونت تھی۔ پردۂ تصوف میں ان کا طریقہ اثنا عشری صوفی تھا۔ داعی الی الحق تھے اور نائب امام کہلاتے تھے[1]۔

تعلیم ہوش سنبھالنے پر شمس سبزواری کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے چچا عبد الہادیؒ کے سپرد کیا گیا جو شاہ مراکو کے پوتے اور متبحر عالم تھے۔ چچا نے بھتیجے کو بڑی محنت سے تعلیم دی۔ تفسیر، فقہ اور حدیث میں ماہر اور دیگر علوم ظاہری سے بھی آراستہ کر دیا۔

سفر ۵۷۹ھ میں جب سید صلاح الدین محمد نور بخشؒ دعوتِ اسلام کے لیے بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے تو شمس سبزواریؒ کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر انیس سال کی تھی۔ بدخشاں میں ہزاروں لوگوں کو طریقۂ حق کی تعلیم دی۔ پھر تبت کو چک کو گئے اور لوگوں کو دینِ اسلام میں داخل کیا۔ وہاں سے کشمیر کا رخ کیا جہاں کے لوگ آفتاب پرست تھے۔ باپ بیٹے کی کوششوں سے اس علاقے کے ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا۔ اس علاقے کی چنگڑ قوم نے انھیں بہت پریشان کیا مگر یہ لوگ بھی جلد مطیع ہو گئے۔

مؤرخ "فرشتہ" کا بیان تاریخ فرشتہ[2] میں لکھا ہے کہ "مرزا حیدر ترک نے اپنی کتاب رشیدی میں لکھا ہے کہ فتح شاہ بادشاہ کے زمانہ میں ایک مرد میر شمس الدین نام تھا، اس نے عراق عجم سے آکر اپنے تئیں میر سید صلاح الدین محمد نور بخش سے منسوب کر کے مذہب غیر معروف جاری اور نام اس مذہب کا نوربخشی رکھا۔ قبل ازیں کشمیر میں آفتاب پرست ایک مذہب تھا۔ سیّد صلاح الدین محمد نوربخش کو طائفہ چکاں اس تقریر پر دعوے کرتے تھے کہ سیّد میر شمس الدین عراقی شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ تمام مردمِ کشمیر اور سلاطین اس زمانہ کے اس کی مقتدا ہوئے اور سب نے خطبۂ ائمہ اثنا عشرہ اس کے حکم سے پڑھ لیا[3]۔

سبزوار کو واپسی اور شادی ۵۸۶ھ میں باپ بیٹا واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ شمس سبزواریؒ نے شادی کی۔ ان کے دو فرزند تولد ہوئے جن کے نام

---

[1] کنز الانساب المعروف انوار السیادات ص ۲۰۱-۲۰۲

[2] جلد دوم ص ۱۴۲ تا ۱۵۴ بحوالہ کنز الانساب ص ۲۰۲ [3] کنز الانساب ص ۲۰۲

Marfat.com

نصیر الدین محمد اور سید علاؤ الدین احمد تھے۔ سید علاؤ الدین احمد زندہ پیر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تبریز میں آمد

شمس سبزواریؒ کو تبریز بہت پسند تھا چنانچہ سنہ ۶۰۰ھ میں والد کی اجازت سے وہاں تشریف لے گئے۔ قونیہ میں قیام فرمایا اور مولانا رومؒ سے ملاقات ہوئی۔ مولانا روم اور شمس سبزواری کی ملاقات کا حال اور کتابوں کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد مولانا رومؒ کو شمس سبزواری کے عظیم مرتبے کا احساس ہو گیا چنانچہ انھوں نے ان سے بیعت کر لی۔

شمس سبزواری بارہ سال تک تبریز میں سُکر کی حالت میں رہے۔ اتنے طویل قیام کے باعث شمس تبریزیؒ[1] کہلانے لگے۔ تین ماہ تک آپ اور مولانا رومؒ دونوں چلہ کش حجرے میں خلوت گزیں بھی رہے۔

اہل تبریز کی مخالفت

کہتے ہیں مولانا رومؒ کو چونکہ آپ سے بہت عقیدت تھی وہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور ہر وقت ساتھ رکھتے تھے۔[2] اس لیے مولانا کے بعض عقیدت مندوں کو یہ شاق گزرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مولانا ایک ننگ دھڑنگ فقیر کے قبضہ میں آگئے ہیں۔ چنانچہ وہ شمس تبریزیؒ کے مخالف ہو گئے۔

تبریز سے رخصت

شمس تبریزیؒ نے تبریز چھوڑ کر سبزوار کی راہ لی پھر بغداد چلے آئے۔ بغداد سے ایک مرتبہ تبریز بھی آئے پھر دمشق چلے گئے۔[3]

علمائے بغداد کا عتاب

بعض بیانات کے مطابق علمائے سبزوار کو آپ کے خیالات سے اختلاف ہو گیا۔ چونکہ ان علماء کا بادشاہ پر خاصا اثر تھا اس لیے انھوں نے شمس سبزواریؒ پر بے دینی کا الزام لگا کر شاہی حکم سے انھیں شہر بدر کر دیا، اور یہ کاظمین چلے گئے۔

بادشاہ کی قدرشناسی

بادشاہ نے انھیں شہر بدر کرنے کا حکم تو دے دیا تھا مگر اس نے علما کے اصرار پر ایسا کیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ بادشاہ ان کا دل سے قدردان تھا۔ اتفاق سے بادشاہ کا لڑکا وفات پا گیا جس سے بادشاہ کو یہ خیال گزرا کہ شاید اُسے یہ سزا

---

۱ واضح رہے کہ آپ کو اپنے اجداد کی نسبت سے شمس الدین غریبی اسماعیلی بھی کہتے ہیں۔

۲ مولانا رومؒ نے اپنے اشعار میں جگہ جگہ شمس تبریزیؒ کی تعریف بیان کی ہے۔ ۳ کنز الانساب۔

Marfat.com

شمس تبریزیؒ کو شہر بدر کرنے کے باعث ملی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مشیروں کو شمس سبزواریؒ کے پاس بھیج کر انھیں واپس بلا لیا اور بغداد میں رہنے کی اجازت دے دی۔

ایک واقعہ کہا جاتا ہے کہ شمس سبزواریؒ نے بغداد پہنچ کر بادشاہ کے لیے دعا کی اور اس کا بیٹا زندہ ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر بغداد کے علما پھر آپ کے خلاف ہو گئے اور دوبارہ کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی کھال اتروانے کے درپے ہو گئے۔

کھال اتروا دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت نے کپڑا اوڑھ کر اپنی کھال کھنچوا دی جو لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے شہر میں پھرائی گئی۔ پھر آپ عازم ہندوستان ہوئے۔

شاہ بغداد کے بیٹے کو جس کا نام محمد تھا آپ سے عقیدت تھی لہٰذا وہ بھی آپ کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔

ملتان میں ورود ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد آپ نے ملتان کا رُخ کیا اور یہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ ان دنوں شیخ بہاؤالدین زکریاؒ بقیدِ حیات تھے۔

کہتے ہیں شیخ نے دودھ کا پیالہ شمس سبزواریؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے ایک پھول پیالے میں ڈال دیا۔ مطلب یہ کہ ہم ملتان میں پھول بن کر رہیں گے اور ہماری وجہ سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

لعل ہی لعل ایک روز آپ شہزادہ محمد کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے۔ کشتی ڈگمگانے لگی یوں معلوم ہوتا تھا کہ ڈوب جائے گی۔ شمس سبزواریؒ نے شہزادے سے کہا تمھارے پاس جو چیز ہے وہ دریا میں پھینک دو۔ ورنہ کشتی ڈوب جائے گی۔ شہزادے کے پاس وہ جواہرات تھے جو وہ ساتھ لایا تھا۔ اس نے ارشاد کی تعمیل میں جواہرات دریا میں ڈال دیے۔ دیکھا تو دریا میں دُور دُور تک جواہرات ہی جواہرات دکھائی دے رہے تھے۔

ملتان میں گرمی کی شدّت کا باعث بغداد کی طرح ملتان کے لوگوں نے بھی آپ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ گوشت بھوننے کے لیے آگ کی ضرورت پڑی تو شہزادے کو بھیجا کہ کہیں سے آگ لے آئے مگر سارے شہر میں کسی نے آگ نہ دی ایک شخص نے تو شہزادے کو پیٹ ہی دیا۔ شمس سبزواریؒ نے جب لوگوں کا یہ رویہ دیکھا تو جلال

Marfat.com

میں آکر آسمان کی طرف نظر اٹھائی، سورج سے کہا شمس! میں تیرا ہم نام ہوں نیچے آتا کہ تیری گرمی سے میں گوشت بھون لوں۔

کہتے ہیں سورج اتنا نیچے آگیا کہ اس کی حدت سے لوگ تڑپنے لگے۔ لوگوں کی چیخ پکار سُن کر شمس سبزواریؒ کو رحم آگیا اور غصہ فرو ہوا۔ سورج سے کہا "باز برو" اور وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ ملتان کی گرمی کو عوام اسی واقعے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

دیوان شاہ شمس الدین آپ کے فارسی غزلیات کا ایک مجموعہ دیوان شاہ شمس الدین کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مجموعے سے ایک غزل نمونہ کے طور پر درج کی جاتی ہے

غزل

اے دستہ گل مرحبا از بوئے ریحاں آمدی — جانِ عالم را توئی از عالم جاں آمدی
عیسیٰ غلام درگہت موسیٰ بصیرو دررہت — رفرف شدہ جولاں گہت تا تو بمیداں آمدی
کردہ خلیل چاکری موسیٰ بجاں فرماں بری — کنہ عالم پیغمبری محبوبِ خوباں آمدی
دنیا نزیبد جائے تو در مسند بالائے تو! — آں عرشِ خاکِ پائے تو گنج بویراں آمدی
خصمِ نافرمانِ تو زد شکک بر دندانِ تو — خندہ شد یکبار تو پُرخون دنداں آمدی
اے شمس حسینی باصفا میگو تو نعتِ مصطفےٰ — زیراکہ در بستانِ او تو مرغ خوش خواں آمدی

اولاد صاحب کنز الانساب کا بیان ہے کہ شمس سبزواریؒ نے ۶۶۵ھ میں ملتان میں سکونت اختیار کی اور مولانا روم اور سید عبدالہادی کو واپس وطن کو روانہ کیا اور بادشاہ احمد نکودار نے ہمراہ شاہزادوں کی افواج کردی اور ۶۶۶ھ میں قافلہ ساداتِ عظام اسماعیلیہ کا ملتان میں پہنچا آنجناب سے بال بچہ نے آکر تعظیم تکریم کردی اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ نصیر الدین محمدؒ نے ۲۱ رمضان ۶۸۲ھ میں بعمر ۷۹ برس وفات پائی۔ ان کا مزار قلعہ لاہور کے تہ خانے میں بتایا جاتا ہے۔ دوسرے فرزند کا نام سید علاؤ الدین احمدؒ تھا۔ جو سید احمد شکر یار بھی کہلاتے تھے۔ ان کا مزار ریاست جے پور کے قصبہ نرڑ میں بتایا جاتا ہے۔

Marfat.com

شیر محمدؒ (میاں شرق پوری)

شرق پور

لاہور سے قریباً ۱۹، ۲۰ میل کے فاصلے پر شرق پور ایک قصبہ ہے جو ضلع شیخو پورہ میں واقع ہے۔ لاہور سے بسوں پر آمد و رفت ہوتی ہے۔ یہاں پنجاب کے ایک باکمال نقشبندی بزرگ میاں شیر محمدؒ کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ دُور دراز سے لوگ مزار کی زیارت کے لیے آتے اور عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ عام دنوں میں بھی یہاں زائرین کی کثرت ہوتی ہے۔ سالانہ عرس ۲-۳ ربیع الاوّل کو منایا جاتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں زائرین شرکت کرتے ہیں۔ قرآن خوانی اور نعت خوانی ہوتی ہے۔ قوالی نہیں ہوتی۔

حالات میاں شیر محمدؒ کے مورثِ اعلیٰ کابل سے ہجرت کر کے پہلے قصور میں مقیم ہوئے، پھر حجرہ شاہ مقیم میں سکونت اختیار کی۔ میاں صاحب اسی جگہ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن کے علاوہ عربی و فارسی علوم سیکھے۔ خوش نویسی آبائی پیشہ تھا چنانچہ یہی اختیار کیا۔ بچپن ہی سے طبیعت کا رجحان ایسے امور کی طرف تھا جن سے اس بات کی نشاندہی ہوتی تھی کہ مستقبل قریب میں آپ بزرگی کے بڑے درجہ پر فائز ہوں گے۔

بیعت علوم ظاہری و باطنی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بابا امیر الدینؒ کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کے بموجب اشغال نقشبندیہ میں سلوک کے منازل طے کرنے لگے۔ سنتِ رسول کے بڑی شدت سے پابند تھے۔

قبولیت اور طریقت جب آپ کے کمالات کی شہرت ہوئی تو لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آنے لگے۔ ہزاروں بندگانِ خدا آپ سے فیض حاصل کرتے۔ خلافِ شریعت کاموں کے خود بھی سخت خلاف تھے اور لوگوں کو بھی ایسی ہی تلقین کرتے تھے۔ انگریزی بود و باش اور مغربی تہذیب سے سخت نفرت تھی۔ مروّجہ تصوف کے بھی خلاف تھے۔ فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ اپنا بندہ بنالے مگر کسی کو سجادہ نشین نہ بنائے۔

Marfat.com

وفات مجاہدات اور عبادت و ریاضت کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی صحت کے متعلق کبھی خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمزور ہوتے گئے۔ آخر تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر ۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (۱ اگست ۱۹۲۸ء) میں بعمر تریسٹھ برس وفات پائی۔ اور شرق پور کے مضافات میں دفن ہوئے۔

اولاد آپ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے صغر سنی ہی میں وفات پا گئے اور لڑکی جوان ہو کر عالم جاوداں کو سدھاری۔

حکمت و نصیحت کی باتیں میاں صاحب بڑے صاحب فہم اور دانا بزرگ تھے۔ ان کی باتیں حکمت و معرفت سے لبریز اور عبرت آموز ہوتی تھیں۔ مسجدوں کے اموال پر لبسر اوقات کرنے والے مولویوں کو آپ ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک امام مسجد نے کہا میں امام مسجد ہوں مگر دوسرے مولویوں کی طرح نہیں۔ میاں صاحب نے پوچھا وہ کس طرح۔ امام مسجد نے کہا وہ لوگ مسجد کا مال کھاتے ہیں۔ میاں صاحب نے پوچھا پھر آپ کیا کھاتے ہیں۔ اُس نے کہا مجھے ایک حاجی صاحب خرچ دیتے ہیں۔ یہ سُن کر میاں صاحب بولے ایک ہی بات ہے۔ یہ بھی مسجد کا مال ہوا۔

چلہ کشی آپ کو ناپسند تھی، چنانچہ ایک شخص نے آپ سے چلہ کشی کی اجازت چاہی فرمایا مجھے چلہ کشی پسند نہیں بلکہ ہمارے لیے آنحضرتؐ کی سنت کی پیروی ہی کافی ہے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے شکایت کی کہ مسجدیں بہت ہیں مگر نمازی کم ہیں اور زمانے کی ناقدری کا شکوہ کرنے لگے۔ میاں صاحب نے یہ سُن کر فرمایا! اصلاح ہی کرنی چاہیے گلے شکووں سے کیا فائدہ۔

ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ خدا مل جائے۔ فرمایا مجھے کوئی ایسا طریقہ تو نہیں آتا کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر خدا کے ہاتھ میں دے دوں۔ ہاں اللہ اللہ کرنا آتا ہے تم بھی کر سکو تو یہی کرو۔ خدا سے ملنے کا یہی طریقہ ہے۔

حسب و نسب پر فخر، ریاء جی درویشی اور فقیری کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے آپ کا شجرۂ نسب طلب کیا۔ کہنے لگے میرے لیے تو ایک ہی شجرہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کافی ہے اور کسی شجرہ کی مجھے ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا ہم فقیر تو

Marfat.com

بنتے ہیں مگر مسلمان نہیں بنتے۔

تواضع اور انکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ امیر اور غریب دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور رواداری قائم رکھتے۔ ایک مرتبہ ایک دولت مند شخص مہمان بنا۔ کھانا سامنے آیا تو مہمان سے پوچھا آپ کے ساتھ کوئی اور شخص بھی ہے۔ اس نے کہا ہاں میرا ملازم ہے جو نیچے کھڑا ہے آپ نے ملازم کو بلوایا اور اُسے بھی ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔

ایک دفعہ کسی مزار پر تشریف لے گئے۔ جب نماز پڑھنے لگے تو دیکھا کہ امام کے سر پر سرکاری ٹوپی ہے۔ آپ نے امام سے پوچھا آپ کی پگڑی کہاں ہے۔ اس نے کہا سرکار انگریزی نے مجھے یہی ٹوپی دی ہے۔ میاں صاحب نے اُسی وقت اپنی پگڑی اتار کر اسے دو حصوں میں پھاڑ کر ایک حصہ اُسے دے دیا۔

حاجی عبدالرحمانؒ قصوری

میاں صاحب کے ایک مجازی خلیفہ حاجی عبدالرحمانؒ قصوری تھے جن کا مزار قصور میں ہے۔ یہاں اُن کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

حاجی صاحب میاں صاحب کے مجازی خلیفہ اور بعض روایتوں کے مطابق آپ کے محرم راز تھے۔ میاں صاحب کی وفات کے بعد حاجی صاحب قصور چھوڑ کر شرق پور چلے گئے اور کئی سال تک وہیں رہے حتیٰ کہ جب بیمار پڑے تو ان کے خادم جن کا نام محمد دین تھا انھیں قصور لے آئے۔ حاجی صاحب وفات کے بعد قصور میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

صدرالدّین عارفؒ (شیخ)

ملتان

ملتان میں قلعہ کے پاس شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا روضہ ہے، وہیں ان کے فرزند شیخ صدرالدین عارفؒ بھی مدفون ہیں۔ ہر دو کے مزارات زیارت گاہِ خاص و عام ہیں جہاں روزانہ سینکڑوں زائرین آتے اور عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔

ابتدائی زندگی | شیخ صدرالدین حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے فرزند تھے۔ ۶۱۲ھ[1] میں تولد ہوئے چونکہ گھر ہی میں معرفت و حکمت کا چشمہ پھوٹ رہا تھا لہٰذا اوائل عمر میں گھر پر ہی رہے۔ والد ہی سے فیضانِ علم کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ اپنے زمانہ کے بلند پایہ اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔

ذاتی کیفیت | والد کی وفات پر لاکھوں روپے ترکہ میں ملے۔ مگر سب کے سب راہِ خدا میں خرچ کر دیے اور پھوٹی کوڑی تک پاس نہ رکھی۔ اس کے باوجود بہت روپیہ آتا تھا مگر جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ سب فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ کسی نے کہا آپ کے والد بزرگوار کے خزانے تو ہر وقت بھرے رہتے تھے اور وہ ان سے دنیوی فائدے بھی اٹھاتے تھے مگر آپ کا عمل ان کے برعکس ہے۔ فرمایا والد بزرگوار دنیا پر غالب تھے اس لیے دنیوی مال و دولت انھیں غلط راہ پر نہ ڈال سکتی تھی مگر میں دولت سے ڈرتا ہوں، اس لیے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا۔

درس و تدریس | آپ کی صحبت نے بہت سے لوگوں کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ ایسے اربابِ کمال میں شیخ جمال خنداں، شیخ حسام الدین ملتانی (جو بدایوں میں اشاعتِ اسلام کا فرض ادا کرتے رہے) اور مولانا علاؤالدین خجندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخرالذکر نے شیخ صدرالدینؒ کی مجلس میں تیرہ برس رہ کر کسبِ فیض کیا۔

تحریری یادگار | آپ کے ملفوظات آپ کی تحریری یادگار ہیں جن میں آپ نے اپنے مریدوں کو نصیحتیں کی ہیں۔ انھیں آپ کی وفات کے بعد جمع کیا گیا۔ آپ کی صوفیانہ تعلیمات کا پورا نقشہ ان ملفوظات میں نظر آجاتا ہے۔

وفات | تاریخ فرشتہ میں حضرت کا سن وفات ۶۶۶ھ تحریر ہے مگر سفینۃ الاولیاء، مرأۃ الاسرار اور اخبار الصالحین میں ۶۸۴ھ بتایا گیا ہے۔ ملتان ہی میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔

---

[1] سن ولادت میں اختلاف ہے۔ اخبار الصالحین میں جمعہ ۶۱۱ھ تحریر ہے۔

Marfat.com

صدر دیوان[1] لاہوری

لاہور

عرس لاہور میں شاہ عالمی دروازہ کے باہر متصل تالاب رتن چند روڑ ہی والا حضرت صدر دیوان لاہوری کا مزار مرجع خلائق ہے جہاں ہر سال ۱۶ رجب کو عرس منایا جاتا ہے۔ آپ کے پہلو بہ پہلو چار اور قبریں ہیں جن میں سے ایک آپ کے صاحبزادہ کی ہے ایک والدہ محترمہ کی اور دو بھتیجوں کی۔

حالات حضرت صدر دیوان لاہوری کا اصل نام سید یعقوب زنجانی تھا۔ سلسلہ عالیہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے ملتا ہے۔ ۵۵۰ھ میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔

آپ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ آپ سے بہت سی کرامات سرزد ہوئیں چنانچہ پنجاب کے لوگ کثرت سے آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ دارا شکوہ نے اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ آپ جب ترکستان سے ہندوستان آئے تو شیخ المشائخ سید حسین[2] زنجانیؒ، سید اسحاق زنجانیؒ اور سید امام لاحقؒ[3] بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اور یہ چاروں آپس میں رشتہ دار تھے۔

وفات ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

ایک واہمہ آپ کے مزار کے متعلق لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جو بے اولاد عورت یہاں سے جمعرات کے دن پانی پی لے، وہ با اولاد ہو جاتی ہے۔

---

[1] سید حسین زنجانی کے حالات میں ان کا سرسری ذکر آیا ہے۔

[2] سید حسین زنجانی جن کا مزار چاہ میراں لاہور میں ہے ان کا ذکر اس کتاب میں الگ آیا ہے۔

[3] سید امام علی لاحقؒ سیالکوٹ میں مدفون ہیں اور ان کا روضہ "امام صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

صوفؒ (سیّد)

لاہور

لاہور میں چوک مسجد نواب وزیر خاں کے قریب عہد تغلق کے ایک صوفی منش بزرگ حضرت سیّد صوفؒ کا سادہ سا مزار ہے جہاں ہر سال ۱۷ رجب کو حضرت کا عرس منایا جاتا ہے عرس کے موقعہ پر ختم کے علاوہ قوالی بھی ہوتی ہے۔ یوم عرس کے علاوہ بھی کبھی کبھی قوالی ہوتی رہتی ہے

مزار کی تاریخ چوک مسجد نواب وزیر خاں کسی زمانے میں محلہ رڑہ کہلاتا تھا۔ سیّد صوفؒ کی قبر اس جگہ مسجد وزیر خاں کے مشرق کی طرف بغیر چھت کے ایک چبوترہ پر تھی۔ لودھی بادشاہوں کے عہد میں ایک امیر نے اس قبر کو اپنی حویلی کے اندر لے لیا۔ بعد ازاں جب نواب وزیر خاں نے یہ حویلی خریدی تو مزار کو نئے سرے سے تعمیر کرایا اور ساتھ ایک مسجد بھی بنا دی۔ گویا سیّد صوفؒ کا مزار مسجد وزیر خاں سے بہت پہلے موجود تھا اور اس زمانہ میں لوگ کثرت سے یہاں آیا کرتے تھے سکھوں کے عہد میں چوک وزیر خاں میں لوگوں نے بہت سے مکانات تعمیر کر لیے، جس سے مسجد کی نمائش میں فرق آنے لگا چنانچہ ۱۸۶۵ء میں چوک کے اندرونی مکانات حکومتِ وقت نے گرا کر اُسے پھر ایک وسیع میدان میں تبدیل کر دیا۔ اُس زمانے کا انگریز ڈپٹی کمشنر میجر میکر یگر مزار کو بھی ہٹانا چاہتا تھا مگر وہ ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ انھیں دنوں میاں محمد سلطان کاشمیری جو لاہور کا ایک بڑا ٹھیکیدار تھا اور جس کے نام پر "سلطان کی سرائے" اب بھی موجود ہے، اسی علاقے میں دہلی دروازہ کے اندر رہتا تھا۔ اُس نے حضرت سیّد صوفؒ کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا اور قبر کا تعویذ بھی نیا لگوایا۔ روضہ کی شمالی دیوار پر سنگ مرمر پر ذیل کی تحریر کندہ ہے:

بصوابدید صاحب عالی مناقب میجر جارج میکریگر صاحب بہادر
ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور مقبرہ متبرکہ حضرت سید صوف قدس سرہٗ
تعمیر کردہ شیخ سلطان ٹھیکیدار سردار فیض آثار کمپنی انگریز بہادر

Marfat.com

دام اقبالہ ۱۸۵۲ء، ۹۰۸اب، ۱۲۶۸ھ بر اتمام رسید۔"

سیّد صوف کے حالات

سیّد صوفؒ کے مفصّل حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ایک صوفی اور اہلِ سیف بزرگ تھے۔ سید اسحاق میراں بادشاہ کے ہم عصر تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں لاہور آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل سرحد عبور کرکے پنجاب میں آکر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہلِ پنجاب عموماً ان حملہ آوروں کے ساتھ برسرِپیکار رہتے تھے۔ سید موصوف کے متعلّق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اسی قسم کے جنگ و جدال میں شہادت پائی۔ سن شہادت ۷۸۶ھ بتایا جاتا ہے۔

طاہر بندگیؒ (شیخ)

لاہور

لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں ایک چبوترے[1] پر شیخ طاہر فارقیؒ کی قبر مرجع خلائق ہے۔ غالباً محرّم کے دنوں میں آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

قبرستان میانی صاحب شیخ طاہر جس جگہ لوگوں کو درس دیا کرتے تھے وہاں لوگوں کی زیادہ آمد و رفت کے باعث ایک چھوٹی سی بستی قائم ہوگئی تھی جسے میانی صاحب کہا جاتا تھا کنہیا لال مصنف تاریخ لاہور[2] کا بیان ہے کہ سکھوں کے زمانے میں یہ بستی تباہ کر دی گئی اور اس بستی میں شیخ صاحب کے کتب خانے کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ چنانچہ یہی مقام موجودہ قبرستان کی صورت اختیار کر گیا۔

نام و نسب آپ کا نام شیخ طاہر تھا مگر شاہ کمال کیتھلی[3] آپ کو طاہر بندگی کے نام سے بلایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہی نام پڑ گیا۔ لاہور کے محلہ شیخ[4] اسحاق میں سکونت پذیر تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کمال عقیدت تھی۔ چنانچہ انھیں کے مرید ہو گئے۔ مجددؒ کے دو صاحبزادوں شیخ محمد معصوم اور شیخ احمد سعید کے استاد تھے۔

ضلالت سے ہدایت کی طرف لوٹنا آپ کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مریدوں کو جمع کر کے فرمایا کہ مجھے یہ کشف ہوا ہے کہ میرے مریدوں میں سے ایک شخص عنقریب کافر ہو جائے گا۔ مریدوں نے پوچھا حضرت وہ کون ہوگا۔ مجددؒ نے کہا وہ شیخ طاہر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چند دنوں کے بعد شیخ طاہر سرہند

---

[1] کہتے ہیں کہ دھوپ کی تمازت کا اس چبوترے پر کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی سخت گرمی کے موسم میں بھی چبوترا ٹھنڈا رہتا ہے۔

[2] بحوالہ تاریخ جلیلہ از نامی متولی ص ۱۶۷

[3] شاہ کمال کیتھلی کے حالات علیحدہ درج ہیں۔

[4] موجودہ موتی بازار اور چونہ منڈی کے آس پاس کا علاقہ۔

Marfat.com

میں ایک ہندو عورت پر فریفتہ ہو گئے اور عشق میں اس حالت کو جا پہنچے کہ زنار پہن کر بُت خانہ میں بیٹھ رہتے[1]۔ زبان سے یہ شعر پڑھتے رہتے تھے۔

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست!
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

حضرت مجددؒ کے دوسرے مریدوں نے جب شیخ طاہرؒ کی یہ حالت دیکھی تو اپنے مرشد سے التجا کی کہ ان کے حق میں دعا فرمائیے تاکہ یہ کفر سے باز آجائیں۔ چنانچہ حضرت مجددؒ نے دعا کی اور شیخ طاہر نے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فعل سے توبہ کی۔

کام مرشد کی نظرِ عنایت سے شیخ طاہرؒ درجۂ ولایت کو پہنچے اور اپنے وقت کے کامل ولی کہلائے سرہند ہی میں آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ پھر جب لاہور آئے اور مزنگ کے قریب سکونت اختیار کی تو ہزاروں لوگ آپ کی زیارت کو آنے لگے۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ کبھی کسی آنے والے سے نذر و نیاز قبول نہ کرتے تھے۔ ایک ہی مشغلہ تھا اور وہ یہ کہ لوگوں کو احادیث اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے اور اسی موضوع پر کتابیں لکھ کر ان کی فروخت سے اپنے لیے روزی پیدا کرتے تھے۔

آپ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں لاہور سے کئی خطوط بھیجے۔ تذکرۂ مجددیہ میں ایسے بعض خطوط درج ہیں جن میں ایک خط بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے:

حضرتِ من سلامت۔ احقر الخدمت محمد طاہر بعرض مے رساند کہ چوں از آستانہ علیا متوجہ لاہور شدم در ہر قدمے با خود میگفتم کہ اے نادان! مقصود را گذاشتہ کجا می روی۔ اما از غیب ندامے آید کہ راہی شو، راہی شو۔ فی الجملہ کشاں کشاں بایں شہر آوردند در گوشۂ مسجد حیراں نشستم۔ ناگاہ روح پُر فتوح حضرت خواجہ نقشبند ظاہر شد و باعث گشت کہ برائے کارِ کہ معمور شدہ مشغول شو۔ امتثالاً لامرہم دادہ۔ کہ چند کس را مشغول ساختم۔ حالا مجلس گرم است مشائخان عالیشان فوج در فوج تشریف مے آرند۔ والطاف کثیرہ مے فرمایند۔ خصوصاً روح حضرت

---

[1] بت خانہ میں بیٹھ رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورت اس مندر میں پوجا پاٹ کے لیے آیا کرتی تھی۔

Marfat.com

خواجہ بزرگ یعنی حضرت خواجہ نقشبند و حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ فرید گنج شکر در حلقہ مے کرد۔ نماز تشریف فرمائے شوند و جناب سالت مآب با چند ہزار صحابہ و مشائخ تشریف آوردہ مجلس مے نشیند و نوازشہائے مے فرمانید و در عشرہ اعتکاف خلعتِ خاص عنایت فرمودند۔ و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا الطاف بسیار فرمودند۔ بغایت خاصہ نواختند و قبل ازیں ہر یک از نسبت ثلاثہ یعنی نقشبندیہ، قادریہ، و چشتیہ نوبت بنوبت رومیداند گاہے غالب و مغلوب مے بودند یک نوبت نسبت چشتیہ غلبہ عظیم کرد بحدیکہ از نسبت ہائے دیگر نا امید گشتم دریں ضمن نسبت نقشبندیہ غلبہ کرد و دیگر نسبت ہائے را زیر نمود و حالا ہر سہ نسبت ہائے کہ شدند و دریں ایام نسبت مشائخ کم است و نسبت اصحاب نبویہ زیادہ تر است و سوائے نسبتِ اصحاب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اکثر اوقات بندہ در نسبت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مے باشد و بسیار خوش می آید و مطلوب فقیر ہم غیر ازیں نیست کہ نسبت حضرت پیغمبر زیادتی و ترقی گیرد۔

وفات | شیخ طاہر بندگیؒ نے پنجشنبہ ۸ محرم[1] ۱۰۴۰ھ مطابق سنہ ۱۶۳۰ء لاہور میں وفات پائی۔

---

[1] یادِ رفتگاں میں تاریخ وفات ۸ محرم لکھی ہے مگر تاریخ جلیلہ میں ۵ محرم مرقوم ہے۔ غالباً ۸ محرم صحیح ہے۔

عبدالحکیمؒ (سید، گیلانی)

لاہور

عُرس لاہور میں سادات گیلانی کے صاحب کمال بزرگ سید عبدالحکیم گیلانیؒ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کی مستقل تاریخ کا علم نہیں ہو سکا۔ اچھرہ اور بعض دوسرے مقامات پر سید عبدالحکیمؒ کی اولاد رہتی ہے اور یہی حضرات عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ مزار پر پہلے عالی شان گنبد تھا جو انقلابات زمانہ سے اب برباد ہو چکا ہے۔

شجرۂ نسب سید عبدالحکیمؒ کی نسبت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ تک اس طرح پہنچتی ہے:

سید عبدالحکیم بن سید بایزید بن سید نظام الدین سید محمد بن سید مبارک بن سید نجم الدین بن سید نور الدین بن بہاؤالدین بن یعقوب بن یحییٰ بن قاسم بن منصور بن شرف الدین بن عبدالرحمان بن عبدالملک بن عبداللہ صالح بن سید عبدالرزاق بن غوث الثقلین محبوب سبحانی قطب ربانی شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز[1]

آپ کے جدِ امجد سید یعقوب، مبارک شاہ بادشاہ کے عہد میں ۸۴۳ھ میں ایران سے ہندوستان آئے اور درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ سید نجم الدین ۹۳۴ھ میں بابر بادشاہ کے عہد میں دہلی تشریف لائے اور شاہی ملازمت اختیار کی۔ ان کے فرزند سید نظام الدین نے لاہور میں سکونت اختیار کی۔ ان کے فرزند سید بایزید کی ولادت اسی جگہ ہوئی۔ بایزید کے تین فرزند تھے۔ سید عبداللہ، سید المراد اور عبدالحکیم۔ ان تینوں بھائیوں میں سید عبدالحکیم سب سے زیادہ علو مرتبہ ہستی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں عبداللہ قادریؒ سے استفادہ کیا۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل صد ۱۸۴

Marfat.com

سلسلہ طریقت سید عبد الحکیمؒ کا سلسلہ طریقت بھی غوث الاعظمؒ تک اس طرح پہنچتا ہے:

سید عبد الحکیم مرید عبد اللہ قادری، مرید شاہ فیروز، مرید شاہ عالم، مرید شیخ نور الدین، مرید شیخ احمد، مرید شیخ حامد گیلانی، مرید شاہ امیر مرید سید احمد مرید سید صوفی مرید سید عبد الوہاب امرید و خلیفہ اعظم حضرت غوث الاعظم قطب العالم محی الدین عبد القادر جیلانیؒ۔ [1]

آپ کی ولادت ۱۰۳۱ھ میں جہانگیر کے زمانہ میں ہوئی۔ اور ۱۱۰۸ھ میں ستتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کے حالات کا اس سے زیادہ پتہ نہیں چل سکا۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۸۴
Marfat.com

عبدالغفورؒ (مخدوم، حافظ، لاہوری)

پشاور

پشاور میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ مخدوم حافظ عبدالغفور پشاوری مجددی کا مزار بہت مشہور ہے۔

حافظ عبدالغفور اپنے وقت کے نہایت مقتدر اہل اللہ تھے۔ والد بزرگوار کا نام شیخ محمد صالح کشمیری تھا۔ آپ شیخ حاجی اسمٰعیل کے بڑے خلیفہ تھے۔ شیخ سعدی لاہوری سے بھی استفادہ کیا۔ مادرزاد ولی تھے۔ لڑکپن میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کشمیر گئے اور محلہ فتح کدل میں شیخ بابا عبدالکریم کے مزار پر حاضری دی، جو بہت بڑے ولی اللہ تھے۔

شیخ محمد عمر پشاوری اپنی کتاب جواہر السرائر میں لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالغفور اپنے والد کی معیت میں پشاور میں رہے اور انھیں سے باطنی تربیت حاصل کی۔ پھر لاہور تشریف لے گئے اور شیخ سعدی لاہوری سے کسب فیض کیا انھیں سے خرقہ خلافت پایا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ و قادریہ و چشتیہ و سہروردیہ میں بیعت کی اجازت حاصل کی۔

شیخ شرف الدین مصنف "روضۃ السلام" لکھتے ہیں کہ شیخ احمد علی جو حافظ صاحب کے مخلص اور صداقت کیش متعلقین میں سے تھے، کہتے ہیں کہ جن دنوں سلطان اورنگ زیب کابل آیا اور کابل اور پشاور کے لوگ طاعون کی وبا میں بُری طرح مبتلا اور پریشان تھے، اور میں خود بھی اس مرض میں گھرا ہوا تھا۔ میں نے بے ہوشی کی حالت میں دیکھا کہ حافظ صاحب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئے اور کہا کہ محمد علی میرے مریدوں میں سے ہیں ان کے لیے مرض سے شفا کی دعا فرمائیں چنانچہ رسول اللہؐ کی دعا سے میں تندرست ہو گیا۔

ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز حافظ صاحب پشاور کے بازار میں چلے جا رہے تھے کہ ایک مست ہاتھی پیچھے سے دوڑتا آیا۔ لوگ ہراساں ہو کر بھاگے مگر حافظ صاحب اطمینان سے چلے جا رہے تھے۔ ہاتھی قریب آیا تو آپ کے ہمراہیوں نے شور مچا دیا مگر حافظ صاحب

Marfat.com

پھر بھی نہ ڈرے اور جونہی ہاتھی کی طرف نگاہیں اٹھائیں وہ سہم گیا اور آپ سے کنارہ کر کے چلا گیا۔

سید محمد غوث قادری گیلانی لاہوری اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالغفور پشاوری ساری ساری رات مجلسِ نفس و مراقبہ میں گزار دیتے تھے اور دنیا یا اہل دنیا کی طرف کبھی التفات نہ کرتے تھے۔ ہمیشہ مسکینوں اور مسافروں کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ روزانہ قریباً پانچ سو افراد آپ کے ہاں سے کھانا کھاتے تھے۔ صبح سے شام تک آپ کے خادم کھانا پکانے ہی میں لگے رہتے تھے۔ کھانے کے علاوہ حافظ صاحب محتاجوں کو نقدی بھی دیا کرتے تھے۔ قرآن سنتے وقت اکثر روتے رہتے تھے۔

۱۴ شعبان ۱۱۶۰ھ میں اورنگ زیب کے عہد میں وفات پائی۔

Marfat.com

عبدالقادر ثانیؒ (مخدوم، سید)

اوچ شریف

روضہ اوچ شریف میں طریقہ قادریہ کے مشہور بزرگ مخدوم سید عبدالقادر ثانیؒ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔

اجداد آپ کے والد بزرگوار کا نام مخدوم محمد گیلانی حلبی تھا جو طریقہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں[1] اور حلب سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے، جن میں عبدالقادر ثانیؒ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

۸۶۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں وفات پائی۔

سلسلہ نسب آپ کا سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے:

عبدالقادر ثانی بن مخدوم محمد گیلانی[2] بن سید شمس الدین گیلانی بغدادی حلبی بن سید شاہ میر بن سید ابوالحسن علی بن سید ابو علی بن سید مسعود بن سید ابوالعباس احمد بن سید صفی الدین المشہور سید صوفی بن سید السادات سید سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ السادات والارشیین محی الدین

---

[1] مخدوم محمد گیلانیؒ نے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو پھیلانے کے لیے بہت کام کیا۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رودِ کوثر میں لکھتے ہیں کہ "آپ حضرت غوث اعظمؒ کی اولاد سے تھے لیکن جب ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ و برباد کیا تو آپ کے بزرگ حلب چلے گئے۔ آپ وہیں پیدا ہوئے۔ آپ کو ظاہری جاہ و جلال بھی حاصل تھا اور علوم معقولی و منقولی بھی آپ نے پوری طرح حاصل کیے۔ ایک عرصہ ایران، خراسان اور دوسرے ملکوں کی سیر کی۔ پھر اپنے والد کی وفات کے بعد ہندوستان تشریف لائے۔ اور مغربی پنجاب کے مشہور مقام اُچہ میں توطن اختیار کیا۔ سلطان سکندر لودھی آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ اور قادری تخلص لکھتے تھے۔ اکثر اشعار حضرت غوث اعظمؒ کی تعریف میں ہیں لیکن ایک غزلوں کا دیوان بھی ہے جس میں کئی ترجیع بند ہیں۔ شیخ عبدالحق نے ایک بند اخبار الاخیار میں درج کیا ہے"۔

[2] خزینۃ الاصفیاء میں آپکا نام "سید محمد غوث گیلانی الحسنی الحلبی" لکھا ہے۔ (جلد اول صفحہ ۱۱۵)

Marfat.com

عبدالقادر جیلانیؒ لے

جب حضرت مخدوم محمد گیلانی وصال پا گئے تو اگرچہ سجادہ نشینی کا حق شیخ عبدالقادر ثانیؒ کا تھا لیکن ان کے بھائی بادشاہ کے دربار میں تھے، انھیں خیال ہوا کہ ہم اپنے اثر و اقتدار سے سجادگی اپنے لیے حاصل کر لیں۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے جاگیر و املاک کے متعلق تمام اسناد و فرامین بادشاہ کے پاس بھیج دیے کہ جو ان کے طالب ہیں انھیں کو یہ دے دو، اور اس کے بعد خود متوکلانہ گزارا کیا۔ ایک بار بادشاہ نے (غالباً ملتان کا حاکم ہوگا) ان سے اپنے دربار میں آنے کی درخواست کی اور گزشتہ اقدام کی تلافی چاہی، لیکن انھوں نے لکھ بھیجا ؎

ہر آنچہ بر سرِ ما مے رود، مبارک باد   بہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست
بحلہ ہائے بہشتی کجا شود دل شاد   کسیکہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدہ است

کہتے ہیں کہ عنفوانِ شباب میں آپ بڑے عیش و آرام کی زندگی گزارتے تھے، بلکہ جہاں آپ جاتے باجوں اور دوسرے آلاتِ موسیقی سے لدے ہوئے اونٹ ہمراہ ہوتے، لیکن جب آپ پر دوسرا رنگ غالب آیا اور اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے تو ان سب باتوں سے منہ پھیر لیا۔ سماع سے قطعی پرہیز کرنے لگے اور اپنے مریدوں کو بھی سختی سے اس کی ممانعت کرتے۔ اس تبدیلی کا باعث تذکرہ نگار یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک دفعہ اُچہ کے بیابان میں شکار کر رہے تھے کہ ایک دراج نے بڑی دردناک آواز سے نالہ و فریاد شروع کیا۔ ایک درویش اس بیابان میں تھا، اس نے کہا کہ سبحان اللہ! ایک دن ایسا بھی ہوگا جب یہ جوان خدا کی محبت میں اسی طرح نالہ و فریاد کرے گا۔ یہ سُن کر آپ پر عجیب حالت طاری ہوئی۔ دنیاوی چیزوں سے دل سرد ہو گیا اور روز بروز محبت الٰہی کے آثار زیادہ نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ حتیٰ کہ اخیر میں ہر طرف سے دل ہٹ گیا اور فقط ذاتِ مولےٰ کا دھیان رہ گیا۔

آپ کو شیخ عبدالقادر ثانیؒ اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے کمالات حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ کے تابع تھے اور آپ روحانیت میں انھیں کے وارثِ حقیقی تھے۔ آپ کی بڑی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ اور تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ آپ کی نگاہ میں اتنی تاثیر ہو گئی تھی کہ جس پر نظر ڈالتے

لے خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۱۴ ۔   لے خزینۃ الاصفیاء کا مصنف بھی ایسا ہی لکھتا ہے۔

Marfat.com

اس کی کایا پلٹ جاتی۔ گنہگار ہوتا تو تائب ہو جاتا اور کافر ہوتا تو ایمان کی دولت سے شرف یاب ہوتا۔

اخبار الاخیار کا بیان ہے "بسیارے از عصاۃ وکفّار بمشاہدہ جمال ومعائنہ کمالش بسعادت توبہ نصوح مے رسیدند وبشرفِ ایمان مشرف مے شدند"[1]

اولاد آپ کے فرزند کا نام سیّد عبدالرزاق تھا۔ سیّد حامد جو حامد گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں، انھیں کے فرزند تھے۔ حامد گنج بخشؒ اپنے زمانہ کے مشہور شیخ تھے۔ شیخ داؤد کرمانیؒ جو شیر گڑھ میں مدفون ہیں انھیں کے خلیفہ اعظم تھے۔[2]

حامد گنج بخشؒ کے ایک صاحبزادے شیخ موسیٰ پاک شہیدؒ تھے جو ملتان میں پاک دروازہ کے اندر مدفون ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی انھیں سے بیعت تھے۔

شیخ موسیٰ کا بھی اپنے بھائی شیخ عبدالقادر سے سجادہ نشینی کے بارے میں تنازعہ ہوا تھا پھر شیخ عبدالقادر کی اکبر سے چپقلش ہوگئی اور وہ اچہ میں جا کر متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

---

[1] "رودِ کوثر" شیخ محمد اکرام

[2] شیخ داؤد کرمانی اور شیخ موسیٰ پاک شہید کے حالات اس کتاب میں الگ الگ موجود ہیں۔

Marfat.com

عبدالرحمان شاہ (نوشاہی۔ المعروف پاک رحمان)

بھڑی شاہ رحمان

ضلع گجرانوالہ میں بھڑی شاہ رحمان کے مقام پر حضرت شاہ عبدالرحمان نوشاہی جنھیں پاک رحمان کے نام سے بھی پکارتے ہیں؛ کا عرس ۲۰ جیٹھ یا ۲ مئی اور ۵ محرم کو (دو مرتبہ) منایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحمان نے اپنے مرشد حضرت نوشا گنج بخشؒ کی ہدایت پر اپنی زندگی میں تین مرتبہ اپنا عرس کرایا۔ یہ عرس ۲۰ جیٹھ کو ہوا کرتا تھا چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کا عرس اسی تاریخ کو منایا جاتا رہا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو اس عرس کے علاوہ ان کے یوم وفات یعنی ۵ محرم کو بھی ان کا عرس منایا جانے لگا۔ اس طرح ہر سال ان کے دو عرس منائے جاتے ہیں۔

زائرین کو حافظ آباد ریلوے سٹیشن پر اترنا پڑتا ہے۔ وہاں سے دس میل کا فاصلہ تانگے میں طے کرنا پڑتا ہے۔

پیدائش حضرت شاہ عبدالرحمان بہ مقام چیٹھہ پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد صالح اور والدہ کا نام زہرہ بی بی تھا۔ آپ اپنے چار بھائیوں میں تیسرے درجہ پر تھے۔

اس زمانے میں شیخ حاجی محمد عرف نوشا گنج بخشؒ جو حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے خلیفہ تھے زہد و ریاضت میں مشہور اور طریقہ نوشاہیہ کے فقیر تھے۔ سفر کرتے کرتے بمقام چیٹھہ پہنچے۔ حضرت شاہ عبدالرحمان کو ان کی والدہ نے حضرت نوشا گنج کی تحویل میں دے دیا۔ چنانچہ آپ ان کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کرتے رہے اور طریقہ نوشاہی اختیار کیا۔ پچیس برس کی عمر میں بھڑی شاہ عبدالرحمان کے مقام پر چلے آئے۔ آپ کی آمد سے پہلے یہ آبادی اورنگ پور ڈھلہ کہلاتی تھی جو زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہو گئی تھی۔ آپ یہاں پہنچ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے پھر دوسرے لوگ بھی یہاں آکر بسنے لگے چنانچہ آپ ہی کے نام پر یہ گاؤں بھڑی شاہ رحمان کہلانے لگا۔

Marfat.com

وفات | ۱۱۵۳ھ میں وفات پائی۔

مزار | وفات کے قریباً بارہ برس بعد آپ کا مزار تعمیر ہوا۔ جو چھوٹی اینٹوں اور سیمنٹ سے بنا تھا۔ آپ کو مقبرہ کے اندر صندوق میں بند کر کے دفن کیا گیا۔ صندوق زنجیروں کے ساتھ لٹکایا گیا ہے۔ روضہ تک پہنچنے کے لیے تین سیڑھیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے یہ سیڑھیاں تعداد میں سات تھیں بعد میں چار زمین میں دھنس گئیں۔

Marfat.com

عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوریؒ (شیخ)

لاہور

عُرس قلعہ گوجر سنگھ لاہور کے قریب میکلوڈ روڈ پر شیخ موسیٰ آہن گر کے سبز گنبد والے روضہ کے شمال میں سلسلہ سہروردیہ کے ایک بزرگ شیخ عبدالجلیل المعروف بہ قطب العالم چوہڑ بندگی قریشی حارثی ہنکاریؒ کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ یکم رجب المرجب کو حضرت کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔

شجرہ حضرت عبدالجلیل سلطان التارکین حضرت حمیدالدین حاکمؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنھوں نے کیچ مکران کی حکومت چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

شیخ عبدالجلیل بن ابوالفتح بن عبدالعزیز بن شہاب الدین بن نورالدین بن حضرت حمیدالدین حاکمؒ۔[1]

ابتدائی حالات اوّل بیعت اپنے والد بزرگوار سے کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا پھر دور دراز ملکوں کی سیاحت کی اور سینکڑوں بزرگوں سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔ بالآخر بہاول پور سے بہ عہد سلطان بہلول لودھی لاہور میں آئے اور اشاعت اسلام میں حصہ لینے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ سلہریہ، بھٹی، کھوکھر اور چوہان وغیرہ راجپوت اقوام آپ ہی کی کوششوں سے بہ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

"تذکرہ قطبیہ" میں جو شیخ جلال الدین ابوبکر کی تصنیف ہے، شیخ عبدالجلیلؒ کی بہت سی خوارق و کرامات کا ذکر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے علم و فضل کے پیش نظر سلطان بہلول لودھی نے اپنی لڑکی آپ سے بیاہ دی، جس سے ان کا ایک بیٹا شاہ ابوالفتح پیدا ہوا۔[2]

رجب ۹۱۰ھ میں وفات پائی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم

[2] "تاریخ لاہور" از کنہیالال۔

Marfat.com

عبدالخالق قصوریؒ (خواجہ)

قصور

قصور شہر میں آبادی سے ذرا دُور ایک مسجد[1] کے سامنے صحن میں خواجہ عبدالخالق قصوریؒ مدفون ہیں۔ مزار پر کوئی گنبد یا چھت نہیں۔ یہاں خواجہ صاحب کا عرس ہر سال بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے سکھوں کو بھی خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت کے دوران ہر اتوار کو سکھ فوجیں خواجہ صاحب کے آستانے پر حاضری دیا کرتی تھیں۔

حالات خواجہ صاحب حافظِ قرآن تھے اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ مسجد جس میں ان کا مزار ہے انھوں نے اسی مقصد کے لیے بنائی تھی۔ لوگ دُور دُور سے درسِ قرآن لینے آتے تھے۔ طلباء کی رہائش اور خوراک کا انتظام خواجہ صاحب خود کرتے تھے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک وسیع لنگر جاری کر رکھا تھا جس میں طلباء کے علاوہ عام فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔

کہتے ہیں ایک دفعہ کوئی شخص لنگر میں آیا تو درس و تدریس اور طلبا کے قیام و طعام کا انتظام دیکھ کر بہت متاثر ہوا چنانچہ اس نے ایک پارس کا ٹکڑا خواجہ صاحب کو چندے کے طور پر دے دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس شخص کا پھر وہاں آنا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ پارس کے ٹکڑے کے طفیل خواجہ صاحب مسجد اور مدرسے کو خاصی ترقی دینے کے قابل ہو گئے ہوں گے۔ مگر وہ حیران ہوا جب اُس نے دیکھا کہ اس کاروبار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لنگر اور مدرسے کی وہی کیفیت ہے جو پہلے تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ خواجہ صاحب کی نظر اس پر پڑی۔ پہچان گئے کہا بھائی ہمارا خرچ خدا کے فضل و کرم سے اسی طرح چلتا ہے۔ آپ اپنی امانت واپس لے جائیں۔ یہ کہہ کر پارس کا ٹکڑا اُسے لوٹا دیا۔

---

[1] یہ مسجد قصور کی قدیم مسجدوں میں سب سے بڑی مسجد ہے جو خواجہ عبدالخالقؒ نے تعمیر کرائی تھی۔

Marfat.com

عبدالرحمانؒ (حاجی) قصوری

قصور

حاجی عبدالرحمانؒ قصوری کا ذکر میاں شیر محمدؒ شرق پوری کے ضمن میں آچکا ہے۔

Marfat.com

عبداللطیف (شاہ بھٹائی)

بھٹ شاہ

عرس کی کیفیت

سندھ میں بھٹ[1] شاہ کے مقام پر صفر کے مہینے میں سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا سالانہ عرس[2] بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ سندھ کے عوام انھیں لال لطیف بھی کہتے ہیں۔ بھٹ شاہ کے قریب کرار نام ایک جھیل ہے جس کا پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے۔ زائرین اسی جھیل کے کنارے خیمہ زن ہوتے اور سفر کی کوفت دُور کرتے ہیں تاکہ عرس کے لیے تیار اور تازہ دم ہو جائیں۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندو بھی کثیر تعداد میں عرس میں شریک ہونے کے لیے آتے تھے۔ عرس سے کچھ دن پہلے آمد و رفت کا ایسا تانتا بندھتا ہے جو عرس کے چند دن بعد ہی ٹوٹتا ہے۔

بھٹ شاہ کی پرسکون اور سادہ بستی عرس کے دنوں میں دُور دُور تک پھیل جاتی ہے جا بجا خیمے دکھائی دیتے ہیں۔ قصبے کے اطراف میں بڑے شہر کی سی کیفیت نظر آتی ہے منڈیاں لگتی ہیں۔ بازار سجائے جاتے ہیں۔ دن کو منڈیوں اور بازاروں میں خوب چہل پہل ہوتی ہے مگر رات کے وقت یہ ساری رونق مزار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

مزار کے صحن میں موسیقی کی محفل منعقد ہوتی ہے جس میں مغربی پاکستان کے قوال خصوصاً سندھ کے قوال حصہ لیتے ہیں۔ شاہ صاحب کی لکھی ہوئی کہانیاں، دوہے اور کافیاں گا کر سنائی جاتی ہیں اور عقیدت مند "واہ سائیں" "مٹھا سائیں"[3] کے نعرے لگاتے ہیں۔ ہر سال عرس کے موقعہ پر ادبی کانفرنسوں کا رواج بھی ہو گیا ہے۔ کانفرنس کا پنڈال کرار[4] جھیل کے کنارے بنایا جاتا ہے۔

---

[1] بھٹ شاہ بستی کی کیفیت آگے بیان کی جائے گی۔

[2] مزار پر ہر جمعہ کو بھی موسیقی کی محفل جمتی ہے۔

[3] یہ سندھی زبان کے الفاظ ہیں۔

[4] شاہ صاحب کے کلام میں جا بجا اس جھیل کا نام آیا ہے۔

Marfat.com

خاندان شاہ صاحب ۱۶۸۹ء[1] میں حیدر آباد سندھ کے ایک گاؤں[2] بالا حویلی میں پیدا ہوئے سادات کے مشہور گھرانے سے تھے۔ والد کا نام سید حبیب تھا جن کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد میں شاہ عبدالکریم نام ایک مشہور ولی اور اچھے شاعر گزرے ہیں جن کا مزار بلڑی کے مقام پر ہے۔

سیاحت شاہ صاحب کچھ عرصہ تک بالا حویلی ہی میں رہے پھر والد کے ہمراہ کوٹری چلے آئے۔ بعد ازاں دوسرے بزرگانِ دین کے قاعدے کے بموجب سیر و سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے تاکہ دوسرے علاقوں میں رہنے والی خدا رسیدہ ہستیوں سے متعارف ہوں اور ان سے کسب فیض کریں۔ اس سلسلے میں ملتان، جیسلمیر، لس بیلہ، مکران، کچھ اور کاٹھیاوار کے علاقوں میں پھرتے رہیں اثنا مختلف بزرگوں سے ملے اور ان سے فیض حاصل کیا۔

سندھ کی دینی حالت اس زمانے میں دینی معاملات کے متعلق علمائے اسلام میں تفرقہ پڑا ہوا تھا دینی ارکان اور شرعی امور کے بارے میں علماء کے کئی گروہ بن چکے تھے۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کی مخالفت میں سرگرم تھا۔ علمأ نے اپنے حامیوں اور ارادت مندوں کی باقاعدہ جھگڑالو ٹولیاں بنا رکھی تھیں۔ ہر گروہ اپنی الگ شرع بنائے بیٹھا تھا۔

شاہ صاحب کا عملی کام! شاہ صاحب ہر وقت دینِ اسلام کی تبلیغ میں سرگرم رہتے تھے۔ آپ نے جب علمائے سندھ کی یہ کیفیت دیکھی تو بہت صدمہ پہنچا۔ آپ نے تہیہ کر لیا کہ دین اسلام کی سچی تعلیم کا علم بلند کر کے اسلام میں اس تفرقہ اندازی کا خاتمہ کر دیں گے۔ چنانچہ آپ نے اسلام کی اصل روح اور اسلامی تعلیم کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بڑی شدت کے ساتھ اسلام کے صحیح اصولوں کی تبلیغ کرنے لگے۔

سندھی علماء حسب و نسب اور ذات پات کے جھگڑے کھڑے کر کے ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں مصروف تھے۔ شاہ صاحب نے علی الاعلان کہا کہ اسلام کسی حسب نسب یا ذات پات کو نہیں مانتا۔ آپ نے بتایا کہ خدا کے نزدیک وہی بہتر ہے جس کے اعمال بہتر ہوں۔ لوگوں

---

[1] سن پیدائش میں اختلاف ہے تاہم آپ کا زمانہ اورنگ زیب کے لگ بھگ تھا۔

[2] اب اس گاؤں کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔

Marfat.com

میں جو غیر اسلامی رسمیں مروج تھیں۔ شاہ صاحب نے ان کے خلاف جہاد کر کے ان کا قلع قمع کیا۔ سندھی مسلمانوں میں ہندوؤں کی بیشتر رسوم رواج پا چکی تھی اور عام مسلمان اسلام سے نابلد ہونے کے باعث ان رسموں کو اسلامی رسمیں سمجھتے تھے۔ شاہ صاحب نے ایسی تمام رسموں کا خاتمہ کر کے دم لیا۔

عملی کام کا نتیجہ شاہ صاحب کی ان سرگرمیوں کے نتیجہ میں عام لوگ اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم سے واقف ہونے لگے۔ ہندوانہ رسمیں یا غیر اسلامی طریقے ختم کر دیے گئے۔ ذات پات کی تمیز اٹھ کر صحیح اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ علماء آپس کے جھگڑے ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر آنے لگے اور شاہ صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔

ذاتی کیفیت شاہ صاحب کا بیشتر وقت تبلیغ دین کے علاوہ عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ مریدوں کو علیحدہ طور پر بھی دینی مسائل سمجھاتے۔ کبھی کبھی خاص کیفیت طاری ہوتی تو زبان مبارک سے حقائق اور معرفت کے چشمے پھوٹ نکلتے۔ وہ وہ باتیں بیان فرماتے جو علم و دانش کا خزینہ ہوتی تھیں۔ ایسی حالت میں زبان سے نکلی ہوئی باتیں سننے والوں پر خاص اثر کرتیں۔ ان کی بڑی خصوصیت ان کی خدا پرستی ہے۔

شاعری آپ کو اشعار کہنے کا بھی خاص ملکہ تھا۔ انھوں نے اپنی نظموں کا مواد عوامی کہانیوں سے اخذ کیا اور بہت سی کام کی باتیں اشعار میں کہیں۔ اسی طرح وہ انسانی کردار کی عظمت کی تصویر کشی کرتے رہے۔ مگر سارے کے سارے اشعار جمع نہ ہو سکے۔ مریدوں نے جو کچھ سنا اسے حفظ کر لیا یا لکھ کر محفوظ رکھ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد مریدوں نے آپ کا سارا شاعرانہ کلام اکٹھا کیا جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ آپ کا مطبوعہ کلام "شاہ جو رسالو" (شاہ صاحب کے رسالے) کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے نتیجہ خیز کہانیاں اور قصے ان شعروں میں بیان کیے ہیں۔ سندھ کی رومانی داستانیں یعنی سسی پنوں، عمر ماروی اور مول رانو وغیرہ کی عشقیہ داستانیں بڑے عمدہ طریقہ سے نظم کیں جنھیں آج بھی سندھ کے عوام بڑے شوق سے گاتے ہیں۔

رئیس نور محمد کا واقعہ سندھ کے ایک رئیس میاں نور محمد کو شاہ صاحب سے بڑی عقیدت

Marfat.com

تھی۔ اس نے عقیدت کے طور پر مثنوی مولانا روم کا ایک بہت عمدہ نسخہ منگا کر شاہ صاحب کی خدمت میں نذرانہ گذرانا۔ نور محمد کے ہاں اولاد نہ تھی۔ اس نے شاہ صاحب سے اپنے حق میں اولاد کے لیے دعا چاہی۔ شاہ صاحب نے دعا فرمائی۔ چنانچہ نور محمد کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ نور محمد نے شاہ صاحب کے نام کی مناسبت سے اپنے بیٹے کا نام غلام شاہ رکھا۔ یہی غلام شاہ بڑا ہو کر سندھ کا حکمران بنا۔ غلام شاہ کے عہدِ حکومت میں شاہ صاحب وفات پا چکے تھے۔

بھٹ شاہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ شاہ صاحب بچپن ہی میں والد کے ہمراہ کوٹڑی چلے آئے تھے جو حیدر آباد سندھ کے قریب دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ پھر عمر کے آخری حصے میں ایک اچھی جگہ نئی آبادی کی بنیاد رکھی۔ اس کی تعمیر میں آپ خود بھی مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے۔ آبادی کے سب مکانات ریت کے ٹیلوں پر بنائے گئے۔ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو "بھٹ" کہتے ہیں اس لیے اس آبادی کو "بھٹ شاہ عبداللطیف" کہا جانے لگا۔ اب اسے صرف "بھٹ شاہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ بستی حیدر آباد سے ۳۲ میل مشرق میں ریت کے چند تودوں پر واقع ہے۔ بھٹ شاہ شاہ صاحب کی زندگی ہی میں آباد ہو گیا تھا۔ دور دور تک کچے پکے مکان بن گئے تھے۔ کھجوروں کے بڑے جھنڈ، ہری بھری کھیتیاں اور ہریالی نظر آنے لگی تھی۔ اب بھی وہاں یہی کیفیت ہے۔

مزار کی کیفیت سندھ کا حکمران غلام شاہ آپ کا عقیدت مند تھا جو کلہوڑا خاندان کا سب سے بڑا تاجدار تھا۔ چنانچہ اسی نے آپ کی قبر پر خوبصورت روضہ تعمیر کیا۔ اسی نے سکھر کے ایک مشہور خطاط اور نقاش سے روضہ پر نقاشی کرائی۔ حال ہی میں بھٹ شاہ میں ایک ثقافتی مرکز کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

؎ وصال کی صحیح تاریخ کتابوں میں نہیں ملتی۔ مگر خیال ہے کہ شمسی حساب سے شاہ صاحب کا انتقال نومبر کے مہینے میں ہوا تھا۔

Marfat.com

عبداللہ شاہ قادریؒ

لاہور

عرس لاہور میں مزنگ کے قریب حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ مدفون بتائے جاتے ہیں اور ہر سال جمادی الاول کی آٹھویں سے گیارھویں تک چار روز آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

حالات حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ قوم کے بلوچ تھے، سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پنجابی زبان میں معرفت کے اشعار کہا کرتے تھے۔ آپ صاحب کشف و کرامات بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

جمادی الاول ۲۱۲ھ میں بعمر اسی سال وفات پائی۔

Marfat.com

عثمانؒ (سید، المعروف شاہ چھولہ بخاری لاہوری)

لاہور

مزار قلعہ لاہور کے اندر تہ خانہ میں سید عثمانؒ المعروف شاہ چھولہ بخاری کا مزار مرجع خلائق ہے۔ یہ مزار قلعہ کی تعمیر سے قبل موجود تھا۔ قلعہ بعد ازاں تعمیر ہوا۔ مزار شیخ حسینی یا پنج پیر[1] کے نام سے موسوم ہے۔

سلسلہ نسب سید عثمان اوچ شریف کے رہنے والے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ذریعہ سید جلال الدین اوچیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے:

سید عثمان بن سید محمود اوچی بن سید بہاؤالدین سید حامد بن سید محمد شاہ بن سید رکن الدین المخاطب بابو الفتح بخاری اوچی بن سید حامد بخاری الملقب بذی نوبہار بن سید ناصرالدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں۔

سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں اپنے خاندان کے بزرگوں سے ہی بیعت ہوئے، اپنے وقت کے بڑے عالی قدر بزرگ تھے۔ ہزاروں افراد نے آپ سے استفادہ کیا۔

"چھولہ" نام کی وجہ تسمیہ مشہور ہے کہ آپ اونٹ پر سوار ہو کر اوچ سے لاہور کی جانب روانہ ہوئے۔ اونٹ کو تیزی سے دوڑا رہے تھے چنانچہ آپ کے بازو بھی تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور نتیجہ میں بازوؤں کا گوشت لرزتا تھا۔ آپ نے بازو سے مخاطب ہو کر فرمایا تو کس لیے حرکت کرتا ہے۔ کیا تجھے 'چھولہ' ہو گیا ہے۔ ("چھولہ" پنجابی زبان میں رعشہ یا لرزنے کو کہتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ جونہی آپ نے یہ الفاظ منہ سے نکالے آپ کے بازوؤں کو سچ مچ رعشہ ہو گیا اور وہ لرزتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کا نام ہی شاہ چھولہ پڑ گیا۔

---

[1] سید محمود سبزواریؒ کے پانچ صاحبزادوں کی قبریں ہیں جو شہید ہوئے تھے۔ سید محمود سبزواریؒ کے حالات میں اس کی تفصیل درج ہے۔

Marfat.com

یہ رعشہ آخر دم تک قائم رہا۔

وفات ۱۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ میں بعہدِ سکندر لودھی وفات پائی۔[1]

اولاد آپ کے صاحبزادے کا نام سید شاہ محمدؒ تھا۔ جو آپ کی وفات کے بعد اوچ سے پنجاب میں آئے۔ سیّد شاہ محمد نے ۱۱ ربیع الثانی ۱۱ــــھ میں وفات پائی۔ ان کے صاحبزادے کا نام سیّد بہاؤالدین جھولن شاہ تھا جو گھوڑے شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۷۹

[2] ان کا ذکر آگے آئے گا۔

Marfat.com

غلام حیدر علی شاہؒ (سیّد۔ جلالپوری)

جلال پور شریف

دریائے جہلم کے پار پہاڑوں کے دامن میں جلال پور ایک قصبہ ہے جہاں پیر سیّد غلام حیدر علی شاہؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت کا سالانہ عرس ۶ جمادی الثانی کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

ولادت اور حسب و نسب

پیر حیدر شاہؒ ۳ صفر ۱۲۵۴ھ (۲۶ اپریل ۱۸۳۸ء) میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے جا ملتا ہے۔ والد کا نام سید جمعہ شاہ تھا جو بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ والدہ ماجدہ بھی ایک مشہور بزرگ کی صاحبزادی تھیں۔

تعلیم و تربیت

حضرت کی والدہ ماجدہ خود بڑی دیندار اور پابند شریعت تھیں چنانچہ بیٹے کو انھوں نے دینی تعلیم دلائی اور ان کی تربیت پر خاص توجہ دی۔ انھوں نے اوائل عمر ہی میں شاہ صاحب کو نماز روزے کا پابند بنا دیا تھا۔ آپ نے قرآن پاک کی تعلیم میاں خان محمد اعظم اپڑی اور اپنے چچا سید امام شاہؒ کے زیر نگرانی حاصل کی۔ پھر میاں عبداللہ چکروی سے فارسی اور اردو کی بعض کتابیں پڑھیں۔

جلال پور کے نزدیک نیین وال ایک قصبہ ہے جہاں اس علاقہ کے مشہور فقیہہ قاضی محمد کامل رہتے تھے۔ ان سے فقہ سیکھی۔ منشی غلام محی الدین ایک مشہور عالم تھے، ان سے بھی علم پڑھا اور اس طرح علوم ظاہری میں کاملیت حاصل ہو گئی۔

مرشد کی تلاش

جلال پور سے قریباً دس کوس کے فاصلے پر ہرن پور ایک مقام ہے جہاں ان دنوں بڑے پایہ کے ایک بزرگ سیّد غلام شاہؒ مقیم تھے۔ پیر حیدر علی شاہ مرشد کی تلاش میں تھے چنانچہ سید غلام شاہؒ سے بیعت کرنے کا خیال آیا اور ان کی خدمت میں پہنچے۔

خواجہ سیالویؒ سے بیعت

سیّد غلام شاہؒ نے خود بیعت لینے کے بجائے انھیں خواجہ سیالویؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا پھر خود ہی اپنے ساتھ خواجہ سیالویؒ کی خدمت میں

Marfat.com

لے گئے۔ چنانچہ ۷ رجب ۱۲۷۱ھ میں ان کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ کچھ مدت بعد خواجہ سیالویؒ نے انھیں خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔

خواجہ سیالویؒ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ سیال میں ان کی آمد پر خواجہ سیالویؒ کئی مرتبہ ان کے استقبال کے لیے جایا کرتے تھے۔

اخلاق و اطوار اور عظمت۔ شاہ صاحب بہت منکسر المزاج اور رحم دل تھے۔ غصہ کبھی نہ آتا تھا۔ غریبوں کی دلجوئی ان کی خاص صفت تھی۔ بہت حسین و جمیل اور دراز قد تھے۔ شرع کے بہت پابند تھے۔

وفات ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔ علامہ اقبال نے آپ کی تاریخ وفات یوں کہی ہے:

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ اورا امینِ جلوہ ہائے طُور گفت
ہاتف از گردوں رسید خاکِ اورا بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو "مغفور گفت"

اولاد حضرت کے چار فرزند تھے۔ سید بدیع الزماں شاہ[1]، سید مظفر علی شاہ[2]، محمد رسول شاہ[3] اور قائم الدین شاہ[4]۔

---

[1] آپ خواجہ سیالوی سے بیعت تھے ۱۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ [2] وفات ۱۳۳۵ھ
[3] شیر خوارگی میں انتقال ہوا۔ [4] وفات ۱۳۱۶ھ

Marfat.com

فریدالدینؒ گنجشکرؒ

پاک پٹن

پاک پٹن (ضلع منٹگمری) میں ہر سال محرم کے پہلے ہفتے میں (عموماً ۲۶ جولائی کو) حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ کا عرس بڑے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ مغربی پاکستان کے تمام عرسوں میں پاک پٹن کے عرس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دُور دراز سے زائرین عرس میں شامل ہونے آتے ہیں۔ اس موقعہ پر پاک پٹن کی گلیوں اور بازاروں میں بہت ہجوم ہوتا ہے۔ مزار پر سماع کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں جن میں بہت سے قوال حصہ لیتے ہیں۔ بازاروں میں جلوس نکلتے ہیں۔ طرح طرح کی دکانیں سجائی جاتی ہیں۔

پاک پٹن ضلع منٹگمری میں قصور لودھراں ریلوے کا سٹیشن ہے۔ منٹگمری اور پاک پٹن کے درمیان بسیں چلتی ہیں۔ عرس کے دنوں میں زائرین کی سہولت کے لیے بسیں اور ریلوے کی سپیشل گاڑیاں بھی چلتی ہیں۔

پیدائش اور نام و نسب

حضرت بابا صاحب کا اصل نام فریدالدین تھا۔ فاروقی سید بتائے جاتے ہیں یعنی آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے آباواجداد شہاب الدین محمد غوری کے دورِ حکومت میں افغانستان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہو گئے۔ آپ کے دادا کا نام قاضی شعیب اور والد کا نام قاضی جمال الدین سلیمان تھا جو لاہور میں قاضی

لہ بچپن میں والدہ نے انھیں نماز کی ترغیب دینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کے مصلے کے نیچے سے شکر کی پڑیا مل جاتی ہے۔ حضرت بابا فرید نماز پڑھنے کے بعد مصلے کے نیچے سے یہ پڑیا اٹھا لیا کرتے تھے۔ ایک دن والدہ پڑیا رکھنی بھول گئی۔ جب بیٹے سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی بیٹے نے جواب دیا ہاں نماز پڑھ لی اور پڑیا بھی مل گئی۔ والدہ بہت متعجب ہوئیں۔ سمجھ گئیں کہ بچے کو غیب سے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس دن سے بیٹے کو "شکر گنج" کہہ کر پکارنے لگیں اور آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

Marfat.com

تھے۔ خاندان کچھ مدت تک لاہور میں رہا پھر ملتان کے ایک قصبہ میں مقیم ہو گیا۔ یہیں ۵۸۲ھ میں بابا صاحب کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی حالات کم عمری ہی میں آپ کے والد انتقال کر گئے۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد ملتان چلے گئے اور وہاں علم سیکھنے لگے۔ ۱۸ سال کی عمر میں حضرت بختیار کاکیؒ سے ملاقات ہوئی، یعنی جس مسجد میں آپ مقیم تھے اتفاق سے وہاں حضرت بختیار کاکیؒ نماز ادا کرنے آئے، اور آپ سے ملاقات ہوئی۔ ولی را ولی مے شناسد۔ ایک ہی نظر میں دونوں نے ایک دوسرے کی شخصیت کا اندازہ کر لیا چنانچہ بابا صاحب نے ان سے بیعت کی اور مریدوں میں شامل ہو گئے۔ جب بختیار کاکیؒ دہلی واپس جانے لگے تو بابا صاحب کو نصیحت فرمائی کہ علوم ظاہر و باطن کا سلسلہ جاری رکھیں۔

سیاحت اور حصولِ علم مرشد کی ہدایت کے بموجب بابا صاحب ملتان سے نکلے اور قندھار، غزنی، بغداد اور بدخشاں کا سفر کیا۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ سے ملے اور استفادہ حاصل کیا۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ بہاؤالدین حمویؒ، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ سیف الدین باخرزیؒ جیسی شخصیتوں سے ملاقات کی۔ شہاب الدین سہروردیؒ سے بہت عقیدت ہو گئی۔ ان کی کتاب "عوارف المعارف" کا بھی مطالعہ کیا۔ انھیں کی عقیدت کے نتیجہ میں اپنے بیٹے کا نام بھی شہاب الدین رکھا۔ غرض ایک طویل سفر کے بعد واپس ملتان تشریف لائے اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے ہاں قیام فرمایا جو شمالی ہند کے مشہور و معروف شیخ تھے۔

ریاضت حضرت بابا صاحب نے ایسے ایسے مجاہدے کیے جن کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ غیر آباد کنوئیں میں الٹے لٹک کر عبادت کیا کرتے تھے۔ دن بھر مراقب رہتے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق رات کے وقت خوفان آپ کو رسّی سے باندھ کر کنوئیں میں الٹا لٹکا دیتا اور رسّی کا سرا درخت سے باندھ دیتا۔ ریاضتوں کا یہ سلسلہ طویل مدت تک جاری رہا جس کے باعث آپ بے حد کمزور ہو گئے تھے۔

بابا صاحب نے ملتان سے دہلی کا رخ کیا اور خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

لہ "مولوی" دہلی، اولیا نمبر ۱۳۵۷ھ

خلافت ان دنوں حضرت خواجہ صاحب اجمیری چشتیؒ دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ انھوں نے بابا صاحب سے بھی ملاقات کی۔ قطب صاحب نے بابا صاحب کو خلافت عطا کی اور ہانسی جانے کا حکم دیا۔ حضرت قطب صاحبؒ کی وفات کے وقت بابا صاحب ہانسی میں تھے۔ وفات کی خبر سُن کر دہلی تشریف لائے قطب صاحبؒ کے حکم کے بموجب قاضی حمید الدین ناگوری نے خرقۂ خلافت اور چند امانتیں آپ کے سپرد کیں۔ بابا صاحب نے کچھ دن دہلی میں رہ کر ان کی جانشینی کے فرائض انجام دیئے پھر ہانسی واپس چلے گئے۔ ہانسی سے آپ اجودھنؒ منتقل ہو گئے اور یہیں ساری عمر گذاری۔

عملی سرگرمیاں اجودھن اُس زمانے میں ہندوؤں کا خاص علاقہ تھا جہاں ہندوؤں کا مشہور راج جوگی رہتا تھا جس کا نام سمبھوناتھ تھا۔ ہندوؤں پر اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ بابا صاحبؒ کو مرشد گرامی نے ہدایتِ خلق اور تبلیغِ اسلام کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی اس لیے آپ نے ہندوؤں کے اس علاقے کو اپنی تبلیغ و ہدایت کا مرکز بنایا تاکہ کفر کی تاریکیوں کو اسلام کی ضیاباری سے منور کریں۔ چنانچہ آپ کی مساعی سے اس علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ ہندو جوق در جوق اسلام قبول کر کے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ سمبھوناتھ بھی اسلام قبول کر کے درجۂ ولایت کو پہنچا۔

حضرت بابا صاحبؒ علوم باطنی اور ظاہری دونوں میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ نے اجودھن میں مسجدیں اور مدرسے قائم کیے جن میں تعلیم حاصل کرنے والے عالم وفاضل بن کر نکلے۔ انہیں علما نے مختلف مقامات کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور اسلام کی اشاعت کی۔

پاک پٹن اور اس کے آس پاس کے علاقے کو آپ اپنے فیض سے سیراب کر ہی رہے تھے دوسرے علاقوں میں آپ نے دوسرے بزرگانِ دین کو مامور فرمایا۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کو دہلی میں مقرر فرمایا کہ مستقل طور پر وہیں رہیں۔ کلیر میں حضرت علاؤ الدین صابرؒ کو مقرر فرمایا۔ دکن میں جو اس زمانے میں کفر زار تھا اور جہاں ابھی تک کوئی تبلیغی کام نہ ہوا تھا وہاں شیخ منتخب الدین چشتیؒ

لہ اجودھن پاک پٹن کا پرانا نام ہے۔ کہتے ہیں شہنشاہ اکبر کو بابا صاحب سے بہت عقیدت تھی اُسی نے اجودھن کا نام بدل کر پاک پتن یا پاک پٹن رکھا۔

Marfat.com

کو بھیجا۔ شیخ منتخب الدین دیوگری میں اقامت پذیر ہوئے اور وہیں سے اسلام کے فیوض وبرکات کے چشمے جاری کیے۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ بھی آپ کے خلفا میں سے تھے۔

عادات اور طریق زندگی

حضرت بابا صاحب بہت ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔ کثرتِ مجاہدات اور استغراقِ عبادت کے باوجود بیوی بچوں کے ساتھ بہت محبّت وشفقت اور دوستوں کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ ہزاروں روپیہ آتا مگر سب کا سب لنگر کے لیے وقف فرما دیتے اور غریبوں میں تقسیم ہو جاتا۔ اپنے پاس کبھی کچھ نہ رکھا۔ تین بیویاں اور کئی بچے تھے مگر گھر میں ہمیشہ فقر و فاقہ ہی رہا۔

مقبولیت

باباصاحبؒ کے تقدس اور ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ اور خواجہ اجمیریؒ جیسے باکمال اولیا اللہ نے ان کے دستِ حق پر بیعت کی۔ اوچ اور ملتان کے لوگ بڑی کثرت سے ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ شاہانِ وقت بھی ان کی عظمت کے معترف اور ان سے عقیدت رکھتے تھے۔

سلطان ناصرالدین کی عقیدت

سلطان ناصرالدین محمود اپنے لشکر کے ساتھ اجودھن سے گزرا تو لشکریوں نے جس عقیدت کا اظہار کیا اس کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاؒ لکھتے ہیں "جن دنوں سلطان ناصرالدین اوچ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ اتنا انبوہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ شیخ کی آستین گلی کی طرف لٹکائی گئی لوگ آکر بوسہ دیتے اور چلے جاتے۔ وہ آستین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر مسجد میں آکر مریدوں کو حکم دیا کہ میرے گرد اگرد حلقہ باندھو تاکہ کوئی شخص اندر نہ آسکے۔ دُور ہی سے سلام کر کے چلے جائیں۔ مریدوں نے ویسا ہی کیا۔ ایک بوڑھا فراش آکر مریدوں کے حلقہ سے گزر کر شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک بوسہ دینے کے لیے کھینچا۔ شیخ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اس فراش نے کہا شیخ المشائخ حضرت شیخ فریدالدین آپ کیوں تنگ آتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اس سے بھی اچھا شکر ادا کرو۔ جب فراش نے یہ کہا تو شیخ نے نعرہ مارا۔ فراش کے حال پر نوازش فرمائی اور اس سے معافی مانگی"[1]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۹-۱۶۰

Marfat.com

سلطان ناصر الدین جب قدم بوسی کے بعد واپس گیا تو چار گاؤں اور بہت سا زرِ نقد بابا صاحبؒ کو مرحمت کیا۔ بابا صاحب نے یہ سب مال و دولت غربا میں تقسیم کر دیا۔ چار گاؤں کی بخشش کا پروانہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ عطیہ کسی مستحق کو دے دیں۔

سلطان بلبن کی عقیدت

شہنشاہ بلبن کو شہزادگی کے زمانے سے ہی بابا صاحب سے عقیدت تھی۔ جب بادشاہ بنا تو یہ عقیدت اور بڑھ گئی۔ متعدد مرتبہ بابا صاحب کی خدمت میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ ایک مرتبہ عرض کیا حضور میں خود تو کئی مرتبہ خدمت میں حاضر ہو چکا ہوں مگر بیگمات بھی قدم بوسی کی بڑی آرزومند ہیں۔ میرے ہمراہ دہلی تشریف لے چلیں تو بڑا احسان ہوگا۔ بابا صاحب کسی طرح رضامند نہ تھے۔ مگر بلبن کے اصرار پر دہلی چلے گئے۔ جہاں آپ کا بڑا زبردست استقبال ہوا۔

بلبن کی بیٹی سے عقد

محل میں کچھ دن گزارے۔ اسی اثنا میں بلبن نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دینا چاہی۔ بابا صاحب نے قبول فرمایا اور نکاح ہوگیا۔ شہزادی کو شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بابا صاحب کے گھر بھیج دیا گیا مگر بابا صاحب کی ہدایت کے بموجب شہزادی نے شاہانہ طریق زندگی ترک کر کے عام عورتوں کا لباس اور ان کا طرزِ زندگی اختیار کیا۔ یہ نیک خاتون بھی بابا صاحب کی طرح زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ شہزادی کو دنیوی عیش ترک کرنے کا یہ نتیجہ ملا کہ بابا صاحب کی دوسری بیویوں کے ہوتے ہوئے ساری اولاد اسی بیوی کے بطن سے ہوئی جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔

حضرت محبوب الٰہی کو عطائے خلافت

حضرت نظام الدین اولیاءؒ (۶۳۶ - ۷۲۵ھ) جنھیں محبوب الٰہی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ۶۵۵ھ میں بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی پھر چار سال کے بعد خلافت کا مرتبہ حاصل کیا۔

وفات

حضرت بابا صاحبؒ نے پچانوے برس کی عمر پائی۔ بڑھاپے میں آپ بے حد کمزور ہو گئے تھے۔ ایک روز بخار چڑھا، کمزوری زیادہ ہو گئی۔ عشا کی نماز پڑھی مگر فراغت پاتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ اس خیال سے کہ شاید میں نے نماز نہیں پڑھی دوبارہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے مگر حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور "یا حیّ یا قیوم" کا ورد کرتے ہوئے ۶۶۶ھ[1] میں جان

---

[1] اخبار الصالحین میں سنِ وفات ۶۶۴ھ بتایا گیا ہے۔

Marfat.com

جان آفریں کے سپرد کردی۔

مزار وفات کے وقت بابا صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ، عصا، کھڑاویں اور دوسرے تبرکات نظام الدین اولیاء[1] کو دی جائیں وہی میری قبر بھی بنائیں گے چنانچہ بابا صاحب کی نعش امانت کے طور پر دفن کی گئی۔ جب نظام الدین اولیا اجودھن آئے تو یہ امانتیں حاصل کیں اور حضرت کو وہاں دفن کیا جہاں آجکل ان کا مزار ہے۔ ایک چھوٹا سا قبہ تعمیر کیا گیا۔ مشرق اور جنوب کی طرف دروازے رکھے گئے۔

حضرت کے مزار کے قریب حضرت کے پوتے شیخ علاؤالدین کا مزار ہے جس پر عالیشان گنبد ہے۔ گنبد کے باہر صحن میں ان تمام سجادہ نشینوں کے مزار ہیں جو اب تک بابا صاحب کی گدی پر بیٹھتے رہے۔

بہشتی دروازہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نظام الدین اولیاء نے مزار تعمیر کرایا تو ایک روز آپ جنوبی دروازے کے پاس کھڑے تھے کہ اچانک فرطِ جوش میں پکار اٹھے "حضور نبی کریمؐ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہو نجات پائے گا"۔

اس واقعہ کے بعد سے صرف شرقی دروازہ زائرین کے لیے کھلا رکھا گیا۔ جنوبی دروازہ جسے "بہشتی دروازہ" کا نام دیا جاتا ہے بند کر دیا گیا، صرف عرس کے موقعہ پر یعنی ۵ محرم کی شام کو اسے کھولا جاتا ہے اور لوگ اس میں سے گزرتے ہیں۔

اولاد بابا صاحب کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ شیخ نصیر الدین نصر اللہ، شیخ بدر الدین سلیمان، شیخ شہاب الدین، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب، یہ پانچ صاحبزادے تھے۔ صاحبزادیوں کے نام بی بی مستورہ، بی بی شریفہ اور بی بی فاطمہ ہیں۔

شیخ نصیر الدین نصر اللہ سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ مدت تک زراعت کرتے رہے۔ ان کے ایک فرزند کا نام بایزید تھا جو درویش صفت انسان تھے۔ شیخ کمال الدین جو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ اور مالوہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں بایزیدؒ کے فرزند تھے۔

شیخ بدر الدین سلیمانؒ بابا صاحب کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ شیخ علاؤالدین

---

[1] بابا صاحب کی وفات کے وقت حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں تھے۔

Marfat.com

اجودھنی جو اپنے زہد و تقدس کی بنا پر بہت مشہور تھے اور جن کے عقیدت مندوں میں سلطان محمد تغلق بھی شامل تھا۔ انھیں کے فرزند تھے۔

شیخ شہاب الدینؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ میں بڑی محبّت اور دوستی تھی۔ ان کے چھ فرزند تھے۔

خواجہ نظام الدینؒ بابا صاحب کے فرزندوں میں انھیں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ آپ بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ ان کے بیٹے کا نام خواجہ ابراہیم تھا۔

شیخ یعقوب بابا صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے جو امروہہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ خواجہ معزالدین اور خواجہ قاضی۔ خواجہ قاضیؒ نے دہلی میں رحلت فرمائی۔

خلفاء بابا صاحب کے خلفاء میں ذیل کے بزرگ قابل ذکر ہیں:

شیخ جمال الدین ہانسویؒ ، شیخ نظام الدین اولیاؒ ، شیخ علی احمد صابرؒ
شیخ بدرالدین اسحاقؒ ، شیخ عارفؒ

شیخ جمال الدین ہانسویؒ بابا صاحب کو بہت مرغوب تھے چنانچہ بابا صاحب کئی سال تک ان کے پاس ہانسی میں مقیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ بابا صاحب جسے بھی خلافت عطا کرتے اسے کہتے کہ اس خلافت نامہ پر جمال الدین سے دستخط کرالو۔ آپ کی وفات بابا صاحبؒ کی زندگی میں ہوئی۔

شیخ نظام الدین اولیاؒ وہ مشہور و معروف بزرگ ہیں جنھوں نے چشتیہ سلسلے کو معراج تک پہنچایا۔ بابا صاحبؒ کے خلفاء میں صرف آپ ہی وہ خلیفہ ہیں جنھوں نے اپنے سلسلے کے نظام کو قائم رکھا اور اُسے فروغ دیا۔

شیخ علی احمد صابرؒ کے مفصل حالات بہت کم ملتے ہیں جس سے ان کے کام کی نوعیت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔[1]

شیخ بدرالدین اسحاقؒ بابا صاحبؒ کے خلیفہ ہونے کے علاوہ ان کے داماد بھی تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا، کہ خوف الٰہی سے آنکھیں ہمیشہ نم رہتی تھیں۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ

---

[1] ان کا مزار کلیر شریف میں ہے جو سہارن پور میں رڑکی کے قریب واقع ہے۔

Marfat.com

محمد موسیٰ ۔ شیخ بدرالدین کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ اور دونوں صاحبزادے خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پاس دہلی چلے گئے ۔ اور دونوں لڑکوں کی تربیت خود کی ۔ پھر نظام الدین اولیاؒ نے خواجہ محمد امام کو خلافت عطا فرمائی ۔

شیخ عارفؒ کے حالات کم ملتے ہیں ۔ سیر الاولیاء میں ان کا تھوڑا سا ذکر آیا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ بابا صاحب نے انھیں خلافت عطا کرنے کے بعد سیستان بھیج دیا تھا ۔

Marfat.com

فیض الرسولؒ (خواجہ)

دھونکل

ضلع گوجرانوالہ میں قصبہ دھونکل کے قریب داد والی کے مقام پر ہر سال ۲۲ - ۲۳ ماہ اسوج حضرت خواجہ فیض الرسولؒ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں قرب جوار سے ہزاروں کی تعداد میں زائرین شریک ہوتے ہیں۔ عرس کے موقعہ پر دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ رات بھر جلسے کا ہنگامہ رہتا ہے جس میں تقریریں اور نعت خوانی وغیرہ ہوتی ہے۔

لنگر کی طرف سے زائرین کو کھانا دیا جاتا ہے اور جگہ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ لوگ بستر ہمراہ لاتے ہیں۔

داد والی کا محلِ وقوع

داد والی جہاں خواجہ موصوف مدفون ہیں ضلع گوجرانوالہ میں گکھڑ اور وزیرآباد کے درمیانی ریلوے سٹیشن دھونکل کے متصل مشرق کی جانب واقع ہے۔

خواجہ صاحب کے حالاتِ زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔

Marfat.com

فیروز رح (میر، سیّد، شاہ)

لاہور

لاہور میں تکیہ ڈنڈی گراں میں سادات عظام گیلانی کے ولی اللہ میر سیّد شاہ فیروز قدس سرہٗ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

آپ کے جدِ بزرگوار سیاحت کی غرض سے بغداد سے لاہور آئے وہاں سے دہلی اور دوسرے مقامات کو اولیائے عظام اور مشائخ کرام کی زیارت کے لیے پھرتے پھراتے رہے۔ پھر لاہور ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

تحصیلِ علم کے بعد شاہ فیروز درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور فیضیاب ہو کر واپس جاتے۔ آپ فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ شام سے نصف شب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ جمعہ کی نماز کے بعد عصر تک درس دیتے۔

سلسلہ بیعت بیعت کا سلسلہ یہ ہے: شاہ فیروز مرید شاہ عالم (جدِ خود) مرید شاہ نواز الدین مرید شیخ احمد مرید شیخ حامد مرید شیخ عبدالرزاق مرید سیّد عبداللہ گیلانی مرید احمد قادری مرید سیّد میر مرید سیّد مسعود مرید سیّد علی مرید سیّد صوفی مرید سیّد السادات عالی جناب سیّد الکونین غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی رح۔[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۱۱۸

Marfat.com

کاکا صاحبؒ

نوشہرہ

سرحد میں پشاور کی تحصیل نوشہرہ سے چھ میل جنوب کی طرف زیارت کاکا صاحب کے مقام پر ہر سال ۱۶ رجب سے ۲۳ رجب تک حضرت کاکا صاحبؒ کا عرس منایا جاتا ہے حضرت کاکا صاحب سرحد کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں اور اس مقام پر مدفون ہیں۔

۲۳ اور ۲۴ کی درمیانی رات کو چراغاں کیا جاتا ہے۔ مزار کی چار دیواری کے گرد بجلی کے قمقمے روشن کیے جاتے ہیں۔ عرس کے موقعہ پر اشیائے خورد و نوش چائے، کباب، مٹھائی وغیرہ کی دکانیں لگائی جاتی ہیں اور خوب چہل پہل ہوتی ہے۔ قوالی وغیرہ نہیں ہوتی البتہ مذہبی اور تبلیغی قسم کے جلسے اور تقریریں ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی پشتو کا مشاعرہ بھی منعقد کیا جاتا ہے۔

نوشہرہ صدر سے سواریوں کی آمد و رفت کا مستقل انتظام ہے۔ تانگے اور موٹریں آتی جاتی ہیں۔ عرس کے ایام اور موسم بہار میں زائرین کی کثرت ہوتی ہے۔ نوشہرہ سے زیارت کاکا صاحب تک سڑک، اگرچہ تارکول کی بنی ہوئی پختہ نہیں تاہم عام کچی سڑکوں کی طرح نہیں اس لیے آمد و رفت کے لیے گوارا ہے۔ لوگ سائیکلوں پر بھی آتے جاتے ہیں۔

نام و نسب | حضرت کاکا صاحب کا اصل نام کستیرؔ گل تھا مگر ہر خاص و عام کے ساتھ حیانہ برتاؤ کے باعث شیخ رحمکار کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اس نام نے اتنی شہرت پائی کہ آپ کا اصل نام بہت کم لوگ جانتے تھے۔ پشتو زبان میں بزرگ یا بہت قابلِ عزت شخص کو "کاکا" بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ رحمکار کی چونکہ بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی اس لیے عزت کے طور پر آپ کو "کاکا" کہہ کر بھی پکارتے تھے۔ مزید تعظیم کے لیے صاحب کا لفظ بڑھا کر "کاکا صاحب" کہہ کر پکارنے لگے۔ اسی نام کی نسبت سے آپ کی اولاد "کاکا خیل" کہلاتی ہے۔

والد ماجد کا نام نامی شیخ بہادر باباؒ ہے جو ایک صاحب کے نام سے مشہور تھے اور اپنے

لہ غالباً فارسی لفظ کستوری کو پشتو میں کستیرؔ بنا دیا گیا جس کا معنی مشک ہے۔ بعض کسی خوشبودار پھول کا نام کستیرؔ بتاتے ہیں

Marfat.com

وقت کے قطب گزرے ہیں۔ حضرت کاکا صاحب حسینی سیّد ہیں۔ سلسلہ نسب تیئسویں پشت میں حضرت امام حسینؓ سے اس طرح ملتا ہے:

شیخ رحمکار بن شیخ سید بہادر صاحب بن سید غالب بن سید آدم بن سید لٰیسین بن سید محبت بن سید باقر بن سید محمود بن سید احمد بن سید سیف الدین بن سید سعد الدین بن سید علی اکبر بن سید لقمان بن سید رمال بن سید قاف بابا بن سید فاتح بن سید خاتم بن سید اسماعیل بن حضرت امام جعفرؓ بن حضرت امام باقرؓ بن حضرت امام زین العابدینؓ بن حضرت سیدنا حسینؓ۔

۳۰ شعبان یا یکم رمضان ۹۸۳ھ میں ولادت ہوئی۔ اس وقت ہندوستان پر شہنشاہ اکبر کی حکومت تھی۔

تعلیم اور عبادت و ریاضت زمانہ طفولیت ہی میں علوم ظاہری کی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ پھر حدیث و تفسیر اور دوسرے علوم و فنون میں دسترس حاصل کی۔ آپ کے استاد کا نام اخون دبن بتایا جاتا ہے۔ عبادت و ریاضت کا شوق بچپن ہی میں ترقی کر گیا تھا حالت یہ تھی کہ ہر وقت تنہائی میں اللہ کی عبادت کیا کرتے۔ کھانے پینے کا بہت کم خیال رکھتے چنانچہ ضعف اور ناطاقتی اکثر غالب رہتی۔

نقل مکانی والد کی وفات کے تین سال بعد آپ اُس جگہ چلے آئے جسے اب میلہ کہتے ہیں اور زیارت کاکا صاحب سے ڈیڑھ میل جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں پہاڑیوں میں ایک چشمہ کے پاس قیام فرمایا یہ آپ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ آپ کے زہد و تقویٰ اور ولایت کی خبر دُور دُور تک مشہور ہو چکی تھی چنانچہ آس پاس کے علاقوں کے لوگ آپ کی زیارت کے لیے آنے لگے اور میلہ میں اچھی خاصی رونق ہونے لگی۔

شہنشاہ اکبر سے ملاقات! اتفاق سے شہنشاہ اکبر دہلی سے پشاور آیا۔ اس نے کاکا صاحبؒ کی بزرگی کا حال سن رکھا تھا چنانچہ نوشہرہ کے مقام پر حضرت سے ملاقات

---

[1] حضرت شیخ بہادر صاحب موجودہ قصبہ زیارت سے چھ میل جنوب مغرب کی طرف جنگل میں رہتے تھے۔ یہیں حضرت کاکا صاحب کی ولادت ہوئی۔

Marfat.com

کی اور بہت عزت و تکریم کی۔ اٹک تک حضرت کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بار بار پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں مگر حضرت نے ہر مرتبہ یہی کہا کہ میں غیر اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگتا آپ کے انکار کے باوجود اکبر نے علاقہ خٹک اور اتمان بلاق آپ کو جاگیر کے طور پر دے دیا۔ آپ نے وہی جاگیر اپنے مرید شہباز خان خٹک کو جو مشہور شاعر اور سردار خوش حال خاں خٹک کا باپ تھا مرحمت کر دی۔

طریقت آپ نے صرف اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی تھی۔ دوسرے مشائخ کرام سے صحبتیں ہوئیں اور ان سے روحانی استفادہ بھی کیا، مگر بیعت کسی سے نہ کی۔ گویا آپ کا طریقہ اویسی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے مست بابا سے طریقہ سہروردیہ میں بیعت کی تھی۔ مست بابا نے انھیں خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا تھا۔ بعد ازاں آپ نے متعدد علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور آخر میں طریقہ چشتیہ میں بیعت کی۔

عادات خاموش رہتے۔ بہت کم قیل و قال فرماتے۔ اگر عقیدت مندوں کی خواہش پر خلوت میں کبھی کچھ ارشاد فرماتے تو نہایت نرم اور آہستہ زبان میں مختصر طور پر بات کرتے۔ کبھی ہنسی یا قہقہہ نہ لگایا۔ ہنسی کے موقعہ پر صرف تبسم فرماتے۔

کام اور طرزِ زندگی اپنی نگرانی اور سرپرستی میں مدرسے جاری کیے۔ تین میں قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور باقی چار میں دوسرے علوم پڑھائے جاتے تھے۔

آپ کی اپنی مجلس میں علمائے کرام اکثر حاضر رہتے تھے۔ علمی اور دینی بحثوں میں آپ کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا تھا۔ تمام متنازعہ فیہ مسائل میں علما آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کے کتب خانہ میں ہزاروں کتابیں تھیں جن سے طلباء استفادہ کرتے تھے۔

ہر جمعہ اور پنجشنبہ کے روز اہل علم کے لیے خصوصی وعظ ہوتا۔ اتنی مدھم آواز میں وعظ فرماتے کہ دور بیٹھے ہوئے لوگ مشکل سے سن سکتے تھے۔ غرباء کے لیے ایک وسیع لنگر جاری کر رکھا تھا۔ عقیدتمند جو کچھ پیش کرتے وہ لنگر کے لیے وقف ہو جاتا۔ اپنے پاس کبھی کچھ نہ رکھا۔

وفات ۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ (۲۰ یا ۲۱ جون ۱۶۵۲ء) بروز جمعۃ المبارک شاہجہان کے عہد میں وفات پائی۔ عمر مبارک اسّی برس کی تھی۔

Marfat.com

عجیب واقعہ کاکا صاحبؒ کی وفات کے موقع پر ہر علاقے کے مرید موجود تھے اور ہر کوئی چاہتا تھا کہ کاکا صاحبؒ اسی کے علاقے میں دفن کیے جائیں۔ آخر طویل بحث کے بعد طے پایا کہ آپ کی نعش قبیلہ یوسف زئی اور خٹک کی سرحد پر دفن کی جائے۔ چنانچہ جنازہ اٹھایا گیا، جب جنازہ اس جگہ پہنچا جہاں آپ کا مزار ہے تو لوگ سستانے کے لیے ٹھہر گئے اور جنازہ رکھ دیا گیا۔ جب دوبارہ اٹھانے لگے تو جنازہ اٹھایا نہ جا سکتا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ایک مرید نے کہا کہ میں نے کاکا صاحب کی زبانی ایک مرتبہ سنا تھا انھوں نے فرمایا اس جگہ کی زمین نے مجھ سے عرض کیا تھا کہ مجھے آپ کا مدفن بننے کا شرف بخشا جائے، جو میں نے منظور کر لیا۔ غالباً اسی لیے جنازہ یہاں سے اٹھ نہیں سکتا۔

بالآخر آپ کو اسی جگہ دفن کر دیا گیا۔

خلفاء آپ کے خلفاء بہت زیادہ ہیں جن میں کئی مشہور بزرگ تھے۔ یہاں طوالت کے ڈر سے ان کے حالات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔

اولاد کاکا صاحبؒ کے پانچ فرزند تھے، سب سے بڑے فرزند کا نام شہید بابا تھا، جو والد بزرگوار کے جانشین تھے۔ شہید بابا نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو حق و صداقت کی حمایت کی پاداش میں شہید کیا گیا تھا۔ آپ کا مزار بھی زیارت کا کا صاحب ہی میں ہے۔

شہید بابا کے علاوہ حضرت کاکا صاحب کے چار صاحبزادے اور تھے۔ حاجی محمد امرئے خان، حلیم گل اور نجم الدین۔

کاکا صاحبؒ کے والد بزرگوار، دادا اور پیر دادا تینوں مشہور بزرگ گزرے ہیں اور یہ تینوں سرحد کی سرزمین میں مدفون ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا کہ اسی ضمن میں ان تینوں کا بھی تھوڑا تھوڑا حال بیان کر دیا جائے۔

بہادر باباؒ آپ کا نام سید بہادر ہے مگر بہادر بابا یا ایک صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ کاکا صاحبؒ کے والد بزرگوار تھے۔ نیز ان کے ظاہری مربی اور مرشد بھی ہیں)۔ اپنے زمانہ کے قطب تھے۔ ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ کا مزار پر انوار قصبہ زیارت کاکا صاحب سے قریباً ۲ میل جنوب مغرب میں واقع ہے (کاکا صاحبؒ کی ولادت یہیں ہوئی تھی

اگرچہ مزار تک پہنچنے کے لیے پہاڑوں اور گھنے جنگلات سے گزرنا پڑتا ہے اور راستہ بہت دشوار گزار ہے تاہم بہادر بابا کے عقیدت مندوں کو باباصاحب کا والہانہ عشق کھینچے لے جاتا ہے چنانچہ مزار مقدس پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

مست بابا آپ کاکا صاحب کے دادا اور بہادر بابا کے والد بزرگوار ہیں۔ اصل نام سید نادر ہے، مگر مست بابا ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ زیارت کاکا صاحب کے شمال کی طرف پہاڑوں میں رہا کرتے تھے۔ چونکہ آپ مستانہ رنگ کے بزرگ تھے اس لیے مست بابا نام پڑ گیا۔ اپنے وقت کے بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ مزار پر انوار زیارت کاکا صاحب سے سات آٹھ میل دور جنوب مغرب میں غیر آباد جگہ پر جنگل میں واقع ہے، مگر زائرین کے قیام و طعام، پانی اور دوسری ضروریات کا خاطر خواہ انتظام ہے۔

غالب بابا غالب بابا کا نام سید غالب ہے، مگر غالب بابا مشہور تھے۔ مست بہادر کے والد بزرگوار ہیں۔ آپ ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے جنوبی علاقہ خوڑہ میں رہتے تھے۔ آبائی سلسلہ سہروردیہ تھا مگر سلسلہ چشتیہ میں بھی بیعت کی اور مدارج سلوک طے کیے۔ ہندوستان کے بعض شہروں کی سیاحت کے بعد وطن واپس لوٹے اور فیوض و برکات سے لوگوں کو مستفید کرنے لگے۔ علاقہ خوڑہ میں مردبہ نام ایک گاؤں کے قریب آپ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ یہ مزار قصبہ زیارت کاکا صاحب سے قریباً ۱۸ میل جنوب مغرب میں چراٹ کی پہاڑی سے تین چار میل دور واقع ہے اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

Marfat.com

کاکو (شیخ، شاہ) چشتی لاہوری

لاہور

مزار لاہور میں لنڈا بازار کے اندر مسجد شہید گنج کے قریب ایک چبوترے پر شیخ کاکوؒ چشتی کا مزار بتایا جاتا ہے۔

مسجد شہید گنج شیخؒ کی وفات کے بعد تعمیر ہوئی۔ اسی جگہ دارا شکوہ کے نام سے ایک محلّہ آباد ہوا۔

عرس مزار بالکل سادہ ہے اور اس پر کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی۔ یہاں سال میں ایک دن میلا لگتا تھا جس میں شہر کے خوبے شریک ہوا کرتے تھے۔ چراغاں کیا جاتا تھا۔ سماع اور ناچ وغیرہ بھی ہوتا تھا۔ آجکل عرس یا میلے کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔

حالات شیخ کاکوؒ نے شیخ پیر محمدؒ چشتی لاہوری سے فیض حاصل کیا۔ بعض کہتے ہیں آپ شیخ نورالدین کے فرزند شیخ علاؤالدین کے خلیفہ تھے جو علاؤالحق بنگالی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں[1] منشی محمد دین فوق کا بیان ہے[2] کہ " آپ نظام الدین سلطان المشائخ دہلی کے مرید ہیں اور چند ملاقاتیں آپ کی حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ سے بھی ہیں۔ عہد عالمگیری میں آپ کی شہرت ہوئی جبکہ ایک دن حضرت میرؒ نے یہاں آکر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ یہ مزار ایک برگزیدۂ خدا اور اولیاء اللہ کا ہے "۔

---

[1] متوفی ۸۱۵ھ

[2] " یادِ رفتگان " صفحہ ۸۵

Marfat.com

کامل شاہؒ (سیّد۔لاہوری)

لاہور

روضہ | شہر لاہور سے باہر موضع بابوسابو کے قریب سلسلۂ قادریہ کے ولی کامل اور مشہور شیخ سیّد کامل شاہؒ لاہوری کا مزار مرجع خلائق ہے، جو بخارا کے سادات عظام میں سے تھے۔

حالات | سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کرنے کے بعد آپ شیخ اللہ داد مداری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت پایا۔ پھر اکبر کے عہد میں بخارا سے ہندوستان آئے اور موضع بابوسابو (جہاں آپ کا مزار ہے) کے قریب جنگل میں فروکش ہوگئے۔

آپ کی بزرگی اور کمالات کو دیکھ کر آس پاس کی بستیوں کے لوگ رجوع ہونے لگے اور رفتہ رفتہ دور دراز تک آپ کی شہرت ہوگئی۔ عقیدت مندوں کا حلقہ بڑھتا گیا۔

زیادہ حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

۷ صفر ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

کانواںؒ والےؒ (پیر)

گجرات

شہر گجرات کے قریب پیر کانواں والہ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ ہر جمعرات کو مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ عرس بھی منایا جاتا ہے۔ غالباً تاریخ متعین نہیں۔

یہ مزار گجرات سے قریباً ایک میل باہر مہمدہ گاؤں کے قریب کھیتوں میں واقع ہے مزار کے دروازے پر سن وفات تحریر ہے اور درگاہ کے اندر اشعار لکھے ہیں[۲]۔

پیر کانواں والہ کا اصل نام کرم الٰہی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ارائیں قوم سے تعلق رکھتے تھے جس جگہ آپ کا مزار ہے یہ زمین آپ کی اپنی ملکیت تھی۔ آپ بڑے ولی بتائے جاتے ہیں قلندری مشرب کے تھے۔ کوؤں سے خاص شغف تھا۔ کہتے ہیں کہ لوگ جو کچھ کھانے کے لیے دیتے وہ کوؤں کے سامنے پھینک دیتے تھے چنانچہ کوے آپ سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ ہر وقت اردگرد جھمگٹا بنائے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے پیر کانواں والہ کے نام سے مشہور ہوئے (پنجابی میں کوے کو 'کاں' کہتے ہیں۔ کانواں والہ اسی لفظ سے مشتق ہے) اب بھی مزار پر ہر وقت کوے نظر آتے ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات ۲۲ صفر ۱۳۴۹ھ بتائی جاتی ہے۔ مزار کے دروازے پر بھی تاریخ لکھی ہے۔

عرس کے موقعہ پر مزار پر قوالی وغیرہ ہوتی ہے۔ تھیٹر بھی لگتے ہیں۔ ختم قرآن اور نعت خوانی بھی ہوتی ہے۔ زائرین خاصی تعداد میں آتے ہیں۔

---

[۱] پنجابی کا لفظ ہے 'کاں واں' تلفظ کریں۔

[۲] ایک جگہ یہ شعر لکھا ہے ؎ قمریاں کوکو نوائے عندلیباں چند ہزار
در ریاضِ دشتِ نالاں از نگاہِ چشمِ تو

کمال کیتھلیؒ (خواجہ سید شاہ)

کیتھل (ملتان)

ملتان کے قصبہ کیتھل میں خواجہ سید شاہ کمالؒ کا مزار پُرانوار مرجع خاص و عام ہے جو خواجہ سید شاہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔

خواجہ سید شاہ فضیل خواجہ سید شاہ فضیل ۱۴ صفر ۸۷۱ھ کو (بہ عہد سلطان بہلول لودھی) سندھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰ محرم ۹۹۹ھ کو (بہ عہد اکبر) وفات پائی۔ آپ سید شاہ گدا رحمان کے خلیفہ تھے۔ مزار پُرانوار حیدرآباد سندھ میں ہے۔

خواجہ سید شاہ کمالؒ خواجہ سید شاہ کمالؒ انھیں خواجہ سید فضیل شاہ کے فرزند باکمال تھے۔ ۳ رجب ۸۸۹ھ کو (بہ عہد سلطان بہلول لودھی) کٹک میں پیدا ہوئے۔ سرہند میں اپنے والد بزرگوار سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

آپ اولیائے کبار میں سے تھے۔ اویسی المشرب تھے۔ حالت مجذوبانہ تھی زیادہ تر ویران علاقوں، جنگلوں اور قبرستانوں میں وقت گزارا کرتے تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے والد بزرگوار مخدوم شیخ عبدالاحد سے بہت محبت اور عقیدت تھی۔ اکثر انھیں ملنے کے لیے سرہند جایا کرتے تھے۔ وضع قطع سپاہیانہ تھی اور سپاہیانہ لباس پہنا کرتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت شیخ جلال تھانیسریؒ سے ملنے گئے انھوں نے معانقہ کے بعد پاس بٹھایا۔ وضع قطع اور لباس سے انھیں شاہی ملازم یا سپاہی تصور کیا، چنانچہ آپ سے بادشاہ کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا اے شیخ! تیری خانقاہ میں کوئی کسب فیض کی خاطر آئے تو تجھے یہ مناسب نہیں کہ اس سے بادشاہ یا سپاہ کا حال پوچھے اگر تجھے اس قسم کے حالات پوچھنا ہیں تو راہگزر پہ بیٹھ کر آنے جانے والوں سے دریافت کیا کر۔

ﻟﮧ یہ وہی کمال کیتھلی ہیں جن کا نام شیخ طاہر بندگیؒ کے حالات میں بھی آیا ہے۔

Marfat.com

شیخ جلال تھانیسریؒ یہ سن کر معذرت خواہ ہوئے۔

آپ سلسلہ قادریہ میں بڑے پایے کے بزرگ اور ولی سمجھے جاتے ہیں۔ بہت سی خوارق وکرامات آپ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اگر بہ نظرِ کشف دیکھا جائے تو سلسلہ قادریہ کے مشائخ میں حضرت غوث الثقلینؓ کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی کی مثل اقل قلیل نظر آتی ہے۔ حضرت مجددؒ اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا جب حضرت شاہ کمال کیتھلی معارف و اسرار بیان کرتے تھے تو بعض اوقات اسرار و رموز کے جاننے والے اپنی علمی مہارت کے باوجود بڑی مشکل سے انھیں حل کرتے تھے اور بڑے غور و فکر کے بعد ان کی بات سمجھ میں آتی تھی۔

اولاد سید شاہ سکندر کیتھلی آپ کے نبیرہ تھے جنھوں نے اپنے جدامجد سے سرہند میں خلافت حاصل کی۔ ۲۷ رجب ۱۰۲۳ھ بعہدِ جہانگیر وفات پائی آپ کا مزار پُرانوار صحرائے ملتان میں بہ جانب مشرق واقع ہے۔[۱]

ایک غلط فہمی کا تدارک واضح رہے کہ یہ کمال کیتھلیؒ وہ نہیں جنھوں نے کیتھل ضلع حصار میں متوطن فرمایا۔ وہ سید کمال کیتھلی ترمذی ہیں جو سید عثمان بن سید ابوبکر کے فرزند اور ترمذ کے رہنے والے تھے۔ ۵۸۸ھ میں ہندوستان آئے اور قصبہ کیتھل میں بمقام سیلہ گڈا سکونت اختیار کی۔ سید ملک ابراہیم انھیں کے صاحبزادے تھے جو سلطان شہاب الدین غوری کی فوج کے کماندار تھے اور قلعہ ہانسی پر حملے کے دوران شہادت پائی تھی۔ ان کا مزار وہیں ہے۔ یہ خانقاہ "نشانچی" کے نام سے مشہور ہے۔ سید کمالؒ نے ۴ رجب ۶۱۹ھ میں وفات پائی۔[۲]

---

[۱] "تذکرہ" مرتبہ خلیفہ محمد سعید و شیخ محمد صغیر حسن۔

[۲] کنز الانساب، ص ۲۷۱-۲۷۲

Marfat.com

گھوڑے شاہ رح

لاہور

عرس | شالامار باغ کے قدیمی راستہ میں بخشی بھگت رام کے باغ سے مشرق کی طرف اور راجہ دینا ناتھ کے باغ سے مغرب کی طرف مائل بہ جنوب حضرت گھوڑے شاہ رح کا مزار ہے جہاں ہر سال ۱۶ ماہ رجب کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

عرس کے موقعہ پر فقیروں میں بھنڈارا تقسیم ہوتا ہے۔ بڑے زور شور سے قوالیاں کی جاتی ہیں

حالات | آپ کا اصل نام محمد حفیظ تھا اور جھولن شاہ کے نام سے بھی مشہور تھے۔ گھوڑے شاہ کے نام سے اس لیے شہرت پائی کہ آپ گھوڑوں سے بہت مانوس تھے۔ بہت سے گھوڑے پال رکھے تھے۔ ایک دفعہ ایک مرید نے عقیدت کے طور پر لکڑی کا ایک خوبصورت گھوڑا پیش کیا۔ آپ وجد میں آ کر اس پر بیٹھ گئے اور کہا اے گھوڑے دوڑ۔ کہتے ہیں کہ لکڑی کا گھوڑا سچ مچ دوڑنے لگا اور آپ نے اس پر سواری کی۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد گھوڑے شاہ کہہ کر پکارے جانے لگے۔

مزار | آپ کا مزار لاہور کی ایک طوائف نے جس کا نام سودان تھا تعمیر کرایا۔ سودان آپ کی مریدہ تھی۔ اسی طوائف کے نام پر یہ جگہ جہاں اب مزار ہے چوہٹہ سودان کہلاتا تھا۔ اسی طوائف نے مزار کے ساتھ مسجد بھی بنوائی جو مسجد گھوڑے شاہ کہلاتی ہے۔ چبوترہ کے دروازہ کے باہر مشرق کی طرف گھوڑے شاہ کے تین مریدوں کی قبریں ہیں۔

Marfat.com

لعل شہباز رح (قلندر سندھی سوبانی)

سہون

سندھ میں دادو کے قریب مانچھر جھیل کے پاس سہون نام ایک قصبہ اور ریلوے اسٹیشن ہے جہاں سندھ کے مشہور بزرگ حضرت لعل شہباز قلندر کا روضہ مرجع خلائق ہے اکثر جمعرات کو چراغاں کیا جاتا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ حضرت کا عرس بھی منایا جاتا ہے۔

اصل نام میر سید عثمان تھا۔ شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ طریقہ ملاتیہ کے باعث پیر روشن ضمیر کی پیش گاہ سے قلندر کا خطاب ملا اور لعل شہباز قلندر کے نام سے مشہور ہوئے۔

حسب ونسب | آپ کا نسب سیدالکونین حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے۔ اخبارالاولیاء[1] میں اس کی تفصیل یوں مذکور ہے:

لعل شہباز بن سید حسن کبیرالدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد بن سید محب بن سید مشتاق بن سید نورالدین بن سید اسماعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد بن امام زین العابدین بن علی بن سید الکونین حضرت امام حسینؓ۔

نسبتِ ثانی | طریقت کے لحاظ سے آپ کی نسبت سہروردیہ حضرت امام جعفر صادقؓ سے اس طرح ملتی ہے:

لعل شہباز مرید حضرت شیخ جمال، مرید سید ابراہیم، مرید شیخ عاقل شہید مرید مسکین شہید، مرید مرتضیٰ سبحانی مرید حضرت امام جعفر صادقؓ۔

عادات وصفات اور بزرگی | آپ ہمیشہ سرخ لباس پہنتے تھے۔ لعل شہباز کہلانے کی یہی وجہ ہے۔ کمالات باطنی و ظاہری میں یگانہ تھے۔ اپنے من میں ڈوب کر

---

[1] بحوالہ خزینۃ الاصفیا (فارسی) جلد دوم ص ۲۷

Marfat.com

جذب و مستی کی انتہا تک پہنچ چکے تھے ۔ چنانچہ احکام شریعت نظرانداز کر کے مسکرات و مشربات کی دنیا میں رہنے لگے ۔ یعنی اپنے آپ کا کوئی ہوش نہ تھا ۔ بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے ۔ خوارق و کرامات کثرت سے ظہور میں آتی تھیں جنہیں دیکھ کر لوگ پروانہ وار حلقہ مریدین میں شامل ہوتے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد اب تک آپ کے مزار پر بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جن سے آپ کے کشف و کرامات کا اظہار ہوتا ہے ۔

سن وفات ۷۲۳ھ بتایا جاتا ہے ۔

Marfat.com

لطیف رحمہ (برّی شاہ)

راولپنڈی

عرس کی کیفیت راولپنڈی سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جہاں آجکل نور پور شاہاں کا میلہ لگتا ہے۔ یہیں حضرت برّی شاہ لطیفؒ کا مزار ہے۔ دُور دُور سے لوگ زیارت کے لیے آتے اور مزار پر عقیدت کے پھُول چڑھاتے ہیں[1]۔ بالائی سندھ، سابق پنجاب اور سرحد کے لوگ ہر سال مزار پر جمع ہوکر عرس مناتے ہیں۔ اس عرس نے ایک تہوار کی شکل اختیار کر لی ہے جو عموماً مارچ کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ زائرین یہاں جمع ہوکر طوائفوں کے گانے اور ناچ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ دُور دراز علاقوں سے قمار باز یہاں آتے ہیں اور وسیع پیمانے پر جوا کھیلا جاتا ہے۔ سرحد کے لوگ اس تہوار میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ تہوار کے موقعہ پر قتل اور جیب تراشی کے واقعات بھی عام ہوتے جا رہے ہیں۔

حالات حضرت برّی شاہ لطیفؒ کے مفصل حالات کا علم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ آپ کا اصل نام عبداللطیف تھا، بڑے پایہ کے بزرگ اور ولی تھے۔ راولپنڈی کی تحصیل گوجر خاں کے کسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ طویل مدت عبادت و ریاضت میں گذاری، پھر راولپنڈی کے ایک نواحی گاؤں نور پور میں رہنے لگے اور وہیں وفات پائی۔

زمانہ ولادت اور وفات کی تاریخوں کا علم نہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گذرے ہیں، اور مشہور ہے کہ بہادر شاہ اوّل جو اورنگ زیب کا جانشین تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

---

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ مزار پر ایک درخت ہے جس میں ایک پھل لگتا ہے۔ اس پھل کو مقامی لوگ "ڈوڈا" کہتے ہیں۔ جن عورتوں کے ہاں اولاد نہیں ہوتی وہ اس ڈوڈے کو پانی میں گھول کر پی لیتی ہیں۔ اگر بچہ پیدا ہو جائے تو پھر مزار پر آکر منت مانتی ہیں۔

Marfat.com

مالن شاہؒ یا سائیں مالی (پیر)

مڑھ بلوچاں

ضلع شیخوپورہ کے مشہور قصبہ مڑھ بلوچاں کے قریب پیر مالن شاہؒ کا مزار بتایا جاتا ہے جنھیں سائیں مالی بھی کہتے ہیں۔ یہاں ہر سال جولائی کے مہینے میں عرس ہوتا ہے جو دو تین دن تک جاری رہتا ہے۔

مقام | مڑھ بلوچاں ضلع شیخوپورہ کا مشہور قصبہ اور ریلوے سٹیشن ہے۔ پیر مالن شاہؒ کا مزار قصبہ مڑھ بلوچاں سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مڑھ بلوچاں سے مزار تک تانگے جاتے ہیں۔

مزار | مزار قصبہ سے باہر واقع ہے۔ آس پاس درختوں کے جھنڈ ہیں۔ زائرین کے ٹھہرنے کے لیے پختہ عمارت وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں لوگ زمین پر ہی سوتے ہیں۔

حالات | پیر مالن شاہؒ کے حالات کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ کون بزرگ تھے کہاں سے آئے تھے اور کیا کچھ کیا۔ البتہ ان کے عقیدت مندوں کی زبانی سننے میں آتا ہے کہ وہ ایک متوکل قسم کے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔

پیرو یا مرید | پیر مالن شاہ کے پیرو یا مرید مخصوص ہیئت بنائے رکھتے ہیں یعنی نیم برہنہ جسم پر ٹلیاں اور گھنگھرو باندھے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے ٹل بھی جسم کے ساتھ لٹک رہے ہوتے ہیں، جو ان کے چلتے وقت آواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً "علی، علی" کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں۔ عرس کے موقع پر پیر مالن کے مزار پر یہ لوگ کثیر تعداد میں اکٹھے ہو کر بھنگ وغیرہ پیتے اور عجیب و غریب قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔

عرس کے موقع پر گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔ قوالوں کے علاوہ مختلف جگہوں سے گانے والی طوائفیں بھی شریک ہوتی ہیں۔

Marfat.com

محمدؒ جمال (حافظ۔ ملتانی)

ملتان

مزار ملتان میں ایک قلعہ نما فصیل کے اندر حافظ محمد جمال ملتانیؒ کا نہایت خوبصورت روضہ ہے جہاں جمادی الاوّل کے مہینے میں حافظ صاحب کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی زیارت گاہ پر زائرین کی رونق رہتی ہے۔

ملتان ایک مدت سے سلسلہ سہروردیہ کا مرکز تھا۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے یہاں اس سلسلے کی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی۔ اور یہ سلسلہ اپنے عروج پر تھا۔ کسی اور سلسلے کو ملتان میں پنپنے کا موقع نہ ملا تھا۔ سب سے پہلے چشتیہ سلسلے کو ملتان میں جس نے ترویج دی وہ خلیفہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ تھے۔

خاندان حافظ صاحب کے والد کا نام محمد یوسف اور دادا کا نام حافظ عبدالرشید تھا قوم اعوان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا اعوان کاری کے علاقہ سے ہجرت کر کے ملتان آ گئے تھے اور قلعہ ملتان کے مشرق کی طرف سکونت اختیار کی تھی۔

ان دنوں بادشاہ دہلی کی طرف سے ابوالقاسم اور ابوالہاشم ملتان کے حاکم تھے۔ یہ دونوں بڑے اہل علم اور علما وفضلا کے قدردان تھے۔ مسجد معہ حجرہ اور کنواں جو شاہی کے نام سے مشہور ہے انھیں کی تحویل میں تھے۔ انھوں نے حافظ صاحب کے والد محمد یوسف کو ان سب کا متولی بنادیا تھا۔ محمد یوسف ان دونوں حاکموں کے معتمد وزیر تھے[۱]۔

ابتدائی حالات حافظ صاحب بچپن ہی سے بہت ذہین اور نخلتی واقع ہوئے چنانچہ چھوٹی عمر ہی میں علوم ظاہری سیکھ لیے تھے۔ پھر علوم مختلفہ پر پورا عبور حاصل کیا۔ عبادت وریاضت کا بھی بہت شوق تھا۔ بیشتر وقت مراقبہ اور استغراق میں گزرتا۔ ہر ماہ ملتان

---

[۱] حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشنِ ابرار مؤلفہ خواجہ امام بخش صفحہ ۱۶۰-۱۶۱

Marfat.com

کے مشہور بزرگ شیخ رکن عالم کے مزار پر حاضری دیتے اور رات بھر اعتکاف میں رہتے۔ پھر مہار شریف کا رخ کیا۔ خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت کی۔ ہر وقت خواجہ صاحب کے ساتھ رہتے۔ آفتابہ برداری اور وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے رہے لنگر کا انتظام بھی انھیں کے سپرد تھا۔

مقبولیت کمالات کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علماء آپ کی مجلس میں آکر زانوئے ادب طے کرنے لگے۔ لوگ جوق در جوق حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ حاکم ملتان ساون مل کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔

عادات آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی اور اکثر اس کا شوق فرمایا کرتے تھے۔ مولانا جامی کی غزلیں بڑے شوق سے پڑھتے اور سنتے تھے۔ مولانا جامی اور شیخ ابن عربی کی کتابیں اکثر زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ مسئلہ وحدۃ الوجود میں اعلم العلماء تھے۔ نفاست کا یہ عالم تھا کہ اپنا لوٹا اور وضو کی جگہ صرف اپنے لیے مخصوص تھی۔ کسی اور کو استعمال نہ کرنے دیتے تھے۔

علمی کارنامہ آپ نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری[۲] بھی اس مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ علم و فضل کا اعلیٰ مرکز تھا جس سے ہزاروں طلباء مستفید ہو کر نکلے۔

سکھوں سے لڑائی حافظ صاحب کے زمانہ میں پنجاب سکھوں کے تصرف میں تھا اور مسلمانوں کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سکھوں نے ملتان پر بھی کئی بار حملہ کیا مگر اس پر قبضہ نہ کر سکے۔ حافظ صاحب کو سکھوں کی سرگرمیاں کھٹک رہی تھیں چنانچہ آپ مسلمانوں میں شجاعت اور بہادری کی روح پھونکتے رہتے تھے۔ خود بھی مردانہ وار جنگ کرنے کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سکھوں کے مقابلہ پر ڈٹ کر لڑے۔ قلعہ ملتان کے برج سے آپ سکھوں پر تیر اندازی کرتے رہے۔

---

[۱] آپ شیخ بہاؤالحق کے پوتے ہیں۔ ۷ جمادی الاول ۷۳۵ھ میں وفات پائی۔ مزار حضرت بہاؤالحق کے مزار سے ذرا آگے ہے۔

[۲] خواجہ گل محمد احمد پوری حافظ محمد جمال ملتانی کے شاگرد تھے۔

Marfat.com

۱۲۲۶ھ میں دوسری مرتبہ سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ اس وقت آپ ملتان میں موجود نہ تھے، جب خبر ملی تو چناب کو عبور کر کے ملتان پہنچے۔

غرض کئی مرتبہ آپ سکھوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

ملفوظات خاصی تعداد میں آپ کے ملفوظات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مرتب بھی کیے گئے ہیں۔ ذیل کے ملفوظات مشہور ہیں:

۱۔ فضائل رضیہ	از مولوی عبدالعزیز
۲۔ اسرار الکمالیہ	از زاہد شاہ
۳۔ انوار جمالیہ	از منشی غلام حسن شہید ملتانی

وفات ۵ جمادی الثانی ۱۲۲۶ھ کو بعارضہ تپ صفراوی وفات پائی۔

اولاد آپ نے دو شادیاں کی تھیں، مگر اولاد کسی سے نہ ہوئی۔

خلفا آپ کے خلفا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا مولوی خدا بخش خیر پوری

۲۔ مولوی عبدالرزاق۔ جو حافظ صاحب کی زندگی ہی میں وفات پا گئے اور میلسی میں مدفون ہیں۔

۳۔ مولوی حامد صاحب ۴۔ سید زاہد شاہ صاحب

۵۔ سید بلند شاہ صاحب، جن کا مزار جھکڑ ضلع میاں والی میں مرجع خلائق ہے۔

۶۔ مولوی غلام حسن ۷۔ صاحبزادہ غلام فرید

۸۔ قاضی عیسیٰ خان پوری ۹۔ مولوی عبیداللہ ملتانی

۱۰۔ مولوی عبدالعزیز پڑھیاری

مولوی خدا بخش ملتانی[1] خواجہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ بڑے عالم وفاضل تھے "توفیقیہ" نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں مسئلہ توحید سے بحث کی گئی ہے۔ چشتیہ نظامیہ سلسلے کی ترویج کے لیے بہت کوشش کی۔

---

[1] آپ کے حالات اس کتاب میں الگ بھی بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

محمد سعیدؒ (شیخ، حاجی، لاہوری)

لاہور

لاہور میں نقشبندیہ، قادریہ اور شطاریہ سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ حاجی محمد سعید لاہوری کا مزار پُر انوار زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

آپ نے سید محمود بن سید علی حسینی الکردی ساکن مدینہ منورہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور شیخ اشرف لاہوری کے ذریعہ یہ سلسلہ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتا ہے۔ نقشبندیہ میں آپ نے حافظ سعد اللہ سے اجازت حاصل کی اور اپنے آپ کو نقشبندی ہی کہتے تھے۔

جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور لاہور تباہ و برباد ہوا تو شیخ محمد سعید ان دنوں لکھی محلہ میں رہتے تھے۔ یہ محلّہ تباہی سے محفوظ رہا۔ نادر شاہ شیخ محمد سعید کے حالات اور ان کی بزرگی سے واقف تھا چنانچہ وہ ان کا معتقد ہو گیا اور پھر مرید بن گیا۔ نادر شاہ کے کئی دوسرے امراء بھی شیخ محمد سعید کے مرید ہوئے۔ تباہی کے دنوں میں نادر شاہ نے اپنے آدمی لکھی محلہ میں حفاظت کے لیے مامور کر دیے تھے تاکہ یہاں کے رہنے والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

احمد شاہ کے مرید ہونے کے بعد شیخ حاجی محمد سعید پیرِ افغاناں کے نام سے بھی مشہور ہو گئے۔

سلسلہ ارادت آپکا سلسلہ ارادت چند واسطوں سے حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے: حاجی محمد سعید مرید و خلیفہ سید محمود مرید سید جلال الدین مرید سید شہاب الدین مرید سید جمال الدین مرید سید شمس الدین ابو الوفا، مرید سید شہاب الدین احمد، مرید سید قاسم، مرید سید عبد الباسط، مرید سید بہاؤ الدین ابو العباس، مرید سید بدر الدین حسن، مرید سید علاؤ الدین مرید سید شرف الدین یحییٰ، مرید سید ابو صالح نصر مرید قطب الآفاق سید عبد الرزاق بن غوث الاعظم محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز۔[1]

۱۱۶۶ھ میں قریباً ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے نواسے شیخ عبد الرحیم آپ کے بڑے خلیفہ تھے۔ ان کے خلیفہ سید فضل علی لاہوری تھے۔

۱؎ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص۱۶۷

Marfat.com

محمد سلطان (شیخ، لاہوری) المشہور بمرگ بینی

لاہور

لاہور میں ایک مجذوب بزرگ شیخ محمد سلطان لاہوری المشہور بمرگ بینی کا مزار مرجع خلائق ہے۔ یہ مزار شاہ نواز نے تعمیر کرایا تھا جو لاہور کا صوبے دار تھا۔

شیخ محمد سلطان مجذوب، سالک اور صاحب جذب وسکر تھے۔ عشق و محبت سے سرشار رہتے تھے۔ خاندانِ عالیہ قادریہ سے تعلق تھا۔ سلسلہ ارادت یہ تھا: شیخ محمد سلطان مرید شیخ سدی شاہ، مرید شیخ عاقل شاہ، مرید ملا شاہ، مرید خادم علی شاہ مرید سلیمان شاہ، مرید نور جمال دہلوی مرید شیخ محمد شفیع سدھوری، مرید شیخ حیات محمد مرید حضرت شاہ قمیص گیلانی قادری[1]

چونکہ آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں اس لیے پیر روشن ضمیر نے آپ کو مرگ بینی یعنی آہو چشم کا خطاب دیا۔

۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۲۰۶

محمد سلیم چشتیؒ (شیخ، صابری، لاہوری)

لاہور

لاہور میں میدان زرین خان میں شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوریؒ کا مزار مرجع خلائق ہے، جو اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے۔

آپ کے پیر و مرشد کا نام شیخ محمد صدیق چشتی تھا۔ عشق و محبت، جذب و سکر، سماع و وجد میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ سماع کے وقت بڑی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ دو دو اور تین تین دن تک بے خودی کے عالم میں رہتے۔ اس طرح پڑے رہتے کہ آپ پر مردہ ہونے کا گمان کیا جاتا۔ آپ کے زیادہ حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

۳ ذی الحجہ کو ۱۰۰۳ھ میں وفات پائی اور اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

محمد طاہرؒ (شیخ، لاہوری، نقشبندی، مجددی)

لاہور

لاہور میں قبرستان میانی میں نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ محمد طاہر کا مزار مرجعِ خلائق ہے، جو شیخ احمد مجدّد الف ثانیؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔

ریاضاتِ شاقہ، مجاہداتِ شدیدہ اور کشوف میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے۔ بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ پہلے قادریہ خاندان میں شاہ اسکندر بن شاہ کمال کیتھلی سے فیض حاصل کیا۔ پھر شیخ احمد مجدّد کے والد بزرگوار شیخ عبدالواحد سے فیض پایا اور لاہور تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

لاہور میں رہ کر آپ علم فقہ اور حدیث کی کتابیں ہاتھ سے لکھنے لگے اور انھیں بیچ کر روزی کمانے لگے۔ ان کتابوں کی تصحیح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کی خدمت میں کسبِ فیض کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ ان میں سے کئی بزرگی کے درجہ کو پہنچے۔ آپ نے شیخ مجدّد کی خدمت میں کئی خطوط ارسال کیے۔ ان میں سے بعض خطوط کتابوں میں بھی درج ہیں۔

آپ کے خلفاء کئی ہیں جن میں سے چار خلفائے نامدار یہ ہیں: شیخ ابو محمد قادری و نقشبندی لاہوری جن کا مزار لاہور میں ہے۔ سیّد صوفی جن کا مزار دہلی میں ہے۔ شیخ لکھن سنت جو عشق الٰہی میں سرشار و بے خود رہا کرتے تھے ان کا مزار لاہور میں موری دروازہ کے باہر ہے۔ آپ کے چوتھے خلیفہ شیخ ابوالقاسم نقشبندی ہیں، جن کا مزار اقدس جدّہ میں ہے۔ شیخ ابوالقاسم اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے حج کی غرض سے گئے۔ جب حرمین شریفین کی زیارت کے بعد لوٹے تو جدّہ کے مقام پر انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہیں۔

۸ محرّم بروز پنجشنبہ بوقت چاشت ۱۰۴۰ھ میں بعمر چھپّن برس وفات پائی۔

آپ نے اپنے پیر و مرشد شیخ احمد مجدّد الف ثانی کو جو خطوط لکھے ان میں سے تبرک کے طور پر ایک خط نقل کیا جاتا ہے۔ اس خط کے مطالعہ سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو پڑھنے

Marfat.com

والے کے لیے باطنی اصلاح اور روحانی استفادے کا کام دیتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

حضرت سلامت! احقر الخدمت محمد طاہر بعرض میرساند کہ چوں از آستانہ علیہ متوجہ لاہور شدم در ہر قدمے با خود میگفتم کہ اے ناداں، مقصود را در سرہند گذاشتہ کجا می روی۔ اما از غیب ندا شد کہ راہی بشور توقف مکن۔ آخر کشاں کشاں در لاہور آوردند و بگوشہ مسجدے حیران و پریشان نشستم، ناگاہ روح پُر فتوح حضرت خواجہ نقشبند ظاہر شد و باعث گشت کہ بکار یکہ مامور شدہ مشغول شو۔ امتثالاً لامرہم دائم چند کس را مشغول ساختم حالا مجلس گرم ست و ارواح مشائخ عظام فوج در فوج تشریف می آرند و الطافِ کثیرہ می فرمایند خصوصاً حضرت غوث الاعظم و خواجہ بزرگ نقشبند و حضرت گنجشکر در ذکر و نماز تشریف فرما میشوند و جناب رسالت مآب ہم با چند ہزار اصحاب نامدار تشریف آوردہ رونق افروز محفل می شوند و نوازشہا میفرمایند و در عشرہ اعتکاف بخلوتِ خاص و نسبتِ تازہ سرفراز نواختند و قبل ازیں ہر یک نسبت از نسبت ثلاثہ یعنی نسبت نقشبندیہ و قادریہ و چشتیہ نوبت بہ نوبت رو میداد و گاہے مختلط ہم میشود و گاہے غالب مغلوب ہم میگردد و مکتوبت نسبت چشتیہ غلبہ عظیم میکرد بحدیکہ از نسبت ہائے دیگر نا امید گشتم دریں ضمن نسبتِ نقشبندیہ غلبہ کرد و دیگر نسبت ہا را زیر نمودہ حالا ہر سہ نسبت یکے شدہ اند و دریں ایام سیر در نسبت مشائخ عظام کم است و در نسبت اصحاب نبویہ زیادہ تر است و سوائے نسبت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم۔ اکثر اوقات بندہ در نسبتِ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ الملک الاکبر میباشد و بسیار خوش خوش میماندہ مطلوب تغیر ہم ہمیں است کہ ہمیں نسبت پیغمبری ترقی و زیادتی پذیرد۔

والسلام

Marfat.com

محمّد فاضل گیلانیؒ (سیّد، متوکّل)

لاہور

مزار | لاہور میں خانقاہ سید اسماعیل محدثؒ کے قریب زاہد و عابد اور متوکّل بزرگ سید محمد فاضلؒ کا روضہ مرجعِ خلائق ہے۔ یہ روضہ اور اس کے ساتھ ایک مسجد اورنگ زیب نے تعمیر کرائی تھی جو سیّد محمد فاضل کا معتقد تھا۔ بعد ازاں انگریزی دَور میں روضہ اور مسجد کو نقصان پہنچایا گیا اور وہ مسمار ہو گئے۔

حالات | سیّد محمد فاضل اپنے وقت کے یگانہ روزگار متوکّل اور زاہد بزرگ تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے ہمیشہ لاتعلق رہے۔ اپنے حجرہ سے باہر کبھی نہ آتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سیّد محمد ہاشم گیلانی تھا۔ وہ اپنے فرزند کو ہمیشہ نصیحت کرتے رہتے تھے کہ تم نے دنیا میں چلنا پھرنا چھوڑ کر حجرہ نشینی اختیار کر لی ہے اور لحظہ بھر کے لیے بھی باہر نہیں آتے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا سے تھوڑی بہت غرض ضرور رکھنی چاہیے، مگر آپ نے آخر دم تک حجرے سے باہر قدم نہ رکھا اور ہمیشہ اندر ہی رہ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ ۲ ماہ ذی الحجہ ۱۱۰۲ھ کو آپ کا جنازہ حجرے سے باہر لایا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ کئی دفعہ اورنگ زیب بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور از راہِ عقیدت بعض چیزیں پیش کیں مگر آپ نے انھیں قبول نہ فرمایا۔

Marfat.com

محمد سعیدؒ (شیخ۔صابری شرقپوری)

شرق پور

لاہور سے چند میل دُور شرق پور (ضلع شیخوپورہ) میں حضرت شیخ محمد سعید صابریؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ یہاں عموماً ۲۹ ستمبر کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

شیخ محمد سعیدؒ کا سلسلہ عالیہ چند واسطوں سے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں جلال الدین تھانیسریؒ[1] سے اس طرح پہنچتا ہے۔

محمد سعید بن محمد باقر مرید شیخ شاہ مراد ملتانی مرید شیخ جیوی شاہ گجراتی مرید شیخ زکریا مرید شیخ حاجی قطب مرید شاہ درگاہی لاہوری مرید شیخ حاجی ابوسعید حنفی گنگوہی مرید شیخ نظام الدین بلخی مرید شیخ جلال الدین تھانیسریؒ۔

آپ کی سکونت شرق پور میں تھی۔ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالا کرتے تھے۔ سبزی فروشی کا کام بھی کیا۔ غلہ وغیرہ خرید کر لاہور میں بیچا کرتے تھے پھر اچانک دنیا سے کنارہ کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ بہت سی خوارق و کرامات آپ سے ظہور میں آئیں۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ سے ارادت تھی۔ آپ کے خلیفوں میں شیخ شمس الدین بن محمد حسین لاہوری اپنے وقت کے کامل بزرگ تھے۔

۱۲۱۴ھ میں وفات پائی۔ یہی تاریخ آپ کے مزار پر کندہ ہے۔ آپ کا مزار میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے مزار سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔

ایک واقعہ خزینۃ الاصفیا اور بعض دوسری کتابوں میں ان کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ غلہ اپنے بیل پر لاد کر لاہور لے جا رہے تھے۔ چند ساتھی بھی ہمراہ تھے جب دریائے راوی کے قریب ایک جگہ پر پہنچے تو بیل ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور غلے کی

---

[1] آپ شیخ عبدالقادر گنگوہیؒ کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔ بلخ کے رہنے والے تھے۔ ۹۸۹ھ میں وفات پا(ئی) مزار تھانیسر میں ہے۔

[2] خزینۃ الاصفیاء

Marfat.com

گون بھی زمین پر آرہی۔ چونکہ بیل کی ٹانگ زخمی ہوگئی تھی اور وہ چل نہ سکتا تھا اس لیے آپ نے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ میرا غلہ بھی تقسیم کر کے اپنے بیلوں پر لادلو اور لاہور پہنچا دو مگر ساتھیوں نے مدد سے انکار کر دیا اور چلے گئے۔

شیخ سعید اب اپنے مال و اسباب کے پاس بیٹھ رہے۔ اتنے میں رات ہوگئی۔ اچانک رات کی تاریکی میں ایک سوار نمودار ہوا۔ اُس نے آتے ہی پوچھا تم کون ہو؟

چونکہ ان دنوں سکھوں نے پنجاب میں اودھم مچا رکھا تھا اور آئے دن رہزنی کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ اس لیے شیخ محمد سعید کو شبہ گزرا کہ شاید یہ بھی کوئی رہزن ہے۔ آپ نے اُس کے سوال کے جواب میں اپنا نام بتایا اور فرمایا میرے پاس اس غلے کے سوا اور کچھ نہیں۔ پھر بیل کو چوٹ لگنے کا واقعہ سنایا۔ سوار نے سن کر کہا تمھارا بیل لنگڑا نہیں۔ اسے سہارا دے کر کھڑا کر دو چلنے لگے گا۔ شیخ محمد سعید نے ایسا ہی کیا اور بیل چلنے لگا۔ سوار نے گون بھی اٹھا کر بیل پر رکھ دی۔

جب سوار جانے لگا تو شیخ محمد سعید نے اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ سوار نے کہا میں صرف تمھاری مدد کو آیا تھا۔ مدد کر دی اب مجھے جانے دو تمھیں میرے نام سے کیا واسطہ۔ مگر شیخ محمد سعید نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ اس پر سوار نے کہا میں "علی" ہوں۔ اور نظروں سے اوجھل ہوگیا[1]

کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد جب شیخ محمد سعید واپس شرق پور آگئے تو ان کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔

---

[1] واللہ اعلم (مصنف)

محمد سلیمانؒ (شاہ۔تونسوی)

تونسہ شریف

عرس ڈیرہ غازی خاں سے تیس کوس کے فاصلہ پر تونسہ نام ایک مقام ہے جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ یہاں ہر سال ۷ صفر المظفر کو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کا عرس منایا جاتا ہے۔

ابتدائی حالات شاہ محمد سلیمان ۱۱۸۴ھ میں موضع گڑگوجی میں پیدا ہوئے جو تونسہ شریف سے ۳۰ کوس مغرب کی طرف ہے۔ والد کا نام زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں بن خان محمد تھا افغان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی جعفر یہ قبیلہ سے تھے جو رحیم[۱] دانی (رمدانی) قبیلہ کی شاخ تھا ایام شیر خوارگی ہی میں والد کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ والدہ نے دینی تعلیم دلائی۔ چھوٹی سی عمر میں ہی قرآن کریم پڑھ لیا پھر حاجی صاحب نام کے ایک باکمال بزرگ سے منطق اور فقہ کی کتابیں پڑھ کر ان علوم میں دسترس حاصل کی۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں خواجہ نور محمد[۲] مہاروی سے بیعت کی اور ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔

دہلی کا سفر بیعت کے بعد خواجہ صاحب نے شاہ صاحب کو شاہ فخرؒ کے پاس دہلی جانے کا حکم دیا۔ جنگلوں اور بیابانوں میں سینکڑوں میل کا تکلیف دہ سفر کرنے کے بعد دہلی ۱۱۹۹ء میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شاہ فخرؒ انتقال کر گئے ہیں۔ چنانچہ مہار شریف میں اپنے مرشد کے پاس آکر رہنے لگے۔ خواجہ مہاروی سے بہت محبت تھی اس لیے ان سے جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ والدہ کی خواہش کے باوجود گھر نہ جاتے تھے البتہ کبھی کبھی چلے جاتے مگر جلد اپنے پیر کے پاس واپس آجاتے۔ خواجہ صاحب بھی دوسرے مریدوں کی نسبت آپ کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ مہار شریف میں بیشتر وقت ذکر و مجاہدہ اور کتب تصوف کے مطالعہ میں گزرتا۔

---

[۱] رحیم داد آپ کے بزرگوں میں سے تھے جن کے نام سے یہ قبیلہ مشہور ہوا۔
[۲] آپ کے حالات اس کتاب میں موجود ہیں۔

Marfat.com

تونسہ میں سکونت کامل چھ سال خواجہ صاحب کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کیا، پھر ان سے خرقۂ خلافت ملنے پر انھیں کے حکم کے مطابق تونسہ میں سکونت اختیار کی اور اشاعت اسلام اور اصلاح و تربیت میں یہیں ساری عمر گذاری۔

اُس زمانے میں تونسہ بالکل غیر آباد جگہ تھی۔ شاہ صاحب یہاں جھونپڑی بنا کر رہنے لگے قدر شناسوں نے پہچان لیا۔ چنانچہ اُس پاس کے بہت سے لوگ مرید ہونے لگے۔ علاقہ کا رئیس الف خان بھی عقیدت مند بن گیا۔ چنانچہ اُسی نے رہنے کے لیے مکان بنا دیا۔ رفتہ رفتہ مریدوں کا حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ نواب بہاول پور بھی مرید ہو گیا اور وہاں ایک مسجد بنا دی۔

درس و تدریس شاہ صاحب نے دینی تعلیم کی غرض سے سب سے پہلے یہاں مدرسہ قائم کیا جہاں ان لوگوں کو جو مرید بننے آتے مذہبی تعلیم سے آراستہ کیا جاتا۔ رفتہ رفتہ یہ کام بہت وسیع ہو گیا۔ اپنے خاص مریدوں کو سلوک احسان۔ کنز اور کافیہ کی کتابیں خود پڑھایا کرتے تھے۔ طلباء اور علماء کی بیشتر ضروریات لنگر سے پوری کی جاتی تھیں۔ غرض شاہ صاحب کی شبانہ روز کی کوششوں سے چند سال کے اندر اندر تونسہ کا غیر آباد مقام اچھی خاصی آباد بستی بن گئی

دینی مشاغل شاہ صاحب کو سماع سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ میاں احمد ان کا خاص قوال تھا۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں سید احمد شہید کی تحریک زوروں پر تھی۔ مسلمانوں کی تباہی کے دن تھے۔ سیاسی لحاظ سے مسلمانانِ ہند پر ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ان حالات میں شاہ صاحب نے بھی مسلمانوں کے اخلاق و عادات کو سنوارنے کا فریضہ ادا کیا۔

آپ کے ملفوظات جن میں آپ نے اپنے مریدوں کو طرح طرح کی نصیحتیں کی ہیں۔ آپ کے علمی تبحر اور عملی کارکردگی کا عمدہ نمونہ ہیں۔ شریعت کے معاملہ میں آپ بہت سخت تھے وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کی موجودہ (اُس دور کی) زبوں حالی بھی متابعت رسول نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ غرض آپ نے خواجہ نور محمد مہاروی کے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تکمیل فرمائی۔

شہرت اور مقبولیت شاہ صاحب کی شہرت ہندوستان سے نکل کر افغانستان میں بھی پہنچی۔ شاہ شجاع نے بھی تونسہ میں آپ سے ملاقات کی۔ افغانستان کے بادشاہ (شاہ شجاع کے حریف) امیر دوست محمد خان نے آپ سے روحانی مدد مانگی تھی۔ سرسید شاہ صاحب کے ہم عصر تھے۔

Marfat.com

چنانچہ سرسیّد نے بھی اپنی کتاب آثار الصنادید میں ان کی شہرت کا ذکر کیا ہے۔

وفات | شاہ صاحب نے ۷ صفر بروز پنجشنبہ ۱۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ نواب بہاول پور نے آپ کے مزار پر سنگِ مرمر کا روضہ تعمیر کرایا۔

اولادِ امجاد | آپ کے تین فرزند تھے۔ صاحبزادہ میاں گل محمد، صاحبزادہ میاں درویش محمد اور صاحبزادہ میاں عبداللہ صاحب۔

میاں عبداللہ صاحب سنِ طفولیت میں فوت ہو گئے۔ میاں درویش محمد نے چودہ برس کی عمر (آخرِ ماہ شوال ۱۲۳۰ھ) میں وفات پائی۔ صاحبزادہ میاں گل محمد اپنے اس بھائی کی وفات کے بعد تیس برس تک زندہ رہے۔ اپنے والدِ ماجد کے نقشِ قدم پر چل کر بڑی عظمت حاصل کی۔ سماع سے بہت رغبت تھی۔ ۱۱ ماہ رمضان ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی[1]

خلفاء | خواجہ صاحب چوراسی سال تک ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کے تشنگانِ معرفت کو اپنے ارشادات و تعلیمات سے سیراب کرتے رہے۔ ان میں سے بعض کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔ آپ کے مشہور خلفا میں سے چند یہ ہیں:

میاں عبدالشکور خیرآبادی	غلام محمد شیرانی
میاں حسن عسکری دہلی	حافظ نور الدین ڈھنڈی سکنہ نواح مہار
شیخ احمد مدنی	مولوی صالح محمد تونسوی
غلام نصیر الدین کالے صاحب،	مولوی شرف الدین سوتری
سید شبیر شاہ پاک پٹنی	مولوی شہسوار
میر فضل علی جھری	مولوی نور جہانیاں بہاول پوری
علی محمد امام	مولوی محمد علی خیرآبادی
میاں عبداللطیف چینا پٹنی	مولانا احمد تونسوی۔
نور احمد سندھی	مولوی محمد علی مکھڈی
فاضل شاہ کشمیری	مولوی محمد باراں کلاچوی

---

[1] "حدیقۃ الاخیار"

Marfat.com

صاحبزادہ نور بخش	ابوالحسن لانگھوی سکنہ سنگھڑ
میاں نظام الدین	نقی محمد لانگوی
محمد اکرم	غلام محمد اوجینی
مولوی محمد یار جھباوی	میاں دلیل خان پوری
حافظ گوہر اونچا	شرف دین کوہستانی
حاجی برخوردار	مولوی محبوب عالم
حسن شاہ قندھاری	مولوی غلام رسول طفیروی
ولی اللہ خراسانی	حافظ عظمت علی "
فیض اللہ شاہ جھجوی	قطب الدین
مولوی محمد حسین چوہان	غلام محمد ملغانی
حافظ غلام رسول	مولوی عبدالرحمان مودی
مولوی نور محمد نارووالہ	مولوی سرفراز چشتی فریدی
مولوی شمس الدین ساہیوال	مولوی نور محمد ملتانی
مولوی امام الدین [1]	ولی اللہ (منبروالا)
غلام محمد رسول پوری	مولوی قیام الدین دہلوی
حاجی نجم الدین [2]	

محمد علی خیر آبادی | خواجہ تونسویؒ کے خلفاء میں حافظ محمد علی خیر آبادی دکن میں سلسلہ چشتیہ کی تبلیغ کے سلسلہ میں بہت شہرت رکھتے ہیں۔ آپ ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ خیر آباد اور شاہجہان پور میں علم حاصل کیا پھر خواجہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جنھوں نے آپ کو اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا۔ اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ پھر مرشد کی اجازت سے

[1] مصنف "نافع السالکین"۔

[2] مصنف "مناقب المحبوبین" انھوں نے سلسلے کی ترقی کے لیے بڑا کام کیا۔ حضرت کی خانقاہ مرجع خلائق ہے۔

پنجاب، حیدرآباد اور اودھ کے ہزاروں لوگوں کو بیعت کیا۔

آپ انسانی مساوات اور اخوت کا نمونہ تھے۔ شرع کے سختی سے پابند تھے اور اتباعِ رسول کے سلسلہ میں مریدوں پر بھی سختی روا رکھتے تھے۔ اہل ہند کی باطل رسومات کو مٹانے کے سلسلہ میں آپ نے بہت کام کیا۔

آخری عمر میں فالج لاحق ہوگیا تھا۔ ہاتھ پاؤں بے کار ہو گئے تھے۔

آخر ماہ ذی قعد ۱۲۶۶ھ کو انتقال فرمایا اور کھیری میں دفن ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے تین خلفاء مرزا سردار بیگ، شاہ حبیب شاہ اور مولانا احسن الزماں حیدرآباد ہی میں رہ کر سلسلہ کی اشاعت میں مصروف رہے۔ مولانا احسن الزماں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ جنھوں نے شاہ فخرالدینؒ کی مشہور کتاب فخرالحسن کی شرح لکھی۔ انھوں نے اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔

Marfat.com

محمدؐ صدیق و محمدؐ رفیقؒ (خلیفہ)

آلو مہار شریف

آلو مہار شریف تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں خلیفہ محمد صدیق و خلیفہ محمد رفیقؒ کا عرس ہر سال ۱۰ ذیقعدہ کو منایا جاتا ہے۔ دونوں اپنے وقت کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں۔ جنہیں سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ سے نسبت تھی۔

مقام سیالکوٹ سے گھوئیں کے" کے راستہ ڈسکہ کو جو پختہ سڑک جاتی ہے اُس سڑک پر مغرب کی طرف سڑک سے قریباً نصف فرلانگ کے فاصلے پر آلو مہار شریف واقع ہے۔ جہاں دونوں بزرگ مدفون ہیں اور جہاں ان ہر دو کا عُرس منایا جاتا ہے۔ اس سڑک پر بسیں اور تانگے چلتے ہیں۔ آلو مہار بھیلو مہار بس سٹاپ ہے جو سیالکوٹ ڈسکہ روڈ پر سیالکوٹ سے تقریباً آٹھ میل اور ڈسکہ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

عُرس کی تفصیل عرس کے موقعہ پر زائرین کے قیام وطعام کا انتظام درگاہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور نماز عشا کے بعد تقریریں ہوتی ہیں۔ ایصال ثواب کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

خلیفہ محمد صدیق آپ کا اصل نام کریم داد تھا بعد میں محمد صدیق رکھا گیا۔ سن پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء بتایا جاتا ہے۔ آلو مہار شریف میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ نے اپنی جائے سکونت (آلو مہار شریف) کو خیرباد کہا اور خوشاب چلی گئیں مگر تھوڑے ہی دنوں بعد واپس آگئیں اور فرزند کو ایک بزرگ حضرت چنن شاہ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہ بچے کے مربی بنیں۔ چنانچہ حضرت چنن شاہ نے آپ کی تربیت کی اور صغر سنی کی حالت میں ہی آپ کو نسبت نقشبندیہ مجددیہ سے سرفراز کیا اور کچھ دنوں بعد نعمت خلافت بھی بخش دی۔

شریعت وسنت کی مطابعت کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ چنن شاہ کی صحبت نے

اس شوق میں اور اضافہ کیا۔ شاہ صاحب نے آپ کو فقہ اور حدیث وتفسیر کی تعلیم دی۔ قرآن پاک کی قرأت میں بہت کم لوگ آپ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ جذب کی کیفیت طاری ہوئی تو کھانے پینے کا التزام نہ رہا۔ مجذوبی کے زمانے میں پنجاب کے بیشتر علاقوں کا سفر کیا اور اس حالت میں بھی کوئی خلاف شرع فعل سرزد نہ ہوا ستمبر ۱۹۱۴ء میں بمقام آلو مہار شریف وفات پائی۔

خلیفہ محمد رفیق خلیفہ محمد رفیق خلیفہ محمد صدیق صاحب کے دوسرے صاحبزادے ہیں ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ پیدائش سے تادم آخر اپنے بزرگ والد کی کامل متابعت کی اور انھیں کے احکام پر چلتے رہے۔ اپنے والد کی زندگی ہی میں ایام طریقت تھے۔

۱۲ جولائی ۱۹۳۴ء کو بعمر ۴۸ برس وفات پائی اور والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

سید جنن شاہ صاحب سید جنن شاہ خواجہ محمد صدیق کے آقا و مرشد تھے۔ آلو مہار شریف میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد کچھ عرصہ تک شاہی فوج میں ملازمت کی۔ بعد ازاں ملازمت چھوڑ کر ذکر و فکر میں لگ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب میں سکھوں نے بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ ان دنوں سیالکوٹ کے محلہ رنگ پورہ میں تیراہ کے مشہور بزرگ خواجہ نامدار شاہ مقیم تھے۔ سید جنن شاہؒ نے ان سے بیعت کر لی اور کافی مدت تک ان کی خدمت کی پھر اپنے گاؤں واپس تشریف لے آئے۔ عموماً رات کو کھیتوں میں جا کر ذکر الٰہی کیا کرتے تھے۔ جب آپ کے زہد و عبادت کی شہرت سیالکوٹ اور گرد و نواح میں پھیلی تو لوگ آ آ کر مرید ہونے لگے۔

۱۳۰۸ھ میں وفات پائی۔ مزار پُرانوار آلو مہار شریف میں ہے۔

Marfat.com

محمد عاقل رح (خواجہ، قاضی)

کوٹ مٹھن

مزار کوٹ مٹھن[1] (ریاست بہاول پور) میں خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ اور ایک باکمال بزرگ خواجہ قاضی محمد عاقل رح کا مزار مرجع خلائق ہے۔

خاندان اور حسب و نسب قاضی صاحب خاندان فاروقی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے آباوا جداد مغلیہ دور میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ ان بزرگوں میں ایک محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمد تھے۔ شاہجہان کا وزیر ارادت خان ان کا مرید تھا۔ خود شاہجہان کو بھی ان سے عقیدت تھی چنانچہ اس نے انھیں پانچ ہزار بیگہ زمین دے رکھی تھی۔

شاہ نور محمد کے تین فرزند تھے:

۱۔ سلطان مخدوم ۲۔ مخدوم محمد یعقوب ۳۔ حاجی محمد اسحاق

سلطان مخدوم کے کوئی اولاد نہ تھی۔ حاجی محمد اسحاق کی اولاد بہرد ن ضلع ڈیرہ غازیخان میں آباد ہوئی۔ مخدوم محمد یعقوب کے دو صاحبزادے تھے۔ مخدوم غلام حیدر اور مخدوم محمد شریف۔

مخدوم غلام حیدر کا مزار دریائے سندھ کے کنارے یاروالی کے مقام پر ہے۔

مخدوم محمد شریف یاروالی میں مقیم ہوئے۔ بڑے پایے کے بزرگ تھے۔ زہد و ریاضت اور توکل میں یگانہ تھے۔ عالم باعمل اور بڑے صاحب برکت تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے قاضی نور محمد اور قاضی محمد عاقل رح۔

کوریجہ قاضی صاحب کے سب بزرگوں کے نام کے ساتھ کوریجہ لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ قاضی محمد عاقل بھی کوریجہ ہی کہلاتے تھے۔ اس لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے خاندان کے

---

[1] کوٹ مٹھن کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یاروالی کے رئیس مٹھن خان بلوچ کو دریا کے کنارے ایک پُرفضا جگہ پسند آئی۔ اس نے اس جگہ بستی قائم کی اور اپنے مرشد مخدوم محمد شریف سے (جو قاضی محمد عاقل کے والد تھے) یہاں رہنے کی درخواست کی چنانچہ وہ یہاں آگئے اور ان کی وجہ سے دور دور سے علما یہاں آنے لگے اور یہ جگہ اللہ والوں کی بستی بن گئی۔

Marfat.com

ایک بزرگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے۔ چونکہ کسی نے اذان نہ دی تھی اس لیے آپ نے مٹی کے ایک کوزے کو اٹھایا اور کہا اے کوزے تو اذان کہہ۔ اُس وقت سے وہ "کوریجہ" کہلانے لگے۔ سندھی زبان میں کوزے کو کورا کہتے ہیں اور "کہنے" کے لیے لفظ "جو" استعمال ہوتا ہے چنانچہ یہ لفظ "کوراجو" اور پھر "کوریجہ" بن گیا۔

ابتدائی حالات قاضی صاحب عالم و فاضل اور محدثِ دوراں کے فرزند تھے۔ چنانچہ والد بزرگوار کی تربیت کے طفیل تھوڑی عمر میں ہی قرآنِ پاک حفظ کر لیا۔ پھر علم و ادب سیکھا اور سیکھتے چلے گئے یہاں تک کہ علوم ظاہری میں کمال حاصل کر لیا۔ والد کے علاوہ شاہ فخر صاحبؒ اور خواجہ نور احمد مہارویؒ سے بھی تحصیل علوم کی۔ شاہ صاحب سے شرح عبدالحق اور سواء السبیل کا درس لیا اور خواجہ صاحب سے حدیث میں کمال حاصل کیا۔

درس و تدریس کا سلسلہ درس و تدریس کا شوق گھٹی میں تھا۔ چنانچہ اسی شوق کے تحت کوٹ مٹھن میں اعلیٰ پیمانے پر مدرسہ قائم کیا جہاں نہ صرف طلبا بلکہ بڑے بڑے عالم آپ سے سیکھنے کے لیے آتے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی لنگر خانہ تھا جہاں سے طلبا کو مفت کھانا ملتا تھا۔

خواجہ مہارویؒ سے بیعت اگرچہ آپ کے والد بزرگوار کچھ کم علمی پایہ نہ رکھتے تھے تاہم مرشد کامل کی تلاش میں قاضی صاحب خواجہ مہارویؒ کی خدمت میں پہنچے اور وہیں ان کے دستِ حق پر بیعت کی۔

دہلی کا سفر جب خواجہ مہارویؒ دہلی جانے لگے تو قاضی صاحب بھی ساتھ ہو لیے اور ان کے ساتھ پیادہ پا سفر کر کے شاہ فخرؒ دہلوی کی خدمت میں پہنچے۔ پھر دوسری مرتبہ اکیلے پیدل سفر کر کے مہار سے دہلی پہنچے۔

مجاہدے اور ریاضتیں آپ نے بہت سخت مجاہدے کیے۔ ذکر جہر میں بڑی دلچسپی تھی۔ آخری عمر میں اگرچہ بہت کمزور اور نحیف ہو گئے تھے پھر بھی ذکر جہر نہ چھوڑا۔ آپ کی آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ کئی کئی دن تک مسلسل عبادت کرتے رہتے۔ اتباعِ سنت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مریدوں کو بھی اسی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی

Marfat.com

اور بہادر شاہ ظفر کو بھی آپ سے عقیدت تھی۔

وفات آخر عمر میں کوٹ مٹھن چھوڑ کر شدانی چلے گئے اور وہیں ۸ رجب ۱۲۲۹ھ میں وفات پائی۔ مگر کوٹ مٹھن میں سپرد خاک کیے گئے۔

سجادگی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے میاں احمد علی آپ کی مسند پہ بیٹھے۔ بڑے پایے کے عالم تھے۔ انھوں نے ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ میں وفات پائی اور کوٹ مٹھن ہی میں دفن ہوئے۔

میاں احمد علی کے بعد ان کے صاحبزادے میاں خدا بخش سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ مگر کچھ دنوں بعد انھوں نے چاچڑاں کو اپنا مستقر بنا لیا۔ آپ حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیا کرتے تھے۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ میں انتقال کیا اور کوٹ مٹھن ہی میں دفن ہوئے

آپ کے فرزندوں میں مولانا غلام فرید چشتی چاچڑاں شریف والے بڑے پایے کے بزرگ اور ولی اللہ گزرے ہیں۔

Marfat.com

محمد غوث لاہوریؒ (شاہ)

لاہور

مزار | لاہور میں دہلی دروازہ اور اکبری دروازہ کے باہر عین لبِ سڑک حضرت شاہ محمد غوثؒ کا مزار ہے۔ مزار کے ساتھ مسجد، حوض اور رہائشی مکانات ہیں۔ مزار کے احاطہ میں داخل ہونے کے دو تین راستے ہیں۔ جس جگہ آپ کا مزار ہے یہاں اورنگ زیب کے زمانے میں اس کے ایک عزیز فدائی خان کوکہ کی حویلی تھی۔[1]

عُرس | حضرت کے مزار پُرانوار پر ہر سال ۷ ربیع الاول کو آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے جس میں گرد و نواح کے شہروں سے بھی ہزاروں لوگ آتے ہیں۔

خاندان اور خلافت | حضرت شاہ محمد غوث پشاور کے ایک جیّد عالم اور بزرگ سید حسن کے فرزند تھے۔ سلسلہ جلیلہ حضرت غوث الاعظمؒ سے ملتا ہے۔ سید حسین کا تعلق قادری سلسلے سے تھا۔ علوم ظاہری و باطنی کے پیکر، رموزِ طریقت و حقیقت کے مظہر اور زہد و عبادت میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے جد امجد سید عبداللہ گیلان سے ہندوستان آئے تھے اور پشاور میں مقیم ہو گئے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ والد کی صحبت میں رہ کر شریعت و حقیقت کے جامع بن گئے تھے۔ معرفتِ الٰہی سے دل روشن ہو چکا تھا۔ خاندانِ قادریہ میں خلافت کا پروانہ والد کی طرف سے ملا اور ان کی اجازت سے مزید فیوضِ روحانی کی تلاش میں گھر سے نکلے۔

سیاحت اور فیضانِ صحبت | کمال ظاہری و باطنی سے آراستہ ہو کر سیاحت کے لیے گھر سے اس غرض کے پیشِ نظر روانہ ہو گئے کہ مختلف علاقوں کے بزرگانِ دین سے مل کر معرفتِ الٰہی کے چشموں سے قلب و روح کی پاکیزگی کی صورت نکالی جائے۔ چنانچہ ہندوستان میں گھوم پھر کر حضرت شاہ دولہ، سید بھیکھ چشتی، عبدالغفور نقشبندی اور حاجی محمد نوشاہ وغیرہ کئی بزرگان و کاملانِ وقت کی مجالس میں وقت گزارا اور ان کی صحبت سے روحانی فیض اور

---

[1] یادِ رفتگان از منشی محمد دین فوق۔

باطنی شرف حاصل کیا۔ پھر سلسلہ نقشبندیہ اور چشتیہ میں تلقین کی اجازت حاصل کی۔

رسالہ غوثیہ کی تصنیف

آپ نے غوثیہ نام سے ایک رسالہ بھی لکھا۔ جس میں اپنی زندگی کے بہت سے واقعات تحریر کیے ہیں۔

خواب میں حضرت میاں میر سے ملاقات

رسالہ غوثیہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں تلاش حق میں لاہور پہنچا تو رات بسر کرنے کے لیے حضرت میاں میر کی خانقاہ میں گیا۔ خواب میں حضرت میاں میر کی خانقاہ میں گیا۔ خواب میں حضرت میاں میر مجھے ملے اور فرمایا تم طلب حق میں نکلے ہو اور قربِ خداوندی کا وسیلہ تلاش کر رہے ہو۔ میں تمھیں ورد کا ایک ایسا طریقہ بتاتا ہوں جس سے تمھاری تمنا پوری ہو جائے گی چنانچہ حضرت میاں میر نے مجھے مصروفِ عبادت رہنے کے لیے ایک ورد بتایا اور فرمایا کہ اس پر عمل کیے جاؤ۔

شیخ حامد لاہوری سے ملاقات

شیخ عبدالقادر ثانی کے پوتے شیخ حامد لاہوری یا حامد گنج بخشؒ جن کا ذکر شیخ داؤد کرمانی شیرگڑھیؒ کے ضمن میں آیا ہے۔ اپنے عہد میں شیخ زمانہ مانے جاتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے عہد کے باکمال بزرگ شیخ حامد لاہوری کی خدمت میں گیا اور حضرت میاں میر سے خواب میں ملاقات کا واقع سنایا۔ حضرت نے فرمایا کہ میاں میرؒ نے جو کچھ تمھیں دیا ہے وہی تمھارے لیے کافی ہے۔ اسی پر عمل کیے جاؤ۔

نادر شاہ کی شاہ محمد غوث سے برہمی

کہا جاتا ہے کہ شاہ محمد غوث کے مریدوں میں بھی ایک شخص کا نام محمد غوث تھا جو پشاور میں رہتا تھا۔ محمد غوث ایک صالح مرد اور خدا رسیدہ بزرگ تھا۔ ان دنوں نادر شاہ ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے خیال سے پشاور آیا تو محمد غوث کی باطنی کاملیت کا علم ہونے پر اس کا عقیدت مند ہو گیا۔ کسی نے نادر شاہ کو بتایا کہ لاہور میں اسی نام کا ایک بزرگ ہے جو اس سے بھی زیادہ کامل ہے چنانچہ نادر شاہ نے حضرت شاہ محمد غوث کو ملاقات کے لیے پشاور بلایا۔ شاہ محمد غوث نے جواباً کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے بلانے پر اس کے پاس جانا میرے آقا و مرشد کے طریقے کے خلاف ہے۔ جس پر نادر شاہ غصے میں آگیا اور کہا اچھا لاہور پہنچ کر پہلے شاہ محمد غوث کی خبر لوں گا پھر دہلی کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔

Marfat.com

جب نادرشاہ نے لاہور کا رُخ کیا تو راستے میں دریائے اٹک عبور کرنا پڑا جو اتنی شدید طغیانی پر تھا کہ نادرشاہ کے لیے اُسے عبور کرنا ناممکن ہوگیا - اور وہ کئی دن تک لشکر سمیت وہاں پڑا رہا - اچانک اُسے خیال آیا کہ کہیں یہ شاہ محمد غوث سے برہمی کا نتیجہ تو نہیں چنانچہ اپنے ارادہ پر افسوس کیا اور شاہ محمد غوث کی مخالفت کا خیال دل سے نکال دیا - نادرشاہ کی اس سوچ کے ساتھ ہی طغیانی جاتی رہی اور اُس نے اٹک کو عبور کر لیا -

بعض کہتے ہیں کہ نادرشاہ کو محمد غوث پشاوری نے مشورہ دیا تھا کہ تم شاہ محمد غوث کے خلاف جذبات کو دل سے نکال دو تو یہ مصیبت ٹل جائے گی - چنانچہ اس کے مشورہ پر نادرشاہ تائب ہوا اور طغیانی جاتی رہی[1]

نادرشاہ کی عقیدت

بہرحال اس واقعہ سے نادرشاہ پر شاہ محمد غوث کی ہیبت چھا گئی اور وہ ان کی عظمت اور بزرگی کا قائل ہوگیا - لاہور پہنچ کر شرف باریابی حاصل کیا اور عقیدت سے سرِ تسلیم خم کر دیا -

وفات

حضرت شاہ محمد غوث نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی - آپ کی اولاد پشاور اور کشمیر میں بتائی جاتی ہے -

---

[1] یہ واقعہ خزینۃ الاصفیا اور بعض دوسری کتابوں میں بھی درج ہے - "یادِ رفتگان" میں بھی حضرت کی ایک کرامت کا حال بحوالہ کنور نونہال سنگھ درج ہے -

Marfat.com

محمود سبزواریؒ (سیّد السّادات)

لاہور

روضہ لاہور میں پرانی انار کلی کے آخری سرے پر سبز گنبد کا ایک روضہ سید محمود سبزواریؒ کا مدفن ہے جو مذہب اثنا عشری کی ایک بہادر اور برگزیدہ شخصیت تھے۔ ارسلان شاہ کے خلاف حاکمِ لاہور کی فوجوں کی کمان کرتے ہوئے شہادت پائی۔ آپ کا مزار پُرانوار زیارت گاہِ خلائق ہے۔

یہ روضہ سید محمود سبزواری کے پوتے سید سالار حسین نے بنوایا۔ جو بہرام شاہ حاکم غزنی کا سپہ سالار تھا۔

نسب آپ شاہ شمس الدین سبزواری تبریزیؒ[1] کے اجداد میں سے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس طرح منتہی ہوتا ہے:

سیّد محمود سبزواری ابن سید محمد ابن ہاشم علی ابن سید احمد ہادی ابن سید منتظر باللہ ابن سید عبدالمجید ابن سید غالب الدین ابن سید محمد منصور ابن اسماعیل ثانی ابن سید محمد عرجینی ابن سید اسماعیل اعرج اکبر ابن حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام[2]

ولادت سید محمود سبزواریؒ کے والد بزرگوار کا نام سید محمد[3] تھا۔ عراق کے شہر سبزوار کے رہنے والے تھے۔ اسی نسبت سے سبزواری کہلائے۔ جمعہ ۱۲ صفر ۳۲۷ھ[4] میں پیدا ہوئے۔

علمی تبحر اور شجاعت اپنے والدِ بزرگوار کی طرح آپ بھی فاضل کامل تھے۔ بہت جری اور بہادر تھے دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اس وقت

---

[1] شاہ شمس سبزواری تبریزیؒ کے حالات اس کتاب میں الگ بیان ہو چکے ہیں۔ [2] کنز الانساب صفحہ ۸۴

[3] سید محمد بن ہاشم کا مولد قاہرہ ہے۔ ۱۵ شعبان ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ فاضلِ کامل تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے زمانہ تھے۔ ۲۱ رمضان ۳۶۵ھ کو سبزوار میں وفات پائی۔ وہیں آپ کا مزار اقدس ہے۔ سید محمود کے علاوہ آپ کے دو اور فرزند تھے سید ابراہیم اور سید جعفر طاہر۔

Marfat.com

خراسان، نیشاپور اور سبزوار کا حاکم سلطان سنجر سلجوقی تھا۔ جب بھی کفار کے ساتھ سلطان کو نبرد آزما ہونا پڑتا وہ سید محمودؒ کو بھیجتا اور آپ ہمیشہ کامیاب و کامران واپس آتے۔ چنانچہ فاطمی خلفا کی طرف سے آپ کا وظیفہ مقرر تھا۔

لاہور میں ورود جب مسعود بن ابراہیم شاہ غزنی ہندوستان کی طرف جنگ کے ارادے سے نکلا تو آپ بھی اس کے ہمراہ آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے ہمراہ آپ کے پانچ صاحبزادے بھی لاہور آئے، جن کے نام یہ ہیں:

سید ابراہیم، سید جعفر، سید حیدر، سید ابوالحسن، سید صفیح الدین۔

ان پانچ صاحبزادوں کے علاوہ آپ کا ایک نبیرہ بھی ساتھ آیا تھا۔ لاہور میں رہ کر آپ اشاعت اسلام میں مصروف رہے اور بہت سے لوگوں کو راہ حق پر لگایا۔

جنگ مسعود بن ابراہیم نے طغاتگین کو لاہور کا حاکم مقرر کیا تھا اور خود غزنی چلا گیا۔ اس اثنا میں بہرام شاہ مسعود بھاگ کر سلطان سنجر سلجوقی حاکم خراسان کے پاس پہنچا۔ کیونکہ ارسلان شاہ اسے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ پھر ارسلان شاہ اور سلطان سنجر کے درمیان جنگ ہوئی۔ ارسلان شاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ اور لاہور پر حملہ کیا۔ اس وقت حاکم لاہور کی طرف سے سید محمودؒ فوجوں کے کمان افسر تھے۔ سلطان سنجر نے طغاتگین کے پاس ایلچی بھیجا کہ ارسلان نے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا ہے اس کا ایک بھائی بہرام شاہ مسعود میری پناہ میں ہے۔ میں ارسلان سے لڑا ہوں اور وہ بھاگ کر تمہارے ہاں جا پہنچا ہے۔ میں نے ان کے بھائی کو غزنی کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ لہٰذا ارسلان شاہ لاہور آئے تو اس کی اطاعت نہ کرنا۔

شہادت طغاتگین اور ارسلان شاہ کے درمیان جنگ ہوئی۔ جس میں سید محمود سبزواریؒ ان کے پانچوں فرزند اور ان کا نبیرہ بھی شامل تھا۔ سید محمودؒ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

بیٹوں کا انتقام والد بزرگوار کی شہادت نے بیٹوں کے دل میں زبردست جوش پیدا کر دیا اور وہ اس بہادری سے لڑے کہ ارسلان شاہ کی فوج کو بھاگتے ہی بنی۔ انھوں نے تعاقب کر کے اُن کا قتل عام کیا۔ بالآخر پانچوں بھائی خود بھی قلعے کے اندر شہید ہو گئے۔ وہیں ان کا مزار ہے جو پانچ پیروں (پنج پیر) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ ۵۰۹ھ میں پیش آیا۔

(لہ فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر)

اولاد سید محمود سبزواریؒ کی اولاد بمقام سنبل (ضلع بلند شہر)، مقام مہارجہ ضلع مراد آباد اور مقام بھنڈی ضلع بجنور میں آباد ہے۔ جو سید سالار حسین بن سید ابراہیم بن سید محمود سبزواریؒ سے علیحدہ ہوئی۔

آپ کے پانچ بیٹوں کا ذکر آچکا ہے جو آپ کے ساتھ لاہور آئے تھے اور یہیں شہید ہوئے آپ کے چھٹے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام محمد محب الدین تھا۔ وہ سبزوار ہی میں رہے۔ ان کا سلسلہ ان کے پانچ بیٹوں سے جاری رہا جن کے نام یہ ہیں:

سید کمال الدین، سید جمال الدین، سید شمس الدین، سید امام الدین اور سید علی خالد

(نوٹ صفحہ ۱۷۴)

۱؎ اسی مقام پر سید عثمان المشہور شاہ چھولہؒ بخاری لاہوری کا مزار بھی ہے۔ ان کا ذکر آچکا ہے۔

مکّیؒ (پیر)

لاہور

عُرس حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کے شمال کی طرف راوی روڈ کے کنارے گوروں کے قبرستان کے عقب میں حضرت پیر مکّیؒ کا مشہور مزار ہے جہاں ہر سال ۱۲ ربیع الثانی کو عرس ہوتا ہے۔ بھنڈارے کے علاوہ قوالی اور ناچ مجرا ہوتا ہے۔ لوگ یہاں شب باشی نہیں کرتے اس لیے کہ کہا جاتا ہے رات کو یہاں سیاہ اژدھے دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت پیر مکّیؒ کا اصل نام عزیز الدین تھا۔ بغداد سے مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے لاہور تشریف فرما ہوئے سلسلہ جنیدیہ کے بزرگ تھے۔ بعض آپ کو حضرت داتا صاحب کا استاد بتاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے حالات کا پتہ نہیں چل سکا۔

تاریخ وفات ۱۲ ربیع الثانی ۶۲۰ھ بتائی جاتی ہے۔ اس وقت ہندوستان پر التمش کی حکومت تھی۔

Marfat.com

موسٰے آہنگرؒ (شیخ)

لاہور

لاہور میں قلعہ گوجر سنگھ کے قریب شیخ عبدالجلیل[1] چوہڑ بندگیؒ کے روضہ کے جنوب میں شیخ موسٰی آہنگرؒ کا مزار مرجع خلائق ہے جو شیخ مذکور کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ ہر سال غالباً ۱۷ یا ۱۸ صفر کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ روضے پر خوشنما سبز گنبد ہے۔ اندر دیواروں پر اُبھرے ہوئے حروف میں قرآنی آیات تحریر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ روضہ میر ہاشم نے بنوایا تھا جو ہمایوں اور اکبر کا وزیر یا درباری تھا اور اُسے شیخ موسٰے سے عقیدت تھی۔

حالات آپ کا سن پیدائش ۸۴۱ھ بتایا جاتا ہے۔ شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگیؒ کی خدمت کرنے کے بعد ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ مرشد نے اپنے پاس ہی دو بیگھہ زمین دے دی، جہاں آپ کا مزار ہے وہاں آہنگری کی دکان کرتے تھے۔

آپ کی بزرگی اور عظمت کے متعلق ایک واقع بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ہندو عورت آپ کی دکان پر چرخے کا تکلا مرمّت کرانے آئی۔ آپ اُس کی صورت دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئے۔ تکلا آگ میں ڈال دیا اور اُس کی شکل دیکھنے میں محو ہو گئے۔ عورت پہلے تو شرمائی جب دیکھا کہ آپ ٹکٹکی لگائے اُسے دیکھتے جا رہے ہیں اور جس کام کے لیے وہ آئی ہے اس طرف توجہ نہیں دیتے تو اُس نے کچھ سخت الفاظ استعمال کیے۔ آپ نے کہا میں تجھے نہیں دیکھتا بلکہ اُس صانع حقیقی کو دیکھ رہا ہوں جس نے یہ حسین صورت بنائی۔ یہ کہا اور تکلا آگ سے نکال کر اپنی آنکھوں پر پھیر لیا۔ پھر کہا کہ اگر میں نے کسی بُرے ارادے سے تجھے دیکھا ہو تو اندھا ہو جاؤں، مگر گرم تکلے نے آپ کی آنکھوں کو ذرا نقصان نہ پہنچایا بلکہ وہ لوہے کا

---

[1] شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگیؒ کے حالات الگ بیان ہوئے ہیں۔ آپ کے روضے کا محل وقوع بھی وہاں بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

تکلا سونے کے تکلے میں تبدیل ہوگیا۔

یہ کرامت دیکھ کر وہ عورت اور بعض دوسرے لوگ بھی آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ ہندو عورت مسلمان ہوگئی۔ آپ کے احاطہ کے اندر شمال مشرقی گوشہ میں اسی عورت کا مزار بتایا جاتا ہے۔

وفات شیخ موسیٰ نے ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۹ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

موسیٰ پاک شہیدؒ (سیّد)

ملتان

ملتان میں اندرون پاک دروازہ شہر ملتان کے جنوب میں ایک بڑے گیٹ کے اندر حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ آپ کی اولاد مزار کے آس پاس کے حصوں میں سکونت رکھتی ہے۔

حالات | حضرت سید موسیٰ حضرت غوث پاکؒ کی اولاد سے ہیں۔ ۹۵۲ھ میں اوچ شریف میں پیدا ہوئے۔ سید حامد گنج بخش گیلانیؒ کے فرزندِ دلبند اور ان کے جانشین تھے۔ جمال الدین ابوالحسن ان کا خطاب تھا اور اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔

زہد و ریاضت میں بہت مشہور تھے۔ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں اس ڈر سے کہ رات کو نیند نہ آجائے اور عبادت میں کوتاہی واقع نہ ہو، آنکھوں میں نمک ڈال لیا کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے پائی۔ پھر انھیں سے خلافت بھی ملی۔ حضرت غوث پاکؒ کے مزار پر بھی حاضری دی۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالقادر کی خواہش تھی کہ والد بزرگوار اُسے ہی اپنا خلیفہ بنائیں لیکن جب سجادگی سید موسیٰ شہیدؒ کو مل گئی تو بھائی نے کسی طریقے سے والد کو مجبور کر کے انھیں سندھ کی جاگیر پر بھجوا دیا۔ جب والد کا وصال ہو گیا تو شیخ عبدالقادر نے خلافت کے متعلق جھگڑا کھڑا کر دیا۔ جب معاملہ طول پکڑ گیا تو مقدمہ شہنشاہ اکبر کے سامنے فتح پور سیکری میں پیش کیا گیا۔ دونوں بھائی شہنشاہ کے سامنے پیش ہوئے۔ مگر بعض باتوں پر شیخ عبدالقادر بادشاہ سے بگڑ گئے چنانچہ خلافت کا دعوےٰ ترک کر کے اُچہ واپس چلے گئے اور وہاں متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے۔[1]

---

[1] رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۲۹۔ بعض کہتے ہیں کہ اکبر نے فیصلہ موسےٰ پاک شہید کے حق میں دے

Marfat.com

سید موسیٰ واپس ملتان جانے لگے اور دہلی سے گزرے تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی[1] وہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

شہادت آپ کی شہادت کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بستی پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو آپ بستی والوں کی مدد کے لیے ہاتھی پر سوار ہو کر وہاں پہنچے۔ ڈاکوؤں کا تعاقب کیا مگر ایک تیر پہلو میں لگا اور شہید ہو گئے۔ شہادت کا یہ واقعہ ۲۳ شعبان ۱۰۱۰ھ میں پیش آیا یعنی اٹھاون برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ ملتان میں دفن ہوئے۔

ملتان کا پاک دروازہ انھیں کے نام سے مشہور ہے۔

---

[1] ۱۵۵۱ء تا ۱۶۴۲ء آپ نے اخبار الاخیار اور آداب الصالحین کے علاوہ کم و بیش تیس چالیس کتابیں لکھیں۔ خواجہ باقی باللہ سے گہرے تعلقات تھے۔ ان سے بیعت بھی کی۔ اکبر، جہانگیر اور شاہجہان تینوں کا زمانہ دیکھا۔ چورانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطہ مزار کے قریب حوض شمسی کے کنارے مدفون ہوئے۔

مہربان علی شاہ بخاریؒ (سیّد)

اکوڑہ خٹک

پشاور کی تحصیل نوشہرہ سے قریباً نو میل کے فاصلے پر برلب سڑک اکوڑہ خٹک[1] ایک مشہور قصبہ ہے جہاں مولانا پیر سیّد مہربان علی شاہ بخاریؒ مدفون ہیں اور ان کا عرس ہر سال ۲۳ شعبان کو منایا جاتا ہے۔

راستہ زائرین اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن پر اترتے ہیں۔ سٹیشن سے قریباً نصف میل کے فاصلہ پر جی ٹی روڈ پر اکوڑہ خٹک کا قصبہ واقع ہے۔

عرس کی کیفیت عرس کے موقع پر عام بازار لگتا ہے جس میں ہر قسم کی چیزیں دستیاب ہوتی ہیں ویسے قصبہ بذات خود بھی بڑا ہے جس میں اشیائے خورد و نوش بہ آسانی مل جاتی ہیں۔ عرس کے موقعہ پر روحانی ذکر و اذکار کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ لنگر کی طرف سے زائرین کو کھانا بھی دیا جاتا ہے۔

حالات حضرت سیّد مہربان علی شاہ قادریہ سلسلہ کے بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے اکوڑہ خٹک میں سکونت تھی۔ آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔ اکوڑہ خٹک کے علاوہ دوسرے علاقوں خصوصاً تحصیل نوشہرہ میں آپ کا خاصا اثر و رسوخ تھا اور اس علاقہ کے لوگ آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہو سکے اتنا معلوم ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب حضرت علیؓ تک اس طرح پہنچتا ہے:

شجرۂ نسب سید مہربان علی شاہ بن سید حبیب شاہ بن سید بہادر شاہ بن سید احمد شاہ بن سید مظفر شاہ بن سید صفی اللہ شاہ بن سید اسماعیل شاہ بن سید نادر شاہ اویس بن سید حمزہ بن سید رجب بن سید صغیر الدین بن سید علی اصغر بن سید ابو قتیبا بن سید عبدالغفور بخاری بن سید

---

[1] اکوڑہ خٹک نارتھ ویسٹرن ریلوے کی مین لائن پر ریلوے سٹیشن ہے۔ دریائے سندھ جو تحصیل نوشہرہ کے بیچ میں سے گزرتا ہے اکوڑہ خٹک کے قریب سے بہہ کر جاتا ہے۔ پشتو کا مشہور شاعر خوشحال خان خٹک یہیں پیدا ہوا تھا۔

عبدالغنی بن سید خیر الدین بخاری بن سید مخدوم الملک محمد صفی بن سید بہاؤ الدین زکریا بن سید ابو الحسن بن سید خادم بن سید میر ثابت بن سید میر محمد صلح بن سید امام احمد بن سید امام ابو القاسم بن سید امام موسیٰ بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن حضرت علی علیہ السلام[1]

مکتب کا قیام آپ بڑے متقی، پابند شریعت اور باکمال بزرگ تھے۔ دینی امور میں خلقِ خدا کی رہنمائی کے لیے آپ نے بہت کام کیا۔ اپنی زندگی میں اکوڑہ خٹک کے اندر ایک مدرسہ بھی قائم کیا جو آج جامعہ اسلامیہ پاکستان اکوڑہ خٹک کے نام سے مشہور ہے۔

وفات اور جانشین اسی سال کی عمر میں ۲۳ شعبان ۱۳۶۷ھ (۱۹۴۸ء) کو اکوڑہ خٹک میں وفات پائی آپ کے فرزند اکبر الحاج سید بادشاہ گل بخاری آپ کے جانشین بنے[2]

---

[1] "شجرۂ طیبہ" مطبوعہ اسپیشل پریس کلکتہ ۹۔

[2] سید مہربان علی شاہؒ کے متعلق یہ حالات ہمیں اسی جامعہ کے ناظم صاحب نے فراہم کیے ہیں۔

Marfat.com

مہر علی شاہ گولڑوی رح (خواجہ)

گولڑہ شریف

مزار راولپنڈی سے پشاور جانے والی ریلوے لائن پر راولپنڈی سے قریباً بارہ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا ریلوے جنکشن گولڑہ ہے ۔ اسی ریلوے سٹیشن سے ایک پختہ سڑک قصبہ گولڑہ سے ہوتی ہوئی مہر علی شاہؒ کے مزار تک جاتی ہے جو سٹیشن سے قریباً دو میل کے فاصلے پر ہے ۔ مزار کا گنبد ریلوے سٹیشن سے بھی دکھائی دیتا ہے ۔ یہ دو منزلہ مزار پہاڑوں کی اوٹ میں واقع ہے جس کے ساتھ دونوں طرف کمروں کی ایک قطار ہے ۔ یہ کمرے مہمانوں یا زائرین کے لیے ہیں ۔

خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ہی آپ کی پوتی کا مزار ہے اور مسجد عالیہ میں ان کے والد بزرگوار کا مزار ہے ۔ یہیں ان کے دو بھائیوں پیر محمود شاہ اور پیر ولایت شاہؒ کے علاوہ ان کے استاد مولوی غازی صاحب کے مزارات بھی ہیں ۔

خواجہ صاحب کے مزار کا گنبد سنگ مرمر کی سفید سلوں کا بنا ہوا ہے جو ہرے بھرے درختوں کے جھرمٹ میں رات کے وقت بجلی کی روشنی میں عجب نظارہ پیش کرتا ہے ۔

مسجد کے صحن میں تالاب ہے ۔ پشت پر بزرگوں کا قبرستان ہے اور مسجد کے بالمقابل کتب خانہ ہے ۔

مزار پر ہر وقت تلاوت کرنے والوں کا ایک میلہ سا لگا رہتا ہے ۔ مختلف علاقوں کے زائرین کا ہجوم ہر وقت دیکھنے میں آتا ہے ۔ مسجد میں صبح سے شام تک درس قرآن جاری رہتا ہے ۔ خواجہ صاحب کی تربت پر عورتوں کو مرض آسیب کے تعویذ بھی لکھ کر دیے جاتے ہیں ۔ علاوہ ازیں دوسرے مقاصد کے لیے بھی عقیدت مندوں کو تعویذ مل جاتے ہیں ۔

عرس آپ کا سالانہ عرس ۲۹ صفر المظفر کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے ۔ جس میں ختم قرآن ، نعت خوانی ، تقریریں اور قوالی ہوتی ہے ۔ مغربی پنجاب کے عرسوں میں خواجہ صاحب کا عرس خاصی شہرت رکھتا ہے جس میں ہزاروں افراد شریک ہوتے ہیں ۔

Marfat.com

۱۰،۹ اور ۱۱ ربیع الاول کو خواجہ صاحب اپنی زندگی میں شیخ سید عبدالقادر جیلانی رح کی گیارھویں[1] کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ یہ اہتمام اب بھی انھیں تاریخوں پر کیا جاتا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں زائرین حاضر ہوتے ہیں۔

خواجہ مہر علی شاہ صاحب خواجہ شمس الدین سیالکوٹی سے بیعت تھے اور انھیں کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ نے چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت اور احیائے دین کے سلسلے میں نمایاں کام کیا۔

پیدائش و حسب و نسب

خواجہ صاحب کی تاریخ ولادت یکم رمضان ۱۲۷۴ھ بتائی جاتی ہے۔ سلسلۂ نسب سید عبدالقادر محی الدین جیلانی سے یوں ملتا ہے:

مہر علی شاہ بن سید میر نذر الدین بن سید پیر غلام شاہ بن سید پیر روشن دین بن سید عبدالرحمان بن سید عنایت اللہ بن سید عنایت علی بن سید فتح اللہ بن سید اسد اللہ بن سید فخر الدین بن سید احسان بن سید درگاہی بن سید جمال علی بن سید محمد جلال بن سید ابی محمد بن میراں سید محمد کلاں بن میراں شاہ قادر قمیص السندری فی نواح السہارنپور و مشائخ کلیر بن السید ابی الحسنات بن السید تاج الدین ابن سید بہاؤ الدین بن السید جلال الدین بن السید داؤد بن السید علی بن السید ابی صالح نصر بن السید عبدالرزاق بن الشیخ السید عبدالقادر محی الدین الجیلانی البغدادی الحسنی اباً والحسینی اُمّاً رض۔

ہندوستان میں آمد

خواجہ صاحب کی نانی سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھیں۔ آپ کے اجداد میں سے حضرت شاہ قمیص (یا کمیض) ہندوستان تشریف لائے اور حضرت عبدالقدوس گنگوہی سے ملاقات کی۔ کہا جاتا ہے کہ گنگوہی نے جب شاہ قمیص کی آمد کی خبر سنی تو پیشوائی کے لیے خود ہندوستان اور ایران کی سرحد پر پہنچے اور ان کا استقبال کیا۔

حضرت شاہ قمیص نے تمام عمر ہندوستان میں ساڈھورا یا ساندھورا[2] کے مقام پر

---

[1] یہ تقریب مغربی پاکستان میں اور جگہوں پر بھی ہوتی ہے مگر گولڑہ شریف میں خاص اہتمام سے بڑے پیمانے پر منائی جاتی ہے اور گولڑہ شریف کی سب سے بڑی اور پرانی تقریب ہے۔ [2] علاقہ سہارنپور کلیر مشرقی پنجاب۔

Marfat.com

گزاری، وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ وہ گولڑہ شریف لے آئے۔ ان صاحبزادوں میں سے ایک نے عمر بھر شادی نہ کی۔ دوسرے صاحبزادے کا سلسلہ اب تک چلا آ رہا ہے۔ خواجہ مہر علی شاہؒ اسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعلیم | آپ کی ابتدائی تربیت والد محترم کے زیر نگرانی ہوئی۔ انھوں نے بڑی محنت سے ابتدائی تعلیم دلائی۔ چونکہ بہت ذہین تھے اس لیے چھوٹی عمر میں ہی علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ حجاز بھی گئے جہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی صحبت رہی۔ کہا جاتا ہے کہ حاجی صاحب ہی نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان واپس جائیں اس لیے کہ وہاں ایک فتنہ ظہور میں آ رہا ہے جس کا قلع قمع کرنے کے لیے مسلمانانِ ہند کو آپ کی خدمات کی ضرورت ہے۔

عملی کام | خواجہ صاحب حجاز سے لوٹے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اس سفر میں آپ نے جا بجا جلسے منعقد کر کے دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام سرانجام دیا۔ آپ کو اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ چنانچہ آپ نے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا اور اسلام میں تفرقہ بازی کو بڑی حد تک ختم کر کے لوگوں کو شریعت کے راستے پر لگایا۔ خود بھی شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباعِ سنتِ نبوی کی تلقین پائی جاتی ہے۔

علمیت اور قابلیت | خواجہ صاحب خود بھی بڑے پایے کے عالم تھے اور عالمانِ دین کی بہت قدر کرتے تھے۔ مذہبی اختلافات کی صورت میں بڑے عالمانہ طریقہ سے اپنے نظریات پیش کرتے تھے۔ شیخ اکبر کے نظریۂ وحدتِ وجود پر انھیں بڑا عبور حاصل تھا۔ فصوص الحکم کو خوب جانتے تھے۔ اور اس کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔

شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود سے اسلام کے بہترین دماغ متاثر ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مشائخ بہت محتاط رہتے تھے وہ اپنے مریدوں کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنے یا اس نظریہ کے بارے میں کسی سے گفتگو کرنے سے روکتے تھے۔ خواجہ مہر علی شاہؒ کو شیخ اکبر کے نظریات پر بڑا عبور حاصل تھا۔ وہ شیخ کی کتاب فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں

Marfat.com

ان کی قابلیت اور مہارت کے پیش نظر علامہ اقبال نے ان سے خط و کتابت بھی کی۔ جس میں شیخ اکبر اور ان کے نظریات کے متعلق خواجہ صاحب سے بعض امور دریافت کیے۔ علامہؒ کا یہ خط نقل کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اکبر اور ان کے نظریات کے متعلق ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ اس خط کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجائے اور خواجہ صاحب کے فکر و نظر کا بھی اندازہ ہو جائے۔

شیخ اکبرؒ شیخ اکبر ۱۱۶۵ء میں سپین کے ایک شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۰ء میں وفات پائی۔ قرآن اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اشبیلیہ آگئے۔ وہاں کئی مشاہیر سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی صحبت میں وقت گزارا۔ سارے سپین کی سیاحت کی۔ قرطبہ میں ابن رشد سے بھی ملے پھر مصر، بغداد، حجاز، ایشیائے کوچک، اور کئی دوسرے علاقوں میں پھرے۔

شیخ اکبر کا نظریہ آپ جس نظریے کی تبلیغ میں عمر بھر سرگرم رہے اس کا مرکزی نقطہ وحدت الوجود تھا یعنی کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ سب خدا کے لیے ہے یا خدا کے سوا کائنات میں کوئی شے موجود نہیں۔

آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں جن میں سے (بعض کے قول کے مطابق) ان کی ڈیڑھ سو کتابیں اب بھی ملتی ہیں۔ ان کتابوں میں فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ وحدت الوجودی فلسفہ پر یہ بڑی دقیق کتابیں ہیں۔

چونکہ شیخ اکبر کا نظریہ بہت دقیق اور سخت تھا اور وہ جا بہ جا اس کی تبلیغ کرتے تھے جسے عام لوگ پوری طرح نہ سمجھ سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی اپنی ناسمجھی کے باعث الحاد اور زندقہ کے دروازے کھل گئے چنانچہ بعض مشائخ نے شیخ اکبرؒ کی مخالفت کی اور انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔

علامہ اقبالؒ کا خط شیخ اکبر کا یہی نظریہ تھا جس میں علامہ اقبال نے بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور خواجہ مہر علی شاہ گولڑویؒ سے اس بارے میں بعض معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ ذیل میں ہم علامہ کا وہ خط جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے نقل کرتے ہیں۔ یہ خط علامہ نے ۱۹۳۳ء میں لکھا اور خواجہ صاحب کی زیارت کے شوق کا اظہار کرنے کے بعد کہا:

Marfat.com

"ہندوستان بھر میں اور کوئی دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے لہٰذا آپ سے چند امور دریافت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ میں انگلستان میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا ہوں لہٰذا آپ مجھے چند سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمائیں۔ اول یہ کہ شیخ اکبرؒ نے تسلیم حقیقت زماں کے متعلق کیا کہا ہے اور ان کا کہا ائمہ متکلمین سے کہاں مختلف ہے۔ دوسری بات یہ کہ شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتابوں میں یہ تعلیم پائی جاتی ہے، تاکہ پہلے سوال کے جواب کی روشنی میں میں خود بھی ان کتابوں کا مطالعہ کرسکوں"۔ علامہؒ نے تیسری بات خواجہ صاحب سے یہ پوچھی کہ "صوفیائے کرام میں سے بھی اگر کسی نے حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگوں کے ارشادات کے نشان بھی بتائیں"۔

غرض خواجہ صاحب ان بزرگ ہستیوں میں سے ہے جنھوں نے نہ صرف احیاء تصوف کی کوشش کی بلکہ اپنے دور کے بہت سے عقائدِ باطلہ کی بھی تردید فرمائی۔

وفات ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو وفات پائی اور اپنے والد بزرگوار کے مزار کے پاس ہی دفن کیے گئے۔

تصنیف و تالیف خواجہ مہر علی شاہ صاحبؒ کی مندرجہ ذیل تصنیفات بھی طبع ہو کر شائع ہوئیں:
تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، الاصلاح الفصیح لاعجاز المسیح معروف بہ سیفِ چشتیائی، شمس الہدایہ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اہل بہ لغیر اللہ عجابہ (ہر دو رسالہ)۔
ان تصانیف کے علاوہ آپ کے مکتوباتِ طیبات اور ملفوظات بھی شائع ہوئے۔

Marfat.com

موج دریا بخاری رح

لاہور

مزار لاہور میں پرانی انارکلی سے باہر نابھہ روڈ پر شاہ چراغ کے مقبرے کے پاس ہی حضرت موج دریا بخاری رح کا مزار ہے، جو شہنشاہ اکبر نے آپ کی وفات سے پہلے تعمیر کر رکھا تھا۔ عالیشان قبہ میں گیارہ قبریں ہیں۔ مشرق کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ احاطہ کے باہر لوہاروں کی بھٹیاں ہیں۔ درگاہ میں بجلی بھی لگی ہوئی ہے۔

عُرس ہر سال ماہ ربیع الاوّل میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔ رات کو چراغاں کیا جاتا ہے۔ بھنڈارا ہوتا ہے۔ دن کے وقت قوالوں اور طوائفوں کے گانے ہوتے ہیں۔ قرب وجوار کے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ زائرین رات کو وہیں ٹھہرتے ہیں۔

نام ونسب حضرت موج دریاؒ کا اصل نام میراں محمد شاہ تھا۔ عرفِ عام میں آپ کو موج دریا کہتے ہیں۔ بخاری سید تھے۔ سید جلال الدین المشہور میر سُرخ کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

میراں محمد شاہ بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن جلال الدین بن سید علم الدین اوّل ابن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سرخ بخاری رح[1]

مولد آپ ریاست بہاول پور کے قصبہ اوچ شریف کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے[2]

لاہور میں کیسے آئے؟ کہا جاتا ہے شہنشاہ اکبر چتوڑ کا قلعہ فتح نہ کر سکا تو اُسے بعض لوگوں نے رائے دی کہ اوچ میں موج دریا نام جو بزرگ ہیں وہ یہاں آجائیں تو قلعہ فتح ہو جائے گا۔ اکبر فقراء کا قائل تو تھا ہی فوراً اپنے آدمی موج دریاؒ کی خدمت میں بھیج کر انھیں طلب کیا چنانچہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صـ۹۱ [2] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صـ۹۱

Marfat.com

موج دریاؒ چتوڑ پہنچے۔ ان کے جاتے ہی قلعہ فتح ہوگیا۔ جب حضرت موج دریاؒ نے اوچ واپس آنے کا ارادہ کیا تو اکبر نہ مانا اور درخواست کی کہ اسی ملک میں جہاں چاہیں رہیں۔ چنانچہ انھوں نے لاہور کو پسند کیا اور یہیں رہنے لگے۔ اکبر نے حضرت کے نام نولاکھ روپیہ کی جاگیر علاقہ پٹیالہ وغیرہ میں وقف کردی اور لاہور کے علاوہ پٹیالہ کے قریب دو اور مقامات پر جن کے نام خان فتا اور ریستا نوالہ تھے۔ لنگر جاری کر دیے گئے۔

وفات | حضرت موج دریا ۷۲ سال کی عمر میں ۱۷ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ کو خان فتا میں فوت ہوئے۔ مگر آپ کے فرزند کلاں سید صفی الدین آپ کی نعش لاہور لائے اور اکبر کے تعمیر کردہ روضے میں دفن کیا۔ خان فتا میں جہاں آپ نے وفات پائی، اس جگہ بھی ایک قبر بنی ہوئی ہے۔

اولاد | سید صفی الدین کے علاوہ آپ کے دو اور بیٹے بھی تھے جن کے نام سید شہاب الدین[1] نہرا اور سید بہاؤ الدین ہیں۔

سیّد شہاب الدین بھی ولیِ باکرامت اور اپنے وقت کے مشہور شیخ تھے۔ ان کی اولاد پٹیالہ میں تھی۔ آپ کی قبر لاہور کے قریب موضع بھوگی وال میں ہے۔ آپ نے وصیّت فرمائی تھی کہ میری قبر کو پختہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ کی قبر کچی ہے۔

---

[1] پیدائش ۹۶۴ھ۔ وفات ۱۱ ماہ ذی الحجہ ۱۰۴۱ھ

Marfat.com

ٹھکہؒ (پیر)

لاہور

پیر ٹھکہ کا نام سید جان محمد حضوری کے ضمن میں آیا ہے۔

Marfat.com

میاں میر لاہوری قادریؒ (شیخ)

لاہور

روضہ لاہور شہر سے قریباً پانچ میل کے فاصلے پر (لاہور چھاؤنی کے قریب، اس سڑک پر جو ریلوے سٹیشن سے ہوکر جاتی ہے) عہد شاہجہانی کے سب سے باثر شیخ حضرت میاں میر کا روضہ ہے۔

حضرت میاں میرؒ کی وفات کے بعد داراشکوہ نے روضہ کی تعمیر کے لیے مسالہ وغیرہ جمع کیا مگر قضا نے اُسے تعمیر کا موقعہ نہ دیا۔ بعد ازاں اورنگ زیب خود قبر پر حاضر ہوا تھا اور روضہ اُسی نے تعمیر کرایا۔ پہلے یہ روضہ ایک باغ کی شکل میں تھا بعد ازاں مہدی شاہ سجادہ نشین (متوفی ۱۰۱۹ھ) نے حضرت کے نام پر یہاں ایک گاؤں آباد کیا اور اب "میاں میر" نام سے یہاں دو گاؤں ہیں۔ ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔

روضہ کی چار دیواری میں قبریں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ ایک اچھا خاصا قبرستان بن گیا ہے۔ یہ قبریں زیادہ تر حضرت میاں میرؒ کے عزیزوں، خادموں اور سجادہ نشینوں کی ہیں انہیں قبروں میں حضرت کی دو بہنوں بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال بادی کی قبریں بھی ہیں۔ ایک قبر شاہجہان کی بیٹی اور داراشکوہ کی بہن نادرہؔ بیگم کی ہے۔ یہ قبر بارہ دری کے نام سے مشہور ہے اور حضرت میاں میر کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔

عُرس حضرت میاں میرؒ کے مزار پُرانوار پر دو میلے لگتے ہیں۔ ایک میلہ تو عرس کا ہوتا ہے، جو ۷ ربیع الاوّل کو منایا جاتا ہے آس پاس کے قصبوں کے علاوہ دوسرے شہروں کے لوگ بھی آتے ہیں۔ زائرین رات بھر قیام کرتے اور عرس کی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں۔ میلہ چراغاں کی طرح یہاں بھی راگ رنگ ہوتا ہے۔ صبح سے شام تک قوالی ہوتی ہے۔ مجرے ہوتے ہیں اور دعوتیں

لہ نادرہ بیگم نو سال کی تھی جب حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دو سال تک آپ کی خدمت کرتی رہی پھر حضرت میاں میرؒ نے انھیں اپنی خدمت گزاری سے روک دیا اور فرمایا کہ تم جوان ہوگئی ہو اس لیے اب گھر چلی جاؤ۔ مگر بارھویں سال میں قدم رکھنے سے پہلے یعنی ۱۰۴۲ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

Marfat.com

اڑائی جاتی ہیں۔

دوسرا میلہ ساون اور بھادوں کے مہینہ میں ہر بدھ کو لگتا ہے۔ اس میلے کا مقصد بھی قوالی اور تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

ہر مہینے گیارھویں پر ختم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر جمعرات کو بھی خاصی تعداد میں لوگ آتے ہیں۔

حسب و نسب | حضرت میاں میر کا اصل نام میر محمد[1] تھا۔ قاضیوں کے اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے دور میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ ۹۵۷ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام سائیں دتہ اور دادا کا نام قاضی قلندر فاروقی تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی فاطمہ تھا جو قاضی قادن کی دختر تھیں۔ حضرت میاں میر کا سلسلہ نسب آنحضرتؐ کے خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ سے ملتا ہے لہٰذا آپ فاروقی کہلاتے ہیں۔

تربیت اور ابتدائی حالات | سات برس کی عمر میں ہی شفقت پدری سے محروم ہو گئے تھے۔ خاندان میں چونکہ علم و فضل کا چرچا تھا۔ اس لیے آپ کی علمی تربیت کا بھی بہت خیال رکھا گیا چنانچہ والدہ نے آپ کو سلسلۂ قادریہ میں تعلیم و تربیت دلائی۔ سن بلوغ کو پہنچنے تک دینی علم کے کئی مراحل طے کر لیے تھے۔ والدہ بھی جلد مفارقت دے گئیں۔ چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام یہ ہیں: میاں قاضی، قاضی عثمان، قاضی محمد اور قاضی طاہر۔ بہنوں کے نام بی بی بادی اور بی بی جمال خاتون ہیں۔ بی بی جمال خاتون اپنے وقت کی ولیہ عارفہ تھیں۔

فنا فی اللہ | شروع ہی سے تنہا پسندی اور عبادت و ریاضت میں گم رہنے کی عادت تھی چنانچہ ایک وقت آیا کہ آپ نے علائق دنیا سے بالکل ہی منہ موڑ لیا اور سارا وقت عبادت و مجاہدہ میں گزارتے۔

بیعت | شیخ خضر سیستانی اس زمانے کے مشہور صوفی بزرگ تھے جو سہوان سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑ کے اوپر قیام فرماتے تھے۔ حضرت میاں میران کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے۔

طریقت | جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے آپ عبادت و ریاضت میں گم رہنے کو زیادہ پسند

---

[1] بعض شیخ محمد نام بتاتے ہیں۔

Marfat.com

کرتے تھے چنانچہ زیادہ وقت اسی عالم میں گزرتا ۔ وحدت الوجودی فلسفے سے خاص لگاؤ تھا گویا آپ قدیم طرز کے صوفی بزرگ اور بہت قابل فقیہہ تھے ۔ ہم عصروں میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا ۔

ورودِ لاہور جب آپ لاہور میں وارد ہوئے تو وہاں بھی یہی کیفیت تھی کہ تنہائی میں عبادت و ریاضت کے سوا کوئی کام نہ تھا اگرچہ لاہور میں اس وقت آپ کے پایے کا کوئی بزرگ موجود نہ تھا، تاہم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے اور خاموش زندگی بسر کرنے کی وجہ سے مدت تک کسی کو آپ کی عظمت اور مرتبے کا علم ہی نہ ہو سکا ۔ مگر چشم حقیقت بیں گوہر نایاب کو پہچان ہی لیتی ہے ۔ اہل لاہور کو جب آپ کے متعلق پتہ چلا تو ہر شخص فرطِ عقیدت سے سر جھکائے چلا آیا ۔ معتقدوں اور مریدوں کا ایک سیلاب تھا جو امڈ آیا تھا ۔

مقبولیت نہ صرف عام لوگوں میں بلکہ علمی حلقوں اور شاہی دربار میں بھی آپ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ۔ عہدِ شاہجہانی کی عام ملکی تاریخوں میں حضرت میاں میرؒ کے متعلق طویل اندراجات ملتے ہیں ۔ جہانگیر نے بھی تزکِ جہانگیری میں آپ کے متعلق کئی باتیں لکھی ہیں ۔ جہانگیر نے ان سے خط و کتابت بھی کی ۔ جہانگیر کے دو خطوط دارا شکوہ کی تصنیف "سکینۃ الاولیاء"[ل] میں بھی درج ہیں ۔

شاہجہان بھی حضرت میاں میر کا بڑا عقیدت مند تھا ۔ اس نے دوبارہ ملاقات بھی کی ۔ "بادشاہ نامہ" میں اس ملاقات کا حال بھی درج ہے ۔

شاہجہان کا بیٹا دارا شکوہ بھی حضرت میاں میر کی دل سے عزت کرتا تھا ۔ اس نے حضرت میاں میر کے روحانی ذوق و شوق کو ترقی دینے کے لیے بہت کچھ کیا ۔ اس نے "سکینۃ الاولیاء" نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضرت میاں میرؒ اور ان کے خلفاء کے حالات درج ہیں ۔ علاوہ ازیں حضرت کی کئی کرامات بیان کی ہیں ۔

ل یہ کتاب دارا شکوہ کی دوسری تصنیف ہے جو اس نے ۱۰۵۲ھ میں لکھی ۔ اس میں حضرت میاں میر رحؒ، ان کے خلیفہ ملا شاہ بدخشی اور دوسرے خلفاء کے حالات درج ہیں ۔ دارا شکوہ کی پہلی تصنیف کا نام "سفینۃ الاولیاء" ہے جس میں ۴۱۱ بزرگانِ دین کے حالات درج ہیں ۔

Marfat.com

وفات اور خلفاء حضرت میاں میرؒ نے سہ شنبہ، ۷ ربیع الاوّل ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) میں لاہور کے محلہ خان پور میں وفات پائی۔ آپ نے عمر بھر شادی نہ کی۔ اس لیے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے چند مشہور اور کامل خلفاء کے نام یہ ہیں:

شیخ نتھا خوجہ، شیخ اسماعیل، میاں حامد قادری، ملا عبدالغفور، میراں شاہ سعید، (جن کا مزار ڈیرہ بابا نانک کے قریب دھرم کوٹ کے مقام پر ہے)۔ عبدالغنی، شیخ نعمت اللہ سرہندی اور حاجی صالح۔ آپ کی ہمشیرہ بی بی جمال خاتون بھی بڑی صاحب کمال تھیں۔

ملا شاہ قادری آپ کے خلفاء میں ملا شاہ قادری زیادہ مشہور ہیں۔ دارا شکوہ نے انھیں سے بیعت کی تھی۔ ملا شاہ قادری کا اصل نام شیخ شاہ محمد تھا مگر ملا شاہ قادری کے نام سے مشہور ہوئے۔ دارا شکوہ کے بیان کے مطابق ملا شاہؒ کا وطن بدخشاں تھا۔ چھوٹی عمر میں ہی گھر سے نکل کر براستہ کشمیر آگرہ پہنچے۔ چونکہ اللہ سے لو لگانے کی خواہش تھی اس لیے میاں میرؒ کا شہرہ سُن کر لاہور آ کر اُن سے ملے۔ دس سال تک ان کی خدمت میں رہ کر بہت کچھ سیکھا۔ پھر ان سے بیعت کی۔ چند سال کی ریاضت و مجاہدہ کے بعد کاملین میں شمار ہونے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ کبھی بستر پر آرام نہ کیا۔ پیر و مرشد کی طرح خود بھی مجرد رہے۔ اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ کا دیوان بھی تھا۔ بحث مباحثے اور خطابت و تقریر میں یگانہ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تیس سال تک ان کے گھر میں چراغ نہ جلا۔ اندھیرے ہی میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک رات دارا شکوہ ان کے ہاں گیا تو مجبوراً کہیں سے چراغ منگا کر جلایا اور دارا شکوہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ شہزادے آج تمہاری بدولت ہمارے گھر میں بھی چراغ جلا۔ وعظ و نصیحت کے لیے اکثر کشمیر کے علاقوں میں جایا کرتے تھے وہیں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

Marfat.com

میاں وڈہؒ (شیخ)

لاہور

لاہور میں شالامار باغ سے جنوب کی طرف میل بھر کے فاصلے پر میاں وڈہؒ کا روضہ مرجع خلائق ہے۔ یہ روضہ درس میاں وڈا کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں ۲۵ اپریل کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

روضہ احاطے کا دروازہ شمال کی طرف ہے۔ ایک کتبہ ہے جس پر ۱۲۳۱ھ تاریخ نصب لکھی ہے۔ ساتھ ایک میدان ہے جس کے مغرب میں ایک مسجد ہے مشرق کی طرف ایک اور احاطہ ہے جس میں ایک چبوترے پر چار قبریں ہیں۔ دوسری قبر میاں وڈہ کی ہے۔ چبوترے کے شمال میں ایک پختہ بارہ دری ہے۔ مسجد سے جنوب کی طرف بھی ایک بارہ دری ہے اس کے ایک تاریک حجرے میں ایک اونچا مزار ہے یہ میاں وڈہ کے کسی بزرگ کا مزار بیان کیا جاتا ہے

حسب و نسب میاں وڈہؒ کا اصل نام حافظ محمد اسماعیلؒ والد کا نام فتح اللہ اور دادا کا نام عبداللہ خان بن سرفراز خان تھا۔ قوم کھوکھر، متوطن موضع ٹرگراں یا ترکراں علاقہ پوٹھوہار۔ آپ کے آباؤ اجداد زراعت کرتے تھے ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ والدین نے ترکِ مکان کر کے چناب کے موضع لنگر میں سکونت اختیار کر لی۔

میاں وڈہ کو ابتدائی تعلیم کے لیے اس زمانے کے عارف کامل اور متشرع بزرگ مخدوم عبدالکریم کے سپرد کیا گیا۔ میاں وڈہ نے استاد کی بہت خدمت کی، استاد نے بھی بڑی محنت سے پڑھایا اور علم ظاہری میں تاک کر دیا۔ پھر آپ نے استاد او رمرشد سے خرقہ خلافت سہروردیہ[1] حاصل کیا اور ان کی ہدایت کے مطابق خود درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا[2]۔

---

[1] میاں وڈہ کا سلسلۂ خلافت آٹھ واسطوں سے سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ مرید شیخ رکن الدین ملتانیؒ تک پہنچتا ہے۔

[2] اس جگہ اب موضع لنگے آباد ہے جو میاں وڈہ کے شاگرد محمد افضل لنگڑے کے نام پر لنگے مشہور ہوا۔

Marfat.com

تیل پورہ یا تیل واڑہ میں قیام | کچھ مدت تک آپ اسی جگہ رہے پھر محلہ تیل واڑہ یا تیل پورہ میں اُٹھ آئے اور یہاں بڑے پیمانے پر ایک مدرسہ جاری کیا اور درس و تدریس کے کام کو وسعت دی ۔ یہاں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء) میں آپ نے یہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی ۔ اورنگ زیب نے اخراجات کے لیے آپ کو سات چاہ بمعہ اراضی مزروعہ مرحمت کیے ۔

کنبہ | آپ چار بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد خلیل تھا ۔ وہ اپنے وقت کے بزرگ تھے ان کا مزار سیالکوٹ کے موضع چھین واچک میں مرجع خلائق ہے ۔ ایک بھائی ابراہیم کی قبر بھی یہیں اپنے بھائی کے پاس بیان کی جاتی ہے ۔ ایک اور بھائی کا نام محمد حسین تھا جن کی قبر خانقاہ بی بی پاکدامناں لاہور میں بتائی جاتی ہے ۔

میاں وڈہ اور ان کے باقی تینوں بھائی بھی عمر بھر مجرد رہے ۔ اس لیے ان کی کوئی اولاد نہ تھی ۔

وفات | آپ نے ۵ شوال ۱۰۸۵ھ (۱۶۷۴ء) بعمر نوے سال اورنگ زیب کے عہد میں وفات پائی ۔ خانقاہ کے جنوبی دروازے پر یہ قطعہ تاریخ تحریر ہے ؎

شنو تاریخ آں دریائے معنے ! | کہ عمرش گشت در عشق خدا صرف
دل وجاں کرد قدربانِ الٰہی | کہ اسماعیل ثانی بود بے صرف

آپ کے مزار کے قریب ایک مزار میاں جان محمد کا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں اور میاں وڈہ دونوں کو باہم فیضانِ صحبت تھا ۔ آپ کی وفات ۱۱۰۲ھ میں ہوئی ۔ آپ کے مزار پر یہ قطعہ تحریر ہے ؎

جہانِ معنی وجان محمد | کہ از عشقِ محمد گشتہ محمود !
خرد از فضل حق تاریخ سالش | وصالِ عاشق و معشوق فرمود

مسند نشینی | میاں وڈا کی وفات کے بعد محمد صالح نے آپ کا کام سنبھالا اور پچیس سال تک میاں وڈہ کی جگہ درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے ۔ محمد صالح کے متعلق صحیح علم نہیں ہو سکا کہ یہ بزرگ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے ۔ آیا انھوں نے میاں وڈہ سے کوئی درس لیا یا

Marfat.com

ان سے بیعت کی۔ اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد صالح کسی شہر میں رہتے تھے۔ انھوں نے میاں وڈہ کی شہرت سنی تو تحصیل علم کے لیے لاہور کا رُخ کیا تاکہ میاں وڈہ سے مل کر فیضان حاصل کریں کہا جاتا ہے کہ جس دن محمد صالح لاہور پہنچے، اس دن میاں وڈہ کی عجب کیفیت تھی کبھی مسجد کے اندر آتے تھے اور کبھی باہر جاتے تھے۔ بہت بے کل دکھائی دیتے تھے۔ لوگوں نے اس پریشانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ آج وہ شخص یہاں آئے گا جو میرے بعد اس تمام سلسلے کا وارث اور مالک ہوگا۔ چنانچہ تم لوگ اس کی فرماں برداری کرنا۔ محمد صالح اسی دن وہاں پہنچ گئے۔

مزار کی تاریخی حیثیت!

کہتے ہیں سنہ ۱۸۴۲ء میں گلاب سنگھ والیِ جموں و کشمیر کے بھائی راجہ سوچیت سنگھ اور لاہور کی سکھ فوجوں کے درمیان دربار میاں وڈہ کے مقام پر ایک جنگ بھی ہوئی تھی جس میں سوچیت سنگھ مارا گیا۔

نورالحسن شاہؒ (پیر)

کیلیانوالہ

اکال گڑھ (ضلع گجرانوالہ) میں کیلیاں والہ ایک مقام ہے جہاں پیر نورالحسن شاہ صاحب کا سالانہ عرس ۷-۸ ہاڑ (ماہ جون) کو منایا جاتا ہے۔ اور کثیر تعداد میں لوگ وہاں آتے ہیں۔

مقام | کیلیاں والہ جسے "حضرت کیلیاں والہ" بھی کہتے ہیں۔ اکال گڑھ[1] سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اکال گڑھ سے کیلیاں والہ تک کچی سڑک ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ یہ عرس بڑا پُرسکون ہوتا ہے۔ یہاں قوالی وغیرہ نہیں ہوتی۔ عرس کی تقریبات محض ختم قرآن اور نعت خوانی پر مشتمل ہوتی ہیں۔

آپ کے حالات مجھے نہیں مل سکے اتنا معلوم ہے کہ آپ نے شرق پور کے میاں شیر محمدؒ[2] سے بیعت کی تھی۔

---

[1] وزیر آباد سے لائل پور کی طرف جانے والی ریلوے لائن پر ایک ریلوے سٹیشن ہے۔

[2] حضرت شیر محمدؒ کے عرس کے موقعہ پر بھی قوالی نہیں ہوتی۔

Marfat.com

نور محمد مہاروی (خواجہ)

چشتیاں

پاک پٹن سے ۳۵ کوس مغرب میں مہار شریف ایک مقام ہے جس سے تین کوس جنوب کی طرف "تاج سرور"[1] نام بستی میں خواجہ نور محمد مہارویؒ[2] کا مزار زیارت گاہِ خلائق اور مرجع عوام ہے۔ یہ روضہ ایک رنگین عمارت، ایک وسیع خوش فضا میدان، حوض، کنواں، مسجد اور چند مکانات پر مشتمل ہے۔ ساتھ ایک بہت بڑی سرائے ہے جو نواب بہاول پور نے تعمیر کرائی۔

عُرس ۳ ذوالحجہ کا خواجہ صاحب کا عرس منایا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر زائرین کا ہجوم ہوتا ہے۔ خواجہ کے معتقدین اور متوسلین کثیر تعداد میں آتے ہیں۔ ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے چونکہ والیان ریاست بہاول پور خواجہ صاحب کے حلقہ سے وابستہ رہے ہیں۔ اس لیے عرس کے موقعہ پر ریاست بھی دلچسپی لیتی ہے اور انتظامات میں مدد دیتی ہے۔

پس منظر ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے دوران تصوف کو بھی فروغ ہوا، اور دو تین صدیوں کے بعد چشتیہ سلسلے نے دو تین ایسے بزرگوں کے ذریعہ رونق پائی جو یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوئے۔ ان بزرگوں میں سے ایک شیخ کلیم اللہ جہان آبادی[2] تھے جنھوں نے اپنے مولد شاہجہان آباد میں چشتیہ سلسلے کی اشاعت و تبلیغ کا کام کیا۔ ان کے جانشین شیخ نظام الدین ولی اورنگ آبادی نے اورنگ آباد (دکن) میں اپنے پیر و مرشد کے کام کو جاری رکھا پھر ان کے

---

[1] اس مقام پر بابا فرید شکر گنجؒ کے پوتے اور شیخ بدرالدین سلیمانؒ کے بیٹے تاج الدین سرور مدفون ہیں۔ چنانچہ انھیں کی نسبت سے اس جگہ کا نام "تاج سرور" رکھا گیا۔ چونکہ فریدی خانوادہ کے لوگ یہاں کثرت سے آباد ہیں اس لیے اسے "بستی چشتیاں" بھی کہا جاتا ہے۔

خواجہ مہاروی کو "تاج سرور" کے مزار سے بہت عقیدت تھی۔ آپ ہر جمعہ کو وہاں آیا کرتے تھے چنانچہ یہیں اپنی خانقاہ بھی قائم کرلی تھی۔

[2] متوفی ۱۱۴۲ھ

Marfat.com

فرزند مولانا فخر الدین[1] فخر جہاں شاہجہاں آبادی نے دہلی میں بیٹھ کر شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کی بڑے کامیاب طریقہ سے اشاعت کی۔ انھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے۔ خواجہ نور محمد مہاروی انھیں خلفاء میں سے ہیں جنھوں نے خانقاہ تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خاں) کے بانی خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور گولڑہ (ضلع راولپنڈی)، جلال پور اور چاچڑاں کے مشہور بزرگوں کو مرید کیا۔[2]

پیدائش اور حسب و نسب خواجہ صاحب کا اصل نام بابل یا بھبل تھا[3]۔ وطن بستی چوٹھالہ (جوٹالہ) ہے جو مہار شریف سے چار کوس مشرق کی طرف ہے۔ یہیں ۱۴ رمضان ۱۱۴۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

والد کا نام ہندوال یا ہندال تھا۔ جو محمود کھرل کے پڑپوتے تھے۔ والدہ محترمہ کا نام عاقل خاتون تھا۔ سلسلہ نسب نوشیروان عادل سے اس طرح ملتا ہے:

خواجہ نور محمد بن ہندال بن طاطار بن فتح بن محمود کھرل بن مُرہ بن عزیز بن ڈاتا بن دینا بن چھتر بن نالار بن اُوہر بن واسمہ بن کوٹرا بن جگ سین بن کج سین بن سرنگ بن راجپت بن دیو رائے بن گڈن شبیبہ بن مُوا بن بدھ بن بوہل بن بادہ بن کول بن کھیوہ بن رانو بن دھوبڑ بن جیل بن جج بن آہرا بن بھوٹا بن رائے دیون بن چالک بن سکنگھی بن راجہ کرن بن سورج بن مولراج بن راجہ جگ وے بن بھوٹا بن رائے دیون بن چالک بن ینسیر بن قیصر بن ہرمز بن نوشیروان عادل۔

تعلیم و تربیت خواجہ صاحب نے پہلے قرآن پاک حفظ کیا پھر مہار شریف ہی میں رہ کر عقلی اور نقلی علم سیکھے۔ بعد ازاں ڈیرہ غازی خان جا کر درسی کتابیں پڑھیں۔ پاک پٹن کے نواح میں موضع بیلا کے ایک شخص شیخ احمد کھوکھر سے بھی کچھ تعلیم پائی پھر خواجہ محکم دین کے ہمراہ لاہور آ کر تحصیل علم میں مصروف رہے۔ لاہور میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد دہلی چلے گئے اور نواب غازی الدین کے مدرستہ العلوم میں پڑھتے رہے۔

---

[1] متوفی ۱۱۹۹ھ میاں کالے صاحب جن کا بہادر شاہ ظفر مرید تھا۔ مولانا ہی کے پوتے تھے۔

[2] رود کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۴۱۹-۴۲۰

[3] یہ نام والدین نے رکھا تھا۔ بعد ازاں آپ کے مرشد بزرگوار فخر الدین فخر جہاں نے نور محمد تجویز کیا۔

[4] حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار مؤلفہ خواجہ امام بخش ص ۱۰-۱۱

Marfat.com

مولانا فخر الدین فخرِ جہاں کی شاگردی اور بیعت ان دنوں دہلی میں اورنگ آباد دکن کے مشہور بزرگ اور متبحر عالم مولانا فخر الدین فخر جہاں مقیم تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ طے کیا۔ سولہ سال تک ان کی خدمت کی اور علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔ ۱۱۶۵ھ میں جبکہ خواجہ صاحب کی عمر ۲۳ سال کی تھی، فخرِ جہاںؒ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ اقدس پر انھیں بیعت سے سرفراز کیا۔

خلافت خواجہ صاحب کو اپنے پیرو مرشد سے بہت محبت تھی۔ مولانا بھی خواجہ صاحب کو دل و جان سے چاہتے تھے اور ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خواجہ صاحب نے کامل سولہ سال تک آپ کی خدمت کی۔ چنانچہ مولانا نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ مولانا کے خلفاء یوں تو سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے مگر خواجہ صاحب کو آپ سب خلفاء سے زیادہ پسند کرتے تھے اور انھیں خلیفۂ اعظم کا درجہ دے رکھا تھا۔ اپنی کتاب "مناقب فخر" میں مولانا نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔

وطن کو واپسی عطائے خلافت کے بعد مولانا نے انھیں وطن لوٹ جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ آپ عرفانِ باطنی سے مالا مال ہو کر مہار شریف واپس آگئے۔

وطن میں مشاغل مہار شریف میں آپ کا زیادہ وقت زہد و ریاضت میں گزرنے لگا۔ تزکیۂ نفس میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ بابا فرید الدین شکر گنجؒ سے بے حد عقیدت تھی۔ ہر جمعہ کو مہار شریف سے پیدل پاک پٹن جایا کرتے تھے۔ بابا صاحب کے عرس پر بھی جاتے تھے۔ کچھ عرصہ وہاں عبادت کر کے واپس آجاتے۔ پندرہ سال تک پاک پٹن آنا جانا رہا پھر خانقاہ تاج سرورؒ[1] جانے لگے جہاں بابا صاحب کی اولاد مدفون ہے۔

خواجہ صاحب کے مریدوں کا حلقہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اپنے مریدوں کو سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولانا فخر جہاںؒ برابر آپ کی طرف توجہ فرماتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ علم و عرفان کی جو شمع انھوں نے روشن کی ہے اس کی ضیا سے پنجاب اور بہاول پور کی سرزمین یقیناً جگمگا اُٹھے گی۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ ہی وہ شمع معرفت تھے جس کے گرد پروانے جمع ہو رہے تھے اور

---

[1] یہ خانقاہ چشتیاں میں ریلوے سٹیشن کے مغرب میں واقع ہے۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہندوستان میں دوبارہ اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہوگیا تھا۔

وفات | ۳ ذالحجہ ۱۲۰۵ھ میں بعمر ۶۳ سال مہار شریف میں وفات پائی۔ اور آپ کی خواہش کے بموجب نعش مبارک موضع تاج سرور (چشتیاں) لے جائی گئی۔ وہیں آپ کا روضہ ہے۔

اولاد | خواجہ صاحب کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام نور الصمد تھا۔ جو والد کے وصال پر مسند آرائے خلافت ہوئے اور یکم ربیع الاول ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار والد کے مزار کے متصل مشرق کی طرف ہے۔

دوسرے فرزند کا نام خواجہ نور احمد تھا جنھوں نے ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی۔

تیسرے صاحبزادے کا نام خواجہ نور حسن تھا۔ وہ ۱۲۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

خلفاء | ۱۔ خواجہ صاحب کے خلفاء میں خواجہ سلیمان تونسویؒ بہت شہرت کے مالک ہیں۔ آپ بڑے باکمال بزرگ گزرے ہیں۔ جب خواجہ صاحب مولانا فخر جہاں سے خرقۂ خلافت حاصل کرکے رخصت ہونے لگے تو مولانا نے بعض نصیحتیں کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ تمھارے دامن سے ایک کوہستانی شہباز وابستہ ہوگا۔ یہ خواجہ سلیمان تونسویؒ ہی کے متعلق تھا۔ خواجہ تونسویؒ کے مفصل حالات اس کتاب میں علیحدہ بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔ خواجہ صاحب کے دوسرے مشہور خلیفہ خواجہ نور محمد ثانی عرف نارووالہ ہیں۔ آپ مولانا فخر جہاںؒ کی ہدایت پر خواجہ صاحب سے بیعت ہوئے تھے۔ بڑے باخدا ولی تھے۔ بڑے عابد اور شب بیدار تھے۔ اکثر مراقبے میں رہتے تھے۔ شرع کے بہت پابند تھے۔ ۶ جمادی الاوّل ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ روضہ مبارک ڈیرہ غازی خان کے قصبہ حاجی پورہ میں مرجع خلائق ہے۔

۳۔ خواجہ صاحب کے تیسرے خلیفہ حافظ محمد جمالؒ ملتانی ہیں، جو خواجہ صاحب کے وضو کی خدمت پر مامور تھے۔ بڑے بڑے صوفی اور متقی آپ سے علوم ظاہری اور باطنی کا درس لیا کرتے تھے۔ آپ کا روضہ ملتان میں ہے۔ آپ کے مفصل حالات بھی اسی کتاب میں الگ درج ہیں۔

۴۔ خواجہ صاحب کے چوتھے خلیفہ قاضی محمد عاقل سکنہ کوٹ مٹھن ہیں جن کے سلسلہ سے خواجہ غلام فرید تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی پنجابی کافیاں عام مقبول اور مشہور ہیں۔

قاضی صاحب بھی بڑے باکمال بزرگ تھے۔ کوٹ مٹھن میں سکونت تھی۔ آخر عمر میں کوٹ مٹھن

Marfat.com

چھوڑکر موضع شدانی چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ نواب محمد صادق والیِ بہاول پور آپ کو وہیں دفن کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے صاحبزادے احمد علی کی خواہش پر جنازہ کوٹ مٹھن لے جایا گیا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے حالات بھی اس کتاب میں الگ مذکور ہیں۔

ان مشہور خلفاء کے علاوہ خواجہ مہاروی کے اور بھی کئی خلفاء ہیں جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

غلام محمد سکنہ میراوالی	مولوی نور محمد سکنہ نواح بہاول پور
محمد غوث بچیرانہ	مولوی محمد حسین
محمد بخش چشتی	اختیار خان
اصالت خان	مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خاں
نواب لطف اللہ خان	حافظ نبی
مولوی محمد عجیب	مولوی محمد مسعود جہانگہ والہ
قاری عزیز اللہ	غلام محمد کیٹری
قاری صبغتہ اللہ	میاں محمد فاضل نیکوکارہ
حافظ ناصر	نواب غازی الدین
نور الحق	حافظ غلام حسین
عبدالوہاب اوچی	میاں غلام حسین بھٹی
مولوی تاج محمود ساکن گڑھی	شیخ جمال چشتی فیروز پوری
سید صالح محمد شاہ	مخدوم محب جہانیاں
حافظ عظمت میران شاہ	مخدوم عبدالکریم

Marfat.com

نور محمدؒ (خواجہ)

چُورا شریف

ضلع کیمبل پور میں چُورا شریف ایک مقام ہے جہاں ایک بزرگ خواجہ نور محمدؒ کا عرس ہر سال ۲۵، ۲۶ مارچ کو منایا جاتا ہے۔ خواجہ نور محمدؒ کے مرقد کے قریب ہی ان کے فرزند باوا فقیر محمدؒ مدفون ہیں، وہ بھی ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کا عرس اسی جگہ ۱۸، ۱۹ مارچ کو منعقد ہوتا ہے۔ عُرس کے موقعہ پر ختم قرآن، نعت خوانی اور بزرگوں کے حالات پر تقریریں وغیرہ ہوتی ہیں۔ دکانیں وغیرہ سجتی ہیں اور خوب گہما گہمی ہوتی ہے۔ زائرین کے کھانے پینے کا انتظام لنگر کی طرف سے ہوتا ہے۔ لوگ زمین پر سوتے ہیں۔

مقام | چُورا شریف ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں ڈاکخانہ بھی ہے۔ قریبی ریلوے سٹیشن کا نام جنڈ ہے جو گولڑا سے کوہاٹ جانے والی ریلوے لائن کا جنکشن[1] ہے۔ چُورا شریف جانے کے لیے جنڈ سے ڈیڑھ دو میل پیدل راستہ ہے۔

پیدائش | آپ کا نام نور محمد اور لقب قبلہ عالم 'دُبابا صاحب' ہے۔ اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد فیض اللہؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ علاقہ تیراہ کے ایک مقام تیزئی میں ۱۱۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ چونکہ آپ کے والد بزرگوار خواجہ محمد فیض اللہؒ خود بڑے پایے کے بزرگ تھے اس لیے اس ضمن میں ان کا مختصر تذکرہ بھی آجانا چاہیے۔

خواجہ محمد فیض اللہ | خواجہ محمد فیض اللہؒ کے والد بزرگوار کا نام خان محمد تھا، جو تیراہ کے موضع تیزئی میں پیدا ہوئے۔ کوہاٹ کے ایک موضع شادی خیل میں درس علوم دیتے تھے۔ انھوں نے بیٹے کو بھی خود تعلیم دی اور اکیس سال کی عمر میں انھیں علوم ظاہری سے فارغ کر دیا۔

حضرت خواجہ سید حافظ جمال اللہؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ زیادہ تر حضرت شاہ عیسٰی دلی کی صحبت میں رہ کر کسب کمال کیا۔ حضرت خواجہ محمد عیسٰیؒ کی زیارت کے لیے ہر سال چودہ شریف

---

[1] یہاں سے بسال ہوتے ہوئے کیمبل پور کو جاتے ہیں، اور دوسری طرف داؤد خیل کو بھی جا سکتے ہیں دریائے سندھ یہاں سے قر

Marfat.com

(ملتان) جایا کرتے تھے۔ بعد ازاں حضرت حافظ جمال اللہؒ کی زیارت کے لیے رام پور تشریف لے گئے۔ سات سال تک ان کی خدمت کی۔ وطن سے اٹھارہ سال غیر حاضر رہنے کے بعد واپس ہوئے اور یہیں زندگی کے آخری ایام گزارے۔ ۱۲۳۵ھ اور بعض اقوال کے بموجب ۱۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ مزار پُرانوار وہیں ہے۔

حضرت خواجہ نور محمدؒ حضرت خواجہ نور محمدؒ بڑے پایے کے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد جانشین ہوئے۔ آپ کے مریدوں میں خواجہ نا مدار شاہ عرف مولانا ہادی پاک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں وہ پنجاب کی ہدایت و تلقین پہ مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جتنا کام کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

چُوراشریف میں آمد! بعض وجوہ کی بنا پر خواجہ صاحب نے تیزنی کو خیر باد کہا اور موضع ڈراڈرا میں اُٹھ آئے۔ کچھ روز یہاں گزارے پھر چُوراشریف چلے آئے۔

آپ شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ حقّہ نوشی سے نفرت تھی۔ طریقہ نقشبندی مجددی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ تمام خلیفوں میں خواجہ نامدار شاہ سے زیادہ محبت تھی۔ آپ کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے صاحبزادہ حضرت فقیر محمد صاحب (جن کا مزار آپ کے مزار کے ساتھ ہے) کمالاتِ باطنی میں آپ کے وارث اور جانشین تھے۔

چُوراشریف میں آپ نے ڈیڑھ برس گزارنے کے بعد ۱۲۶۸ھ میں بعمر ۸۹ برس وفات پائی۔

Marfat.com

یُوسف گردیزیؒ (شاہ)

ملتان

مزار ملتان میں بوہڑ دروازہ کے اندر فصیل کے ساتھ ایک گلی میں فیروزی رنگ کا ایک خوبصورت روضہ ہے جس میں ملتان کے ایک باکمال بزرگ شاہ یوسف گردیزیؒ مدفون ہیں۔ مزار عام لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ ربیع الاول میں آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

ابتدائی حالات شاہ یوسفؒ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام سید ابوبکر تھا۔ بچپن ہی سے ذکر و فکر کی عادت تھی اور زیادہ وقت ریاضت میں گزرتا۔ بڑا ہونے پر سیاحت کے لیے نکلے۔ روم اور شام کے ملکوں کا سفر کیا جہاں کئی درویشوں اور عالموں سے ملاقاتیں ہوئیں

ایک واقعہ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی جنگل میں گذر ہوا، وہاں کسی جگہ لوگوں کو خوفزدہ دیکھا دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ شیر کے گرجنے کی آواز سنائی دی ہے اس لیے ہم خوف زدہ ہیں۔ جدھر سے آواز آئی تھی آپ اس طرف کو آگے بڑھے۔ شیر سامنے آیا تو آپ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ شیر نے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے اسے کان سے پکڑ کر کہا کہ آئندہ کسی راہگیر کو نہ ستانا۔ پھر وہاں سے چل دیے۔

سیاحت کے بعد آپ ملتان واپس آئے تو عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ساتھ دین اسلام کی بھی اشاعت کرتے رہے۔ آپ نے ایک وسیع لنگر جاری کیا جس میں روزانہ کئی آدمی کھانا کھاتے تھے۔

وفات ۱۲ ربیع الاول ۵۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔

Marfat.com

دُوسرا حصّہ

بھارت کے مشہور عُرس

۱ - شیخ احمد مجددؒ الف ثانیؒ

۲ - بو علی قلندر پانی پتی رح

۳ - علی احمد صابر کلیری رح

۴ - قطب الدین بختیار کاکیؒ

۵ - معین الدین چشتیؒ

۶ - نظام الدین اولیاءؒ

Marfat.com

Marfat.com

شیخ احمد مجدّد الف ثانیؒ (ابوالبرکات امام ربّانی حضرتؒ)

سرہند

عرس ابوالبرکات امام ربّانی شیخ احمد مجدّد الف ثانیؒ کا عرس ۳۱ اگست کو سرہند شریف میں بڑے زور وشور سے منایا جاتا ہے۔ جس میں پاکستان سے بھی سینکڑوں زائرین شرکت کرتے ہیں۔ آپ نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور صوفی بزرگ ہیں اور اس طریقہ میں بھی تجدید کرکے مجددیہ سلسلہ جاری کیا۔ چونکہ اس زمانے میں اسلام کی آبرو مٹ رہی تھی اور حضرت شیخ سرہندی نے تجدید اسلام کی، اس لیے آپ مجدّد الف ثانی کہلائے۔

سرہند شریف ہندوستان میں جہاں آجکل سرہند کا شہر آباد ہے یہ کسی زمانہ میں جنگل تھا اور یہاں شیر رہتے تھے، جب شہر آباد ہوا تو اس مقام کا نام "شیر ہند" رکھا گیا جو بعد ازاں "سرہند" ہو گیا[۱]۔ شیر ہند کی بنیاد فیروز شاہ تغلق نے رکھی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب فیروز شاہ تغلق پنجاب کا خزانہ لے کر دہلی جا رہا تھا تو اس مقام پر پہنچا۔ لشکر میں ایک ولی اللہ بھی تھے، انھیں کشف سے معلوم ہوا کہ یہاں ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہزار سال بعد ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو اپنے کمالات کے باعث وحید الامّت ہوگا۔ چنانچہ فیروز شاہ نے اس کی بنیاد اسی وجہ سے رکھائی۔ اس کی بنیاد حضرت امام رفیع الدین جو حضرت امام ربّانی کے اسلاف سے نہایت باورع اور ولی اللہ ہیں اور حضرت شاہ بوعلی قلندر کے ہاتھوں سے رکھی گئی۔

ولادت اور نسب حضرت مجدّد ۲۶ جون ۱۵۶۴ء ۱۴ شوال (۹۷۱ھ) کو شہنشاہ اکبر کے عہد میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مخدوم شیخ عبد الاحد حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے مرید اور بڑے صاحب نسبت اور اہل علم بزرگ تھے۔ حضرت مجدّد اپنے تین بھائیوں سے چھوٹے اور تین بھائیوں سے بڑے تھے۔ آپ کا نسب مبارک اٹھائیس واسطوں سے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اور طریقہ

---

[۱] انوار الاولیاء مرتبہ رئیس احمد جعفری ص ۵

Marfat.com

عالیہ نقشبندیہ میں آپ کی ارادت حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ طریقہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ سے وابستہ تھے۔ طریقہ عالیہ چشتیہ وسہروردیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی قدس سرہ العزیز سے ارادت تھی۔

تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع مولانا کمال کشمیری سے بعض مشکل کتابیں پڑھیں۔ حدیث میں آپ کے اُستاد مولانا یعقوب کشمیری تھے۔ بعض دوسری کتابیں عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھیں اور انھیں سے تفسیر واحدی معہ دیگر ولفات واحدی اور تفسیر بیضاوی معہ دیگر مصنفات قاضی بیضاوی اور صحیح بخاری معہ متعلقات ثلاثیات وغیرہ و ترمذی معہ شمائل اور جامع صغیر و قصیدہ بردہ اور حدیث مسلسل بالاولیت کی اجازت حاصل کی۔ غرض سترہ برس کی عمر میں علوم معقول و منقول و فروع و اصول کی تعلیم سے فارغ ہوکر سرآور علمائے روزگار اور سرآور فضلائے نامدار ہوئے اور درس و تدریس کا شغل جاری کیا۔

قیامِ اکبر آباد مدت تک طالبانِ علوم کو فیوض و برکات سے بہرہ ور کرتے رہے۔ اس کے بعد اکبر آباد تشریف لے گئے۔ جو ان دنوں مغلیہ سلطنت کا صدر مقام تھا اور ایک مدت تک وہیں سکونت رکھی۔ اس دوران میں آپ کو ابوالفضل اور فیضی سے کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا، اور بعض اختلافات کے باوجود دونوں بھائی آپ کے علم و فضل کے معترف اور مداح تھے۔ قیام اکبر آباد کے دوران آپ نے کئی رسالے عربی اور فارسی زبان میں لکھے۔ اور شاید رسالہ ردِروافض بھی اسی عہد میں تصنیف کیا۔

اکبر آباد میں آپ کو مدت گزر گئی، تو آپ کے والد بزرگوار جا کر بلالائے۔ واپسی پر تھانیسر کے رئیس شیخ سلطان احمد کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوگئی اور وطن واپس آئے جہاں آپ نے اپنا مکان بنایا۔ ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی۔

خواجہ باقی باللہ سے بیعت آپ نے اس وقت تک علوم ظاہری میں پوری دسترس حاصل کر لی تھی۔ چشتیہ طریقہ سلوک میں اپنے والد کے جانشین تھے پھر بھی استادِ کامل کی تلاش تھی چنانچہ خواجہ باقی اللہؒ کی صحبت میسر آگئی جو ان دنوں دہلی میں مقیم تھے اور سلسلہ نقشبندیہ

سے فیض جاری کر رکھا تھا۔ حضرت مجدد نے ۱۰۰۸ھ میں ان سے بیعت کر لی۔ پھر مرشد ہی کی اجازت سے سرہند میں رہ کر عبادت الٰہی اور سیر مقامات میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد آپ دو دفعہ اور مرشد کی زندگی میں دہلی آئے اور ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہے۔

۱۰۱۲ھ میں خواجہ باقی باللہؒ نے وفات پائی۔ حضرت مجدد ان دنوں لاہور میں تھے۔ آپ فوراً دہلی پہنچے اور مرشد کے مزار پُرانوار کی زیارت کی۔ اور ان کے بعد ان کے کارناموں کو وسعت دی۔ جب جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد شیخ فرید کا اثر و رسوخ بڑھا تو نقشبندیہ سلسلے کے لیے زیادہ آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ حضرت مجدد نے شیخ فرید اور دوسرے رؤسائے سلطنت کیساتھ اپنے تعلقات زیادہ گہرے کر لیے اور انھیں پُر زور خطوط لکھ کر ترویج شریعت کی تلقین کی۔ عام رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی زور شور سے شروع کر دیا۔ چونکہ زبان میں تاثیر اور قلم میں بہت طاقت تھی اس لیے ترویج شریعت میں بڑی کامیابی ہوئی اور مریدوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ آپ کے خلفاء ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں پھیل چکے تھے۔

قید زنداں آپ نے اپنا ایک پُرجوش مرید شیخ بدیع الدین جہانگیر کے لشکر میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا۔ انھیں بہت کامیابی حاصل ہوئی مگر بعد ازاں ان کی مخالفت شروع ہو گئی۔ پھر وہ آگرہ چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ حضرت مجدد کو ان کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا۔ بعد ازاں انھوں نے مرشد سے معافی مانگ لی، اور پہلے کی طرح اپنا کام جاری کر دیا۔ لیکن ان کی مخالفت اس قدر بڑھ گئی کہ حضرت مجدد کو بھی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونا پڑا۔

علماء نے جہانگیر سے شکایت کی کہ سرہند کا ایک شخص اپنے آپ کو صدیق اکبرؓ سے افضل سمجھتا ہے اور ایسے دعوے کرتا ہے جن سے کفر لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں آصف خان اور دوسرے مخالفوں نے بہت سی تہمتیں تراشیں اور جہانگیر کے کان بھرے۔ کہا کہ شیخ احمد نے مجددیت کا دعوے کیا ہے اور ہزاروں آدمی اس کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کا اثر حکومت کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جہانگیر نے حضرت مجدد کو دربار میں بلایا، اور انھیں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔

حضرت مجدد کے خلاف ایک عام شورش پیدا ہو گئی۔ ایک سال تک حضرت مجدد نظر بند

Marfat.com

رہے، پھر انھیں آزاد کر دیا گیا۔ جہانگیر نے انھیں اجازت دی کہ چاہیں تو لشکر کے ساتھ رہیں یا گھر چلے جائیں۔ آپ نے لشکر کے ساتھ رہنا پسند کیا اور لشکر میں رہ کر رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔ اس اثنا میں بادشاہ کو تلقین کرنے کا موقع بھی مل جاتا۔

آخری عمر آپ تقریباً تین چار سال تک لشکر کے ساتھ رہے۔ لشکر کے ساتھ ہی ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر بھی تشریف لے گئے جہاں آپ نے خواجہ اجمیریؒ کے مزار اقدس کی زیارت کی، دیر تک وہاں مراقبہ کیا اور بہت فیض پایا۔

اب آپ کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ جسمانی لاغری بڑھتی جا رہی تھی اور سمجھ چکے تھے کہ زندگی کے دن ختم ہونے کو ہیں چنانچہ بادشاہ سے اجازت لے کر سرہند تشریف لے گئے اور وہاں خلوت نشینی اختیار کر لی۔

ان ایام میں کئی مرتبہ آپ اپنی موت کا ذکر کرتے تھے۔ دوستوں کے نام جو خطوط لکھے ان میں اکثر کو لکھا کہ "ہم استعفے دے چکے ہیں"۔ اور بعض کو صاف صاف لکھ دیا کہ عمر ختم ہو چکی ہے، اس اثنا میں دمے کا سخت حملہ ہوا۔ مگر طبیعت پھر سنبھل گئی تاہم آپ کے دن آخری تھے۔ آپ نے ان دنوں کثرت سے خیرات کی۔ اور موت کا ذکر بڑی خوشی کے عالم میں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنکھوں میں خوشی کے آنسو لا کر ہندی کا یہ دوہا پڑھا ؎

رج ملاواں کنت سوں سکھی سب جگ دیواں وار

(آج وصال کا دن ہے اے سکھی۔ میں اس خوشی پر ساری دنیا کو قربان کر دوں)

تھوڑے ہی عرصہ بعد موت کا پیغام آن پہنچا۔ اور ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء جہانگیر کے عہد میں وفات پائی۔

مکتوبات امام ربانیؒ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رودِ کوثر میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کے دو معجزے تھے۔ ایک تو آپ کی بلند پایہ عالی قدر اولاد اور دوسرے آپ کے مکتوبات۔ ہندوستان میں تصوف کی تھوڑی کتابوں کو وہ قدر و منزلت میسر آئی جو مکتوبات امام ربانیؒ کو نصیب ہوئی۔ حضرت سرہندی کی زندگی میں ہی ان کتابوں کی نقلیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں۔ اور آج بھی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

Marfat.com

مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے۔ ان کی تین جلدیں ہیں۔ دفتر اوّل جسے دُرالمعرفت بھی کہتے ہیں ۳۱۳ خطوط پر مشتمل ہے۔ اسے خواجہ یار محمد بدخشی نے ترتیب دیا ہے۔ یہ مجموعہ سب سے مفصل ہے اور اس میں کئی رسالوں کے خطوط جمع ہیں پہلے بیس خطوط وہ ہیں جو حضرت سرہندی نے اپنے پیرومرشد خواجہ باقی باللہ کو لکھے پھر متعدد خطوط شیخ فرید اور دوسرے امرائے جہانگیری کے نام ہیں۔ جن میں انھیں تلقین کی گئی ہے کہ وہ نئے بادشاہ کے زمانے میں ترویج دین کی کوشش کریں۔ باقی خطوط میں سوالوں کے جواب ہیں یا علمی اور مذہبی مسائل کی توضیح ہے۔

چونکہ اس زمانہ میں ان کے مکتوب یازدہم پر اعتراضات شروع ہو گئے تھے (جس میں انھوں نے اپنے عروج کا ذکر کیا تھا) اس لیے اس جلد کے آخر میں کئی خطوط اپنے معترضوں کی تسکین کے لیے لکھے گئے۔ ایک چالیس صفحے کا خط اپنے مرشد زادوں کے نام ہے جس میں اہل سنت وجماعت کے عقائد بیان کیے گئے ہیں۔

دفتر دوم جس کا تاریخی نام دُرالخلائق ہے۔ ۱۰۱۹ھ میں مرتب ہوا۔ اسے خواجہ عبدالحی نے خواجہ محمد معصوم کے ایما پر جمع کیا اس میں خطوط تھوڑے ہیں فقط ستانوے، لیکن ان میں بعض بڑے طویل اور مفصل ہیں۔ ایک خط بیس صفحے سے زیادہ خواجہ محمد تقی کے نام ہے۔ جس میں اہل سنت اور شیعوں کے خیالات سے بڑی مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کی توضیح کی ہے۔ ایک پندرہ صفحے کا خط خان جہاں کے نام ہے اس میں اسلامی زمانہ کو تفصیل سے منضبط کیا ہے چند ایک خط اپنے مرشد زادوں کے متعلق ہیں۔ باقی خطوط میں بیشتر مسائل صوفیہ کی توضیح ہے۔

دفتر سوم موسوم بہ معرفت الحقائق کو خواجہ محمد ہاشم نے ۱۰۳۱ھ میں یعنی حضرت مجددؒ کی وفات سے تین سال پہلے ترتیب دیا۔ پہلے اس میں ۱۱۵ خطوط تھے۔ آخری نو خطوط بعد میں اضافہ ہوئے۔ اس مجموعہ کے بہت سے خطوط اس وقت لکھے گئے جب حضرت مجدد قلعہ گوالیار میں محبوس تھے یا لشکر شاہی کے ہمراہ رہتے تھے۔ کئی ایک خطوط مخدوم بزرگان کے نام ہیں۔ ایک خط (۱۰۹) میں اس گفتگو کا ذکر ہے جو حضرت مجدد نے ایک دفعہ جہانگیر کی مجلس میں کی تھی۔ ایک خط جہانگیر کے نام ہے، جس میں دعا کے اسرار اور علما و صلحا کی تعریف بیان کی ہے۔

Marfat.com

خلفاء حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے خلفاء بہت زیادہ ہیں اور ان کے فیض یافتگان کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے۔ ان خلفاء میں شیخ آدم بنوریؒ اور خواجہ محمد معصومؒ خاص طور پر مشہور ہیں۔
شیخ آدم بنوری پہلے شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ پھر ترک ملازمت کے بعد حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمت باطنی حاصل کی۔ قرآن مجید پڑھا اور علوم ظاہری حاصل کیے۔ پھر ایسے درجہ کو پہنچے کہ ہزاروں کی تعداد میں طلباء آپ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر درس پاتے۔ لنگر کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں افراد مفت کھانا کھاتے۔ لاکھ کے قریب مرید اور سو کے قریب آپ کے خلفاء ہیں۔ آپ کے مریدوں میں پٹھانوں کی کثرت تھی۔ ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے۔ چونکہ آپ کے ساتھ سینکڑوں افراد کا لشکر ہوتا تھا اس لیے بعض لوگوں نے شاہجہان بادشاہ سے کہا کہ شیخ کسی وقت بھی حکومت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ شاہجہان نے اپنے وزیر اعظم نواب سعداللہ خان اور عبدالحکیم سیالکوٹی کو دریافتِ حال کے لیے بھیجا۔ ان کی تحقیقات کے نتیجہ میں شاہجہان متردد ہو گیا اور شیخ کو مشورہ دیا کہ وہ حج کو چلے جائیں تاکہ بادشاہ کے خدشات دور ہو جائیں۔ شیخ نے تعمیل کی اور مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں وفات پائی۔

حضرت مجدّد کے دوسرے مشہور خلیفہ شیخ محمد معصوم ہیں جو حضرت مجدّد کے فرزند تھے۔ کہا جاتا ہے اورنگ زیب بھی آپ کا مرید تھا۔ آپ نے اپنے فرزند شیخ سیف الدین کو شاہی لشکر کی رشد و ہدایت پر مامور کر رکھا تھا۔ نواب مکرم خان گورنر لاہور بھی شیخ کا بڑا معتقد تھا۔ اور سب کچھ چھوڑ کر شیخ کی خدمت میں رہنے لگ گیا تھا۔

فارسی کا مشہور شاعر ناصر علی سرہندی بھی شیخ معصومؒ کا مرید تھا۔ اُس نے آپ کی تعریف میں کئی شعر کہے۔

شیخ معصوم اورنگ زیب کے دسویں سال ۱۰۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک سرہند میں ہے۔ یہ مزار اورنگ زیب کی بیٹی روشن آرا نے تعمیر کرایا تھا۔

Marfat.com

بُوعلی قلندر پانی پتیؒ (حضرت، شیخ)

پانی پت

پانی پت میں ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کا عُرس ۲۳ مارچ کو بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ پانی پت کا تاریخی شہر انبالہ اور دہلی کے درمیان واقع ہے اور مین لائن پر مشہور سٹیشن ہے۔ بوعلی قلندرؒ کو وصال کے بعد کرنال میں دفن کیا گیا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ ان کے عزیزوں نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لے جاکر دفن کردیا[1]۔ چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے[2]۔

نام و نسب آپ کا اصل نام شیخ شرف الدین تھا مگر بوعلی قلندر خطاب تھا اور اسی نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب امام ابوحنیفہؒ تک اس طرح پہنچتا ہے:

بوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمان بن عبدالرحیم بن محمد بن دانک بن امام اعظم ابوحنیفہؒ[3]

۶۰۵ ہجری میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر ہی میں علوم ظاہری حاصل کر لیے پھر دہلی میں قطب مینار کے قریب سکونت اختیار کرلی اور قریباً بیس سال تک یہاں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ اس زمانے میں مولانا قطب الدین، مولانا وجیہہ الدین پائلی۔ قاضی ظہور الدین بخاری، قاضی حمید الدین، مولانا فخر الدین پاٹلی دہلی کے بڑے عالم تھے اور یہ سب علمائے کرام بوعلی قلندرؒ کے علمی تبحّر اور ان کے باطنی کمالات کے معترف اور معتقد تھے۔

کچھ مدت بعد طبیعت تصوّف کی طرف ایسی مائل ہوئی کہ جذب و سکر کی حالت طاری ہوگئی۔ ریاضت و مجاہدہ میں مستغرق رہنے لگے۔ پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا اور نواحی جنگلوں

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد ا صفحہ ۳۲۸ [2] بزمِ صوفیہ صفحہ ۲۵۰ [3] سیر الاقطاب صفحہ ۱۹۰

Marfat.com

میں چلے گئے۔ پانی پت اور کرنال کے نواحی علاقوں باگھونی اور بڈھا کھیڑہ میں سکونت اختیار کی اور آخر دم تک وہیں رہے۔

خلافت آپ کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے خلیفہ تھے اور بعض آپ کو شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کا خلیفہ بتاتے ہیں۔

عظمت جس زمانہ میں بو علی قلندر پانی پت میں مقیم تھے اس زمانہ میں خواجہ شمس الدین ترک[1] بھی یہیں آکر رہنے لگے۔ خواجہ شمس الدین خواجہ علاؤ الدین صابر رح کے حکم سے یہاں چلے آئے تھے جب شمس الدین ترک پانی پت میں تشریف لائے تو اپنے خادم کے ہاتھ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ شیخ بو علی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ پیالہ دیکھ کر مسکرائے۔ اس وقت گلاب کے کچھ پھول پاس تھے ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال دیں اور فرمایا شمس الدین کے پاس واپس لے جاؤ۔ شمس الدین نے پیالے میں پنکھڑیاں دیکھیں تو مسکرا دیے اور حاضرین سے کہا کہ شیخ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجنے کا مطلب یہ تھا، میرے شیخ نے یہ علاقہ مجھے دیا ہے اور یہ مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ قلندر نے پتیاں ڈال کر دودھ واپس کیا ہے تو اس کا مطلب

---

[1] خواجہ شمس الدین ترک کا مفصل تذکرہ بو علی قلندر پانی پتی کے ضمن میں آیا ہے آپ ترکستان کے رہنے والے تھے۔ والد بزرگوار کا نام خواجہ احمد یسوی تھا، جن کا سلسلہ نسب حضرت علی سے ملتا ہے۔ خواجہ شمس الدین علوم ظاہری و باطنی حاصل کرنے کے بعد ماوراء النہر سے ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ ملتان پہنچ کر بابا فرید گنجشکر رح کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے تربیت حاصل کرنے کے بعد کلیر شریف پہنچے اور شیخ علاؤ الدین صابر کلیری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھی۔ گیارہ سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں لگے اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف رہے۔ پھر مرشد کے حکم سے پانی پت کا رخ کیا۔ مگر دہلی پہنچنے پر غیاث الدین بلبن کی فوج میں ملازم ہو گئے۔ اگرچہ خاصی دولت حاصل ہوئی مگر دنیا سے منہ موڑے رکھا اور ذکر و فکر میں لگے رہے۔ اگرچہ آپ نے اپنا حال پوشیدہ رکھا تاہم سلطان کو کسی طرح آپ کی روحانی عظمت کا علم ہو گیا چنانچہ آپ نے ملازمت ترک کر دی۔ سارا مال و اسباب فقراء کو دے دیا۔ پھر پیر و مرشد کے پاس آئے اور کچھ دن وہاں قیام کرنے کے بعد پانی پت کو چلے گئے۔

Marfat.com

یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں مجھے تمہارے علاقے سے کوئی تعلق نہیں اور میں یہاں اس طرح رہونگا جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ چنانچہ بعدازاں جب بوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انھوں نے اس کے متعلق ایسا ہی کہا۔ اس کے بعد دونوں بزرگوں میں آخر دم تک محبت قائم رہی۔

نظرِ کیمیا اثر شیخ جلال الدین محمود پانی پتی اپنے وقت کے زبردست شیخ گزرے ہیں اور یہ بوعلی قلندر ہی کی نظر کیمیا اثر کا نتیجہ تھا۔ شیخ جلال الدین ابھی کم سن ہی تھے کہ ایک روز گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے۔ بوعلی قلندر راستے میں بیٹھے تھے۔ شیخ کو دیکھ کر فرمایا "کیا گھوڑا ہے اور کیا سوار ہے"۔ شیخ جلال الدین یہ الفاظ سنتے ہی بے خود ہو گئے۔ گھوڑے سے اُتر پڑے، حالت بدل چکی تھی۔ سارے کام چھوڑ کر جنگل کی راہ لی، چالیس سال تک پھرتے رہے۔ کئی بزرگوں کی زیارت کی اور ان کی صحبت میں رہ کر کسبِ فیض کیا، پھر وطن واپس آئے اور بوعلی قلندر سے بیعت کی۔ شیخ بوعلی قلندر نے شیخ جلال الدین محمود کو شیخ شمس الدین ترک کے پاس ارادت کے لیے بھیجا، یہی بعد میں ان کے خلیفہ ہوئے۔

آپ کے زمانہ میں سلطان جلال الدین خلجی ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اُسے آپ سے بہت عقیدت تھی اور آپ کا مرید تھا۔ علاؤالدین خلجی کو بھی آپ سے عقیدت تھی۔ سلطان کو یہ علم تھا کہ بوعلی قلندر نذر و نیاز نہیں لیا کرتے تاہم اس نے ایک دن آپ کی خدمت میں نذر بھیجی، اور اس خیال سے کہ کہیں وہ واپس نہ کردیں امیر خسرو کو خواجہ نظام الدین کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اپنے پیر و مرشد سے اجازت لے کر یہ نذر پانی پت لے جائیں۔ امیر خسرو نے خواجہ صاحب سے اجازت طلب کی، خواجہ صاحب نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ قلندر جو کچھ کہیں اُسے تسلیم کرنا اور اعتراض نہ کرنا۔ امیر خسرو دہلی سے روانہ ہوئے اور تین دن کے سفر کے بعد پانی پت پہنچے۔ درگاہ پر پہنچ کر خادم کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ خواجہ نظام الدین کا بھیجا ہوا خسرو خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ بوعلی قلندر نے انھیں اندر بُلا لیا۔ جب خسرو اندر بیٹھ گئے تو شیخ قلندر نے ان سے فرمائش کی کہ کچھ سناؤ۔ امیر خسرو نے ذیل کی غزل سُنائی:

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراقِ یار نیست　　　گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

Marfat.com

عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار — زانکہ ایں انگشتہا بر دستِ من ہموار نیست
خلق را بیدار باید بود از آب چشم من — ایں عجب کاں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یکقدم بر نقش خود نہ داں دگر در کوے دوست — ہر چہ بینی دوست بیں با ایں و آنت کار نیست

چند می گوئی بزور ناز بند اے بُت پرست
بر تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنّار نیست

شیخ بو علی قلندر یہ غزل سن کر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا خسرو تم خوش رہو گے اور خوش جاؤ گے۔ پھر خسرو کو اپنی طرف سے یہ غزل سنائی:

دہیم خسرواں بر نعل اشتر است — خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید بر سر است
گفتم بہ علم و عقل بملک دگر شدم — ملکم ز عقل و دیں چو دیدم فزوں تر است
سیمرغ وار رومی نہفتم بقافِ عشق — کو عارضی کہ منظر او عرشِ اکبر است
عقلِ کل است علمِ لدنی بعارفاں — ایں عقل و علم جسمے و رسمے مختصر است

درسِ شرف نبود ز الواح ابجدی!
لوحِ جمالِ دوست مرا در برابر است!

غزل سُن کر امیر خسرو رونے لگے اور خوب روئے۔ بو علی قلندر نے پوچھا خسرو کچھ سمجھے بھی۔ بولے رونا اسی کا ہے کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ شیخ بو علی اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی بھیجی ہوئی نذر قبول کر لی۔ فرمایا اگر خواجہ نظام الدین درمیان میں نہ ہوتے تو میں کبھی یہ نذر قبول نہ کرتا۔ پھر خادموں کو ہدایت کی کہ امیر خسرو کو بڑی عزت کے ساتھ رکھیں۔ خسرو تین دن تک وہاں رہے۔ جب رخصت ہونے لگے تو شیخ نے دو خط ان کے حوالے کیے ایک خواجہ نظام الدین کے نام تھا اور ایک بادشاہ کے نام۔ بادشاہ کو لکھا:

"علاؤ الدین فوطہ دار دہلی مقرر داند کہ با بندگان خدائے تعالیٰ نیکو کند۔"

جب سلطان کے امراء کو خط کی عبارت کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ بادشاہ کو فوطہ دار کے نام سے خطاب کرنا سخت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ غنیمت ہے مجھ ذرّہ بے قدر کو فوطہ دار لکھا ہے۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے "شحنۂ دہلی" تحریر فرمایا تھا۔ اب فوطہ دار

لکھا ہے تو میں اس کے لیے شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ شاید اس رقعہ کی طرف اشارہ تھا جو شیخ بو علی قلندرؒ نے سلطان کو ملک نائب کے خلاف تحریر فرمایا تھا۔ ملک نائب نے ایک درویش کو تکلیف پہنچائی تھی۔ چنانچہ شیخ نے سلطان کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے لکھا تھا۔

"علاؤالدین شحنہ دہلی را اعلام آنکہ خواجہ سرائے ...... یکے از درویشاں را رنجانیدہ و عرش الرحمان را بلرزہ آوردہ اگر او را بر سزا رسانیدی بہتر والا بجائے تو شحنہ دیگر بدہلی نشانیدہ خواہد شد"[1]

"سلطان غیاث الدین تغلق بھی حضرت شیخ بو علی قلندرؒ کا معتقد تھا۔ ایک بار اپنے لڑکے شہزادہ جونا خان اور اپنے پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ تینوں کے لیے کھانا لائیں۔ خدام ایک پیالے میں کھانا لائے بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالہ میں کھانا شروع کیا۔ اس وقت حضرت شیخ نے فرمایا تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں یہ گویا شہزادہ جونا خان اور شہزادہ کمال الدین کے لیے بشارت تھی"[2]۔ دونوں آگے چل کر سلطان محمد تغلق اور فیروز شاہ کے نام سے ہندوستان کے بادشاہ ہوئے۔

وصال | ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ ہجری میں شیخ بو علی قلندرؒ کا وصال ہوا۔ کرنال میں مدفون ہوئے۔

اشاعتِ اسلام | پانی پت کے علاقے میں جو مسلمان راجپوت ہیں وہ حضرت بو علی قلندرؒ کے رشد و ہدایت سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایک ممتاز راجپوت امیر سنگھ ان کے ہاتھوں پہ ایمان لایا۔ اس کے خاندان سے مسلمان راجپوت پھیل کر قوت بازو بنے۔[3]

تصانیف | شیخ بو علی قلندرؒ کے نام سے ذیل کی تصانیف منسوب ہیں:

۱۔ مکتوبات بنام اختیار الدین ۲۔ حکم نامہ شرف الدین

۳۔ مثنوی کنز الاسرار ۴۔ رسالہ عشقیہ

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا لیکن خلجی امراء

---

[1] بزم صوفیہ [2] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۸

[3] دعوتِ اسلام، ترجمہ عنایت اللہ صاحب ص ۳۰۔

Marfat.com

میں بھی شاید کوئی اختیارالدین ہو۔ یہ مکتوبات غالباً اسی کے نام ہیں۔

۱۸۹۱ء (۱۳۰۹ھ) میں مطبع نامی لکھنؤ سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بوعلی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بوعلی قلندر کا ہے تو ہم اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں عشق پر بہت سے اشعار ہیں۔ مثلاً

عشق کو بے بال و پر طیراں کند ۔۔۔ عشق کو در لامکاں جولاں کند
عشق کو تا تاجِ سلطانی دہد ۔۔۔ عشق کو ملکِ سلیمانی دہد
عشق کو تا چشم دل بینا کند ۔۔۔ عشق کو تا سینہ پُر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند ۔۔۔ عشق کو تا عقل را حاصل کند
عشق کو تا جام مدہوشی دہد ۔۔۔ عشق باید تا فراموشی دہد
عشق دہ تا بے خبر سازد مرا ۔۔۔ بادہ کو بے پا و سر سازد مرا
عشق باید تا دہد جام شراب ۔۔۔ عشق سازد ساغرِ مے آفتاب

اس میں قریباً تین سو باسٹھ اشعار ہیں۔ مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے:

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن! ۔۔۔ از گلِ رعنا بگو با ما سخن!
مرحبا اے قاصدِ طیّارِ ما ۔۔۔ مے دہی ہردم خبر از یارِ ما
مرحبا اے ہدہدِ فرخندہ خال ۔۔۔ مرحبا اے طوطی شکر مقال
در زماں ہفت آسماں را طے کنی ۔۔۔ مرکبِ حرص و ہوا را پے کنی
دمبدم روشن کنی در دل چراغ ۔۔۔ ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوسِ تنم ۔۔۔ از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم
مرحبا اے رہنمائے راہ دیں ۔۔۔ از تو روشن شد مرا چشمِ یقیں
یافت قالب طینت پاکی ز تو ۔۔۔ شد پریشاں آدمِ خاکی ز تو

مرحبا اے فیض بخشِ کائنات
یافت ترکیب از وجود تو حیات

Marfat.com

Marfat.com

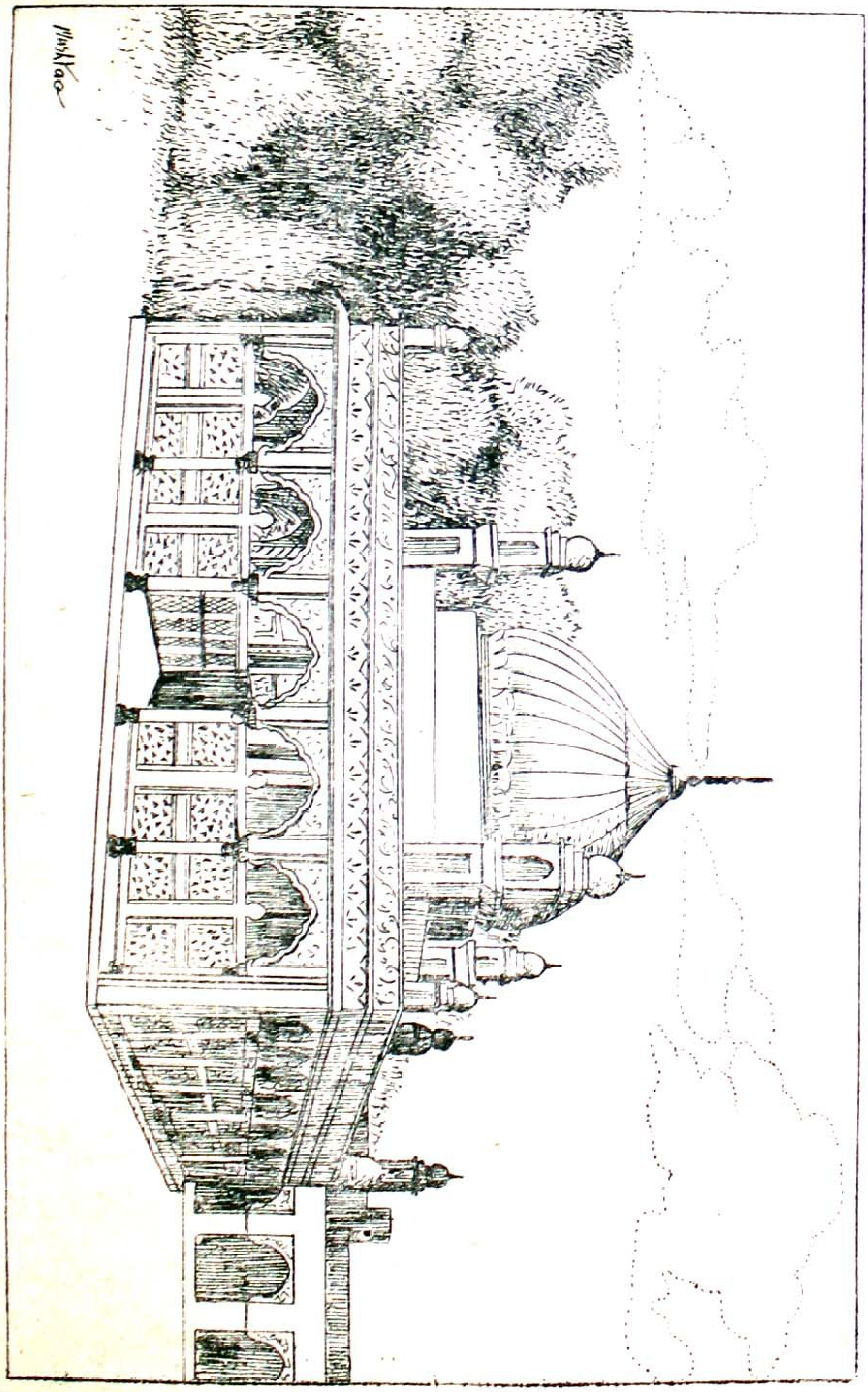

Marfat.com

علی احمد صابر کلیریؒ (حضرت شیخ علاؤ الدین)

پیران کلیر

عُرس بھارت کے ضلع سہارنپور میں پیران کلیر نام ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں حضرت شیخ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ مخدوم شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۱۳ ربیع الاوّل کو آپ کا عرس بڑی شان سے منایا جاتا ہے جس میں پاکستان سے بھی خاصی تعداد میں عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں۔ قوالی کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔

کلیر شریف پیرانِ کلیر کو کلیر شریف بھی کہتے ہیں۔ آجکل کلیر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اُس زمانے میں یہ ایک بہت مشہور شہر تھا۔ دہلی کے قریب ہونے کے باعث اس کی آبادی، شادابی، دولت مندی اور رونق میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ اگرچہ شہر بہت بڑا نہ تھا مگر بڑا بارونق اور مشہور شہر تھا۔ بڑے بڑے بازار تھے۔ بہت سی مسجدیں تھیں۔ بہت سے مسلمان امراء اور رؤسا یہاں رہتے تھے مگر ان لوگوں کا اخلاق گر چکا تھا۔

سلسلہ نسب آپ کا اصل نام علی احمد ہے لقب ہائے گرامی علاؤ الدین و مخدوم و صابر ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت غوث اعظم میراں محی الدین سید عبد القادر جیلانیؓ تک اس طرح پہنچتا ہے:

علی احمد صابر بن سید شاہ عبد الرحیم بن سیّد عبد السلام بن سید سیف الدین بن حضرت سیّد عبد الوہاب بن حضرت غوث الاعظم عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرید الملت والدین بابا شکر گنج کی ہمشیرہ ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ حضرت باباصاحب کے داماد بھی تھے۔

۱۹ ربیع الاوّل ۵۹۲ھ[۱] کو تولد ہوئے۔ آپ بچے ہی تھے کہ والد ماجد وفات پا گئے

[۱] سن ولادت کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ اخبار الصالحین میں ۱۷ شعبان ۵۱۲ لکھی ہے جو غلط ہے (ص ۲۰۲)

Marfat.com

آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر اپنے برادر معظم حضرت شیخ الشیوخ العالم بابا فریدالدین گنجشکرؒ کی خدمت میں قصبہ اجودھن میں حاضر ہوئیں۔ حضرت شیخ شیوخ العالم انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے مسلک ارادت میں داخل کرلیا۔ لنگر فقرا کی تقسیم اور مطبخ کی خدمت ان کے سپرد کردی۔ بارہ سال تک آپ بابا صاحب کی خدمت میں رہے اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل فرمائی۔

آپ اکثر اوقات تنہا رہا کرتے تھے۔ ترک و تجرید کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ آپ کا زہد و تقویٰ کمال درجہ کا تھا۔ دنیا و اہل دنیا سے بالکل لاتعلق رہتے تھے۔ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ پا برہنہ رہتے کبھی نعلین زیب پا نہیں فرمائیں۔ ذکر و جذب میں استغراق کے باعث اپنی یا غیر کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔ بہت کم ہوش میں رہتے۔

اجودھن میں اعرصہ تک یہ معمول رہا کہ کام سے فارغ ہوتے ہی حجرے میں چلے جاتے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت ایسا جذبہ طاری ہوتا اور ایسا جلال ظاہر ہوتا کہ کسی کو آپ کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوتی۔ کہا جاتا ہے کہ خود آپ کے ماموں بابا صاحب کے دولڑکے کھیلتے ہوئے حجرے کے قریب پہنچ گئے اور آپ کے نادانستہ جلال کی نذر ہو گئے۔

عطائے خلافت ۶۲۵ھ میں حضرت بابا صاحب نے آپ کو خلافت عطا کر دی اور اخبار الصالحین کے بیان کے مطابق حضرت سلطان المشائخ سے قبل آپ کو دہلی کی طرف روانہ فرمایا کہ وہاں سکونت اختیار کریں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اختیار دیا تھا کہ جس مقام پر چاہو قیام کرو۔ شیخ علی احمد صابرؒ نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو دہلی میں قیام کروں۔ یہ سن کر بابا صاحبؒ نے اجازت نامہ لکھ کر آپ کو دیا اور فرمایا کہ پہلے ہانسی جانا وہاں شیخ جمال الدین ہانسوی کو یہ مثال دکھانا اس کے بعد دہلی جانا چنانچہ آپ پہلے ہانسی تشریف لے گئے اور شیخ جمال الدین ہانسوی سے ملاقات کی جو بابا صاحب کے محبوب ترین خلیفے تھے۔ اور اجازت نامہ آپ کے ہاتھ میں دے کر اس وقت رخصت کی درخواست کی۔ شیخ جمال نے فرمایا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ دہلی کے صاحب ولایت کو بہت کچھ

Marfat.com

بردباری چاہیے۔ اور تم ہو کہ ایک ساعت بھی بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم سے یہ کام کیونکر ہوگا۔ شیخ علی احمد صابر نے غلبہ سے ایک بے نیازانہ جواب دیا۔ شیخ جمال الدین باوجود امن جمال وکمال کے جو خدائے عزوجل نے انھیں عطا فرمایا تھا۔ یہ جواب سن نہ سکے اور اجازت نامہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

شیخ علی احمد صابر جو عین مظہر جلال تھے بھلا کہاں تاب لا سکتے تھے جذبہ حال میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ میں نے تمھارا سلسلہ قطع کر دیا۔ تم سے مشائخ کا کوئی سلسلہ جاری نہ ہوگا۔ آخر وہی ہوا۔ شیخ جمال الدین کے بڑے لڑکے عالم وفاضل اور سجادگی کے لائق تھے، وہ انھیں ایام میں دیوانہ ہو گئے اور چھوٹے لڑکے جن کا نام برہان الدین تھا آخر وقت میں جب اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ جمال الدین نے انھیں مرید کر کے تلقین کرنا اور اجازت بیعت دینا چاہی لیکن زبان نے کسی طرح ساتھ نہ دیا اور گو اور باتیں کرتے رہے مگر شیخ برہان الدین کے حق میں کوئی وصیت نہ کر سکے اور شیخ برہان الدین آخرکار بابا صاحب کے مرید ہوئے اور ان کے صاحبزادے شیخ قطب الدین منور حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے۔[1]

شیخ علی احمد ہانسی سے اجودھن واپس چلے گئے اور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بابا صاحب نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جو پروانہ شیخ جمال الدین نے تلف کر دیا ہے اس کی فکر نہ کرو میں تمھیں اس سے بہتر پروانہ دے دوں گا چنانچہ ایک اور اجازت نامہ لکھ کر دیا کہ کلیر جاؤ اور وہاں رہ کر کام کرو۔ چنانچہ آپ کلیر تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

آپ قلندرانہ مشرب کے بزرگ تھے اور ظاہری رسوم کے زیادہ پابند نہ تھے لہذا بعض لوگوں کی نظروں میں آپ کھٹکنے لگے۔ پھر جب آپ کی اصل حقیقت کو جاننے والوں نے جوق در جوق آنا شروع کیا تو مخالف علما اور دوسرے لوگوں کا حسد اور بڑھا اور آپ کو آزار پہنچانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

ایک روز آپ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ جامع مسجد میں تشریف فرما

---

[1] اخبار الصالحین ص ۳۷۵-۳۷۶

تھے کہ کچھ لوگ وہاں آئے اور آپ کے قیام پر اعتراض کیا اور وہاں سے اٹھانا چاہا۔ آپ نے ہر چند انھیں سمجھایا، مگر انھوں نے سختی سے کام لیا۔ چنانچہ آپ مسجد سے نکل گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کلیر کا قاضی بھی آپ کے سخت خلاف تھا۔ آپ نے ہر چند اُسے سمجھایا مگر وہ آپ کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے لگا۔ چنانچہ آپ نے اہل علاقہ اور قاضی کے اس رویے کے متعلق بابا صاحب کو خط لکھ کر خبر کردی۔

بابا صاحب کو یہ خط پڑھ کر خواجہ صاحب کے مخالفوں پر غصہ آیا۔ چنانچہ آپ نے لکھ بھیجا کہ "کلیر تمھاری بکری ہے میں تمھیں پورا اختیار دیتا ہوں کہ خواہ تم اس بکری کا دودھ پیو یا گوشت کھاؤ۔"

اب تک آپ کا جو طریق عمل تھا اس سے صاف واضح ہو رہا تھا کہ آپ "بکری کا دودھ" ہی پینا چاہتے ہیں . . . . لیکن بکری کی سرکشی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ مجبور ہو گئے اس اجازت کے بعد ایک جمعہ کو پھر مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوئے، انھوں نے پھر آپ کو ہٹاتے ہٹاتے مسجد سے باہر نکال دیا جس کے بعد آپ کے ضبط و تحمل کا پیمانہ چھلک گیا۔ آپ مسجد سے باہر نکل کر کچھ دُور کھڑے ہو گئے۔ خطبہ سنتے رہے۔ جب خطبہ ختم ہوا تو آپ نے مسجد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے مسجد! دیکھ امام تو اپنا کام ختم کر چکا۔ خطبہ پڑھا جا چکا، لیکن تو ابھی تک کھڑی ہوئی ہے۔ تجھے کس کا انتظار ہے، تو بھی سجدہ کر۔ یہ الفاظ آپ کی زبانِ مبارک سے صادر ہونے تھے کہ مسجد دھڑام سے نیچے آ رہی اور تمام رعونت پسندانِ کلیر اور نخوت پرست امرا اس کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مسجد کی عمارت بھی بہت عالیشان، جتنے آدمی بھی مسجد کے اندر تھے سب کے سب اس کے نیچے دب کر مر گئے۔ کوئی ایک تنفس بھی اپنی جان سلامت نہ لے جا سکا۔ اتنی بھی ہمت کسی میں نہ تھی جو ان مغرور و خود پسند امرا کی لاشیں ملبہ کے نیچے سے نکال سکتا۔

اُس کے بعد آپ پر جلال و غضب کا زبردست جذبہ طاری ہوا۔ شمشیر صابری بے نیام ہو گئی جس سے لوگ پناہ مانگتے تھے مگر پناہ نہ ملتی تھی۔ تباہ وہی ہوئے تھے جو مسجد کے اندر تھے، باقی شہر تو تمام کا تمام موجود تھا جو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں، مردوں پر مشتمل تھا۔ شہر میں

Marfat.com

ایک وبائے عظیم پھیلی جس نے ہر طرف ایک قیامت برپا کر دی۔ یہ حالت ہوگئی کہ ایک ایک گھر سے ایک ایک وقت میں دس دس جنازے نکلتے تھے۔ وہ بازار مرگ گرم ہوا کہ بھرے شہر میں ایک کہرام مچ گیا۔ لاشوں کو دفنانے والا کوئی بھی نہ ملتا تھا۔ بھاگڑ پڑی ہوئی تھی جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلا، لیکن بھاگنے والوں کو کہیں پناہ نہ ملی، جو جس طرف گیا موت اس کے پیچھے گئی، کہیں کسی کو پناہ نہ ملی۔ چند روز کے اندر اندر یہی ہندوستان کا یہ دولت مند اور بارونق شہر ہُو کا میدان بن گیا، جو لوگ جہاں اور جس جگہ مرے وہیں پڑے رہ گئے [1]۔

اخبار الصالحین میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ علی احمد صابرؒ کو عالم تحیر میں ایک عرصہ گزر گیا تھا۔ بابا صاحب کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کون ہے جو میرے صابر کو عالم بیداری میں لائے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک وہاں موجود تھے عرض کیا کہ غلام حاضر ہے۔ آپ نے کہا کہ اچھا جاؤ۔ خواجہ شمس الدین ترک لحن داؤدی رکھتے تھے اور بہت شیریں آواز تھے۔ آپ نے کلیر شریف پہنچ کر حضرت شیخ کے قریب گنگنانا شروع کیا۔ پھر ایک تن لگائی۔ اس نغمہ کے اثر سے تھوڑی دیر میں حضرت چونک پڑے اور عالم تحیر سے صحو و بیداری کے عالم میں مراجعت فرمائی۔ حضرت شمس الدین ترک آداب بجا لائے۔ حضرت شیخ نے بابا صاحب اور دوسرے پیر بھائیوں کا حال دریافت فرمایا اور نوازشات فرما کر رخصت کر دیا۔ خواجہ صاحب نے گنجشکرؒ کو اطلاع دی اور انعام کے خواستگار ہوئے۔ حضرت نے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ آپ نے حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کی خدمت گزاری کی عزت طلب کی۔ حضرت نے قبول فرما کر روانہ کیا۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین ترک عرصہ تک حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کی خدمت میں رہے اور آپ ہی سے خلافت حاصل کی اور پانی پت تشریف لے جا کر وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

صاحب مرأۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ اور شیخ علی احمد صابرؒ میں باہم کمال محبت و الفت تھی۔ حضرت سلطان المشائخ سے پینتیس سال قبل تیرھویں ربیع الاول ۶۹۰ھ کو آپ نے رحلت فرمائی اور قصبہ کلیر میں دفن ہوئے جواب پیران کلیر شریف

---

[1] رسالہ "مولوی" دہلی۔ اولیا نمبر ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

Marfat.com

کے نام سے مشہور ہے اور رڑکی کے قریب واقع ہے۔

پہلے آپ کا مزارِ مبارک خام تھا لیکن حضرت عبدالقدوس گنگوہی نے پختہ مزار بنوایا اور جہانگیر کے زمانے میں مقبرہ تعمیر ہوا۔ مزارِ مبارک گنبد کے اندر واقع ہے اور دُور دراز سے خلقت آکر فیض حاصل کرتی ہے اور طالبانِ حق و مریدانِ صادق کو آپ کی روحانیت پاک سے برابر فیض پہنچتا رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ میانہ قد نحیف البدن تھے۔ کان بڑے بڑے، پیشانی بلند، ابرو کشادہ و سیاہ چشم تھی۔ گردن دراز اور سینہ کشادہ تھا۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے بعد خاندان چشت کے صرف دو سلسلے جاری ہوئے ہیں۔ ایک حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے جن کے سجادہ نشین حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی ہوئے اور دوسرا حضرت شیخ علی احمد صابر کلیریؒ سے جن کے خلیفہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی ہوئے۔ ان دونوں سے شاخیں پھوٹیں اور اتنی مہک اٹھی کہ تمام ہندوستان خوشبو سے مہک اٹھا۔[1]

خلیفہ اعظم خواجہ شمس الدین ترک[2] آپ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ ہی کے واسطے سے سلسلہ صابری چشتی جاری ہوا۔ آپ خواجہ یسوی کی اولاد سے تھے اور سلسلۂ نسب حضرت محمد حنفیہ تک پہنچتا ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے فرزند تھے۔ پہلے ترکستان میں تحصیل علم کرتے رہے۔ پھر ہندوستان آئے اور کلیر شریف پہنچے اور شیخ پانی پتی کے والہ و شیدا ہو گئے۔ ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ بہت مجاہدے کیے اور کسبِ سلوک میں ترقی حاصل کی اور ایسے کمال کو پہنچے کہ دوسروں کو صاحبِ کمال بنا دیا۔

شیخ علاؤالدین کلیریؒ کا آخری وقت آیا تو قریب بلا کر خلافت جو حضرت فریدالدین گنج شکرؒ سے ملی تھی انھیں مرحمت فرمائی اور اپنے خطِ مبارک سے لکھ کر اجازت نامہ مرحمت فرمایا۔ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد تین دن سے زیادہ یہاں نہ رہنا، بلکہ پانی پت میں جاکر

---

[1] سبار الله لحيين

[2] اس کتاب میں "بوعلی قلندر پانی پتی" کے ضمن میں فٹ نوٹ میں ان کے متعلق بعض باتیں بیان ہوئی ہیں۔

Marfat.com

سکونت اختیار کرنا۔ چنانچہ آپ نے اس پر عمل کیا۔

آپ نے خرقۂ خلافت شیخ جلال الدین پانی پتی کو عنایت فرمایا اور انھیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ خواجہ شمس الدین ترک نے ۱۹ شعبان ۷۱۵ھ کو وفات پائی۔

شیخ علی احمد صابرؒ کی وفات کے بعد تصرفات جلالی کی کثرت کے باعث آپ کے مرقد کی زیارت کے لیے کوئی شخص نہ جا سکتا تھا۔ جب حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ تمام مخلوق حضور کی نوازش وکرم کی امیدوار ہے۔ مگر برق جلالی کے خوف و دہشت سے کسی کو یہاں آنے کی طاقت نہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں نے تمہاری خاطر اپنے جلال کی شدت کم کر دی ہے اور تقاضائے جمال سے تمام خاص و عام کو یہاں کی حاضری کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ اس وقت سے خاص و عام کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ روضہ مبارک کی عمارت تعمیر کی گئی اور شہر کلیر پیران کلیر کے نام سے موسوم ہوا۔

Marfat.com

قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

دہلی

عرس جامع مسجد دہلی سے قریباً گیارہ میل کے فاصلہ پر قصبہ مہرولی میں حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کے جانشین اور بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے پیرو مرشد قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا روضہ مقدس مرجع خلائق ہے جہاں ہر سال ۱۳ ربیع الاول کو حضرت کا عرس بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ عرس کے ایام میں روضہ مقدسہ کو خوب سجایا جاتا ہے۔

زیارت گاہ قصبہ مہرولی عام طور پر قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ بہت سے اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ ان میں سب سے بڑے اور مشہور حضرت خواجہ صاحب ہیں۔ قصبہ مہرولی دہلی کی سب سے مشہور زیارت گاہ ہے۔ جہاں لوگ سیر و تفریح کے لیے بھی آتے ہیں۔ برسات کے دنوں میں لوگوں کی خاص چہل پہل ہوتی ہے۔ تاریخی عمارات میں اولیا مسجد شمسی تالاب جھل من، جھل تن، مہرولی کا جھرنا، امریاں اور گنج اور قابل ذکر ہیں۔

نام و نسب خواجہ قطب الدینؒ کا اصل نام بختیار اور قطب الدین لقب تھا۔ عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے۔ حسینی سادات میں سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت نقی الجواد بن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام[1]

تعلیم و تربیت عمر مبارک دو سال سے کم تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ محترمہ نے بڑی محنت سے تربیت کیا۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا ابو حفص سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مولانا

---

[1] سیر الاقطاب صفحہ ۱۴۳ و خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۶۹

Marfat.com

نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اور سلوک کے آداب و طریق سکھانے میں بہت محنت سے کام لیا۔ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ اوش میں تشریف لائے تو ان سے بیعت کی اور سترہ سال کی عمر میں انھیں سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کر لیا[1]

عبادت و ریاضت زہد و ریاضت کی عادت بچپن ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ خواجہ اجمیری سے بیعت کرنے کے بعد عبادت میں اور زیادہ انہماک ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ رات دن میں قریباً سو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے اور ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ شادی کی ابتدائی تین راتوں میں درود شریف کا ناغہ ہو گیا۔ چنانچہ رئیس احمد نام ایک دیندار شخص کو خواب میں رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ بختیار سے دریافت کریں کہ تین دن سے ہمیں ان کی طرف سے تحفہ (درود) نہیں پہنچا۔ جب یہ پیغام خواجہ صاحب تک پہنچا تو بے تاب ہو گئے۔ اُسی وقت بیوی کو طلاق دے کر رخصت کیا اور دنیاوی علائق سے بالکل الگ ہو گئے۔

مشائخ سے ملاقاتیں خواجہ صاحب نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا حال لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ غزنی گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے ان کی خانقاہ میں روزانہ کئی فتوحات آتیں مگر صبح کو جو کچھ آتا وہ غریبوں کو دے دلا کر شام تک ختم کر دیا جاتا۔ یہ بزرگ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے۔ بڑے صاحب نعمت بزرگ تھے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ خود فرماتے تھے کہ میں نے چالیس سال تک مجاہدہ کیا مگر کچھ نہ ہوا پھر سونا، بولنا، کھانا اور لوگوں سے ملنا کم کر دیا تو مجھے روشنی نظر آئی اور اب عرش اور حجابِ عظمت تک کی چیزیں مجھے نظر آنے لگی ہیں۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ سے فیضیاب ہونے کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے اور وہاں

---

[1] سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ جب خواجہ صاحب اوش سے بغداد گئے اور وہاں ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں فروکش ہوئے تو وہیں خواجہ اجمیریؒ سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور ان سے بیعت کر لی۔ اس موقع پر شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی موجود تھے۔

Marfat.com

متعدد بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے ہم نشین رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحدالدین کرمانی سے بھی وہیں استفادہ کیا۔ آپ اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی واقعی بہت بڑے بزرگ اور عابد و زاہد ہیں۔

خواجہ صاحب نے خواجہ ابو یوسف چشتیؒ سے بھی ملاقات کی۔ اس ملاقات کا حال بھی اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے۔

ہندوستان میں آمد

بیان کیا جاتا ہے کہ سیاحت کے دوران جب آپ بغداد میں تھے آپ کو خبر ملی کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ بھی ہندوستان چل پڑے۔ بعض لکھتے ہیں کہ آپ پیر و مرشد کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا۔

ورودِ دہلی

دہلی کے سفر میں آپ ملتان پہنچے اور یہاں کے مشہور شیخ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے ملاقات کی۔ وہ خواجہ صاحب سے بڑی شفقت سے ملے۔ اور خواجہ صاحب نے کچھ دن وہاں قیام فرمایا۔ بزمِ صوفیہ میں لکھا ہے کہ اسی اثنا میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلبگار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ انھیں کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہو گئے[1]۔ ملتان سے وہ دہلی آئے اور دہلی کے قریب پہنچے، تو سلطان شمس الدین التمش نے خدم و حشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے کیلوکھڑی میں سکونت پسند کی۔ سلطان التمش ہفتہ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا۔ آخر میں سلطان التمش نے عرض کی کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے اور ملک عین الدین مسجد میں قیام فرمایا[2]۔

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۴۹، سیر العارفین ص ۴۸

[2] سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص ۴۷، ۴۹

Marfat.com

شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی کی وفات کے بعد التمش نے حضرت قطب صاحب کو ان کی جگہ پر مامور کرنا چاہا، لیکن جب انھوں نے انکار کیا تو شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے اور برگذیدہ بزرگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کی قبولیت سے ان کے دل میں شک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

دہلی سے حضرت قطب صاحب نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاقِ قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا۔ خواجہ صاحب اپنے مہجور مرید کی آتشِ شوق بجھانے کے لیے خود دہلی تشریف لائے اور یہاں کے تمام خواص و عوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نہیں آئے تو خواجہ صاحب خود ان سے ملنے کے لیے گئے۔ انھوں نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگوں کی گرویدی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرضِ خطرہ میں آگیا ہے۔ شیخ الاسلام کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا۔ التمش نے بڑی منت و زاری کی لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی اور قطب صاحب کو لے کر روانہ ہو گئے۔

دہلی کے باشندوں نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ و بکا کرنے لگے، جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں سے لگاتے تھے خواجہ صاحب نے دہلی والوں کو قطب صاحب پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا تو ارشاد فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں رہو، تمھارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا۔ مجھ کو یہ منظور نہیں۔" چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے[۱]

مرشد کی وفات سے قبل خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر گئے اور شرف ملاقات کیا۔

قطب صاحب اور التمش

التمش کو خواجہ صاحب سے جو عقیدت تھی اس کا شاہی دربار پر بہت اچھا اثر پڑا اور ملک بھی اس اثر سے محروم نہ رہا۔ کیونکہ خواجہ صاحب

---

[۱] سیر الاولیا صفحہ ۵۴، ۵۵

بادشاہ کو اپنی رعایا، فقرا اور درویشوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے رہتے تھے التمش اس پر کاربند رہتا تھا۔ التمش خود بھی بڑا عابد و زاہد تھا۔ نماز روزے کا سختی سے پابند تھا۔ اسلام کے ارکان ہمیشہ بجا لاتا رہا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے بیشتر کام خود کرتا تھا اور نوکروں کو تکلیف نہ دیتا تھا۔ رات کو بھیس بدل کر رعایا کی تکالیف معلوم کرتا اور ان کا ازالہ کرتا۔ غربا اور حاجت مندوں کو مالی مدد دیتا۔ عدل و انصاف کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا۔ التمش کی اس نیک نفسی کے باعث لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ خواجہ صاحب اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ "ایک رات بادشاہ میرے پاس آیا اور میرے پاؤں پکڑ لیے۔ میں نے پوچھا مجھے کب تک تکلیف دیتے رہو گے جو ضرورت ہو بیان کرو۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے مجھے بادشاہی دی ہے لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب مانگا جائیگا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں۔ وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی۔[1]

استغنا اور صبر و تحمل بادشاہ کی اس قدر ارادت کے باوجود خواجہ صاحب کے گھر میں ہمیشہ فقر و فاقہ ہی ہوتا۔ آپ کی حرم محترم بھی عسرت سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ بعض اوقات پڑوسیوں سے قرض لے کر گزارا کرنا پڑتا۔ اس ناداری پر بھی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ لنگر میں آتا فوراً دوسروں میں تقسیم کر دیتے۔

ایک مرتبہ شاہی حاجب اختیار الدین ایبک خدمت میں آیا اور کچھ گاؤں آپ کے لیے وقف کرنے کی خواہش ظاہر کی، مگر آپ نے اُسے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ التمش کے وزیر نے بھی ایک مرتبہ اسی قسم کی خواہش کا اظہار کیا مگر آپ نے فرمایا ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیے ہوتے تو ہم بھی قبول کر لیتے۔ اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے دن اپنے خواجگاں کو کیا منہ دکھائیں گے۔

سماع آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی۔ اکثر سماع کی مجلسیں منعقد کرایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری کے یہاں ایسی مجلسیں منعقد کراتے۔ ایک روز سماع کی ایک

---

[1] فوائد السالکین صہ ۲۹

Marfat.com

مجلس میں یہ شعر پڑھا گیا ؎

سرودِ محرم عشقت و عشق محرم اوست ۔ سرود چیست کہ چندیں فسونِ عشق دروست

خواجہ صاحب پر اس شعر نے عجب کیفیت پیدا کر دی۔ سات دن رات تک بیہوش رہے۔ نماز کے وقت ہوش آجاتا اور نماز ادا کرنے کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ سماع ہی باعث وصال ہوا۔

وفات وصال کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع منعقد تھی۔ خواجہ صاحب اس میں موجود تھے۔ قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ سنایا جب یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ! ۔ ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

خواجہ صاحب پر یہ شعر سنتے ہی وجد طاری ہو گیا۔ اور تڑپنے لگے۔ اسی حالت میں شیخ حمید الدین ناگوری اور مولانا بدرالدین غزنوی انھیں گھر تک لے گئے۔ تین دن اور تین رات وجد کی حالت طاری رہی نماز کے وقت ہوش آجاتا تو وضو کر کے نماز ادا کرتے پھر اسی عالم میں چلے جاتے۔ یہاں تک کہ وفات پا گئے۔

وفات کے وقت سر مبارک خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کے زانو پر تھا اور پاؤں شیخ بدرالدین غزنوی کی آغوش میں۔ سلطان التمش نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وفات سے کچھ دن قبل عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک مقام پر ٹھہر گئے فرمایا یہاں سے عشق کی بُو آتی ہے۔ چنانچہ وہ زمین آپ نے خرید لی۔ خطۂ زمین پر آپ کا روضہ مقدس تعمیر ہوا۔

تصانیف آپ کی طرف دو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں۔ ایک دیوان ہے اور دوسری کتاب کا نام فوائد السالکین۔ مؤخر الذکر کتاب میں آپ کی سات مجلسوں کے ملفوظات ہیں جنھیں حضرت خواجہ فریدالدین گنجشکرؒ نے جمع کیا ہے اور اس میں سالک کے لیے تمام ضروری باتیں درج ہیں

اس کتاب سے آپ کی جن تعلیمات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہیں کہ سالک کو پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے بلکہ صرف عبادت کی قوت قائم رکھنے کے لیے ضرورت کے مطابق کھانا چاہیے۔ دکھاوے کے لیے لباس پہننے والا راہِ سلوک کا رہزن ہے۔ کم بولنا، کم سونا، آلائش دنیوی سے پاک رہنا ہر سالک

Marfat.com

کے لیے لازم ہے۔ پھر فرماتے ہیں سالک کو ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہنا چاہیے۔ سکر میں اس کی حالت ایسی ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں تو اسے خبر نہ ہو، جو کچھ دوست کی جانب سے ملے اُسے نعمت غیر مترقبہ جان کر لے لینا چاہیے۔

خواجہ صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اسرار الٰہی پوشیدہ رکھے جائیں فرمایا راہِ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیے، تاکہ اسرار فاش نہ ہونے پائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں مدت تک اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں رہا مگر کبھی اسرار الٰہی فاش نہیں ہونے دیے۔ یہ بھی فرمایا کہ سالک کے لیے شریعت کی پابندی از بس ضروری ہے خواہ وہ سکر یا کسی بھی حالت میں ہو۔

خلفاء آپ کے خلفاء بہت سے ہیں جو مختلف مقامات پر رشد و ہدایت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں کی مذہبی اور اخلاقی حالت کو سدھارنے کا کارِ عظیم انجام دیا۔ حضرت جلال الدین تبریزی نے بنگال میں رہ کر بہت سے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ مسجد تعمیر کرائی، اور خانقاہ قائم کر کے وسیع پیمانے پر اسلام کی نشر و اشاعت کی۔ خلفاء کے نام یہ ہیں:

شیخ فرید الدین گنج شکرؒ (پاک پٹن)	شیخ نجم الدین قلندر
شیخ بدر الدین غزنوی (دہلی)	شیخ سعد الدین
شیخ برہان الدین بلخی	شیخ محمود بہارمی
شیخ ضیاء الدین رومی (دہلی)	مولانا محمد جاجرمی
شمس الدین التمش (دہلی)	سلطان نصیر الدین غازی
شیخ بابا سنجری بحر دریا (دہلی)	قاضی حمید الدین ناگوری (دہلی)
مولانا فخر الدین صوائی	مولانا شیخ محمد
شیخ احمد تمامی	شیخ صوفی بدھن
شیخ حسین	شیخ جلال الدین ابو القاسم تبریزی
شیخ فیروز	شیخ نظام الدین ابو المؤید (دہلی)
شیخ بدر الدین موتاب، (دہلی)	شیخ تاج الدین منور اوشی
شاہ خضر قلندر	مولانا سنید

Marfat.com

قاضی حمید الدین ناگوری

خواجہ صاحب نے اپنے ملفوظات "فوائد السالکین" میں حضرت حمید الدین ناگوری کو اپنے "یارِ غار" کے نام سے یاد کیا ہے۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ حضرت حمید الدین خواجہ صاحب کے استاد تھے اور خواجہ صاحب نے انھیں سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی تھی۔

حضرت حمید الدین ناگوری کا اصل نام محمد تھا۔ آپ نے پہلے شہاب الدین سہروردی سے شرف بیعت کیا۔ پھر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے گہرے مراسم ہو گئے اور کئی سفروں میں ان کے ساتھ رہے۔ خواجہ صاحب کی اجازت سے مدینہ منورہ گئے۔ وہاں سال سے زیادہ عرصہ تک روضہ نبوی کے مجاور رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ گئے تین سال تک وہاں رہے۔ پھر التمش کے زمانہ میں دہلی آئے اور خواجہ صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔ وفات کے بعد خواجہ صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

معین الدین چشتی اجمیریؒ (معین الملت والدین حضرت خواجہ)

اجمیر شریف

عرس اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الملت والدین معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس رجب کے مہینے میں بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے جس میں برِ عظیم پاکستان وہند کے علاوہ دوسرے ملکوں سے بھی خواجہ صاحب کے عقیدت مند شرکت کے لیے آتے ہیں۔ برِ عظیم پاکستان وہند میں خواجہ اجمیری کا عرس سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ عرس کے موقعہ پر شہر کی رونق خاص طور پر قابل دید ہوتی ہے۔ آستانہ عالیہ کے آس پاس یوں معلوم ہوتا ہے جیسے شہر آباد ہو گیا ہے۔ عرس کے دنوں میں قوالی کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔

اجمیر اجمیر ہندوستان کا نہایت قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ پرتھوی راج کے عہد میں اجمیر نے خاص رونق پائی۔ راجہ جے پال نے یہاں قلعہ تارا گڑھ تعمیر کیا۔ جو سنگِ سرخ سے بنایا گیا۔ آجکل اس قلعہ کے کھنڈر باقی ہیں۔ شہاب الدین غوری کے زمانہ میں اجمیر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور پایۂ تخت دہلی کا صوبہ بنا دیا گیا۔

روضہ اور دیگر عمارات درگاہ خواجہ کی پہلی عمارت خواجہ اجمیریؒ کا روضہ ہے جو خواجہ حسین ناگوریؒ نے غیاث الدین خلجی کے عہد میں بنوایا۔ روضہ کی تعمیر ۹۳۹ھ میں مکمل ہوئی۔ روضہ کی غربی دیوار میں سنگِ مرمر کی جالی پر یہ تاریخ کندہ ہے:

از پئے تاریخ نقشِ گنبدِ خواجہ معیں ۔۔۔ گفت ہاتف گو معظم قبلہ عرشِ بریں

گنبد کے اوپر نقاشی کی گئی ہے اور چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سنہری کلسیاں لگی ہیں۔ اندر لاجوردی اور سنہرا کام کیا گیا ہے۔ چھت میں کاشانی مخمل کی چھت گیری لگی ہے جس کے چاروں طرف سنہری قمقمے آویزاں ہیں۔

مزار مبارک بیش قیمت سنگِ مرمر کا بنا ہے۔ درگاہ شریف کے تین احاطے ہیں پہلے احاطہ میں نقار خانہ عثمانی، نقار خانہ شاہجہانی اور اکبری مسجد واقع ہے۔

Marfat.com

دوسرے احاطہ میں بلند دروازہ (معہ دیگہائے کلاں وخورد)، محفل خانہ، حوض شاہی (معہ یادگار ملکہ میری) اور حجرے واقع ہیں۔ تیسرے احاطہ میں مسجد صندل خانہ، روضہ منورہ معہ بیگمی دالان اور بہشتی دروازہ وحجرہ حور النساء بیگم وچلہ شیخ فریدالدین شکر گنج و بی بی حافظ جمال اولیاء مسجد، جامع مسجد شاہجہانی، کرناٹکی دالان، مزار نظام سقہ، لنگر خانہ، جھالرا، احاطہ چار یار، مزار خواجہ حسین اجمیری، خانقاہ اور مقبرہ شاہ قلی خان۔

نقار خانہ عثمانی میر عثمان علی خاں والیٔ دکن نے تعمیر کرایا۔ نقار خانہ شاہجہانی ۱۰۴۷ھ میں شاہجہان نے تعمیر کرایا۔ اس کا دروازہ سُرخ رنگ کا ہے اندر اور باہر سنگ مرمر کا فرش ہے۔ اس میں مقررہ اوقات پر نوبت بجتی ہے۔

مغرب کی طرف ایک اونچی کرسی پر اکبری مسجد ہے جو ۹۷۸ میں اکبر نے بنوائی۔ یہ سنگِ سُرخ سے بنی ہوئی ہے۔ دونوں طرف سنگ مرمر کے مینار ہیں۔ صحن میں حوض ہے۔

بلند دروازہ کے قریب مغرب میں دیگ کلاں نصب ہے۔ اکبر نے چتوڑ فتح کرنے کے بعد ۹۷۶ھ میں آستانہ عالیہ پر حاضری دی اور ایک مانی ہوئی منت کے مطابق یہ دیگ نصب کرائی، جس کا محیط اور پیٹا قریباً ساڑھے تیرہ گز ہے۔ اس دیگ میں سو من چاول پکائے جاسکتے ہیں۔

ایک دیگ اور ہے جو دیگ خورد کہلاتی ہے یہ ۱۰۲۲ھ میں جہانگیر نے نصب کرائی اس میں قریباً ساٹھ من کھانا تیار ہو سکتا ہے۔

محفل خانہ یا سماع خانہ ۱۸۹۱ء میں تعمیر ہوا۔ یہ چھیالیس فٹ مربع کا وسیع ہال ہے جس کے چاروں طرف چودہ فٹ چوڑی غلام گردش ہے۔ عرس کے دنوں میں یہاں محفلِ سماع منعقد ہوتی ہے۔

مسجد صندل خانہ کے نیچے بابا فرید شکر گنج[2] کا حجرہ ہے۔ جس میں دُور دُور تک تہ خانے بنے ہیں۔ خواجہ صاحب کے مزار کا بھی راستہ ہے۔ حجرے کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔ صرف ۵ محرم کو کھولا جاتا ہے۔

نام ونسب خواجہ معین الملت والدین سبستان یا سجستان میں پیدا ہوئے چنانچہ آپکو

سنجری بھی کہتے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام جعفر بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تعلیم بارہ برس کی عمر میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ ترکہ میں ایک باغ اور چکی ملی۔ اسی کو روزی کا ذریعہ بنایا۔ اس اثنا میں ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر آپ کے منہ میں رکھا۔ جس کی تاثیر سے زندگی ہی بدل گئی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ طلب خدا میں چل کھڑے ہوئے۔ سمرقند پہنچے، کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

بیعت سمرقند سے عراق کا رخ کیا۔ نیشاپور کے حدود میں ایک قصبہ ہارون سے گزر ہوا، جہاں ان دنوں شیخ عثمان ہارونی سکونت رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب نے ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ پیرو مرشد نے کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص مرحمت فرمایا اور ان کی صحبت میں رہ کر خواجہ صاحب نے چند دنوں میں انوار الٰہی سے اپنے قلب کو منور کیا۔

شجرۂ طریقت خواجہ صاحب کا شجرۂ طریقت یہ ہے:

خواجہ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندانی، خواجہ محمد مودود چشتی، خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابو احمد چشتی، خواجہ ابو اسحاق شامی حسنی سالار چشتیاں، خواجہ ممشاد علو دنیوری، شیخ امین الدین، خواجہ ہبیرۃ البصری، خواجہ سرید الدین حذیفہ مرعشی، حضرت ابراہیم ادہم، شیخ ابو الفیض فضیل بن عیاض، شیخ ابو الفضل عبدالواحد بن زید، شیخ حسن بصریؒ، حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب۔

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے۔ اسی لیے چشتی کہلائے اور ان کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا۔

خواجہ صاحب اڑھائی سال تک پیرو مرشد کی خدمت میں رہے اور بہت ریاضت و

Marfat.com

مجاہدہ کیا۔ بعض بیانات کے بموجب آپ نے بیس سال تک پیر و مرشد کی خدمت کی اور انھیں کے ساتھ سیاحت بھی کی۔ سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری اشیاء اٹھائے پھرتے تھے۔

سیاحت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ہمراہ آپ سیوستان گئے پھر خواجہ بہاؤالدین اوشیؒ سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا۔ خواجہ بہاؤالدین نے خواجہ صاحب کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ مرشد کے ہمراہ خواجہ صاحب مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ بھی گئے اور پیر و مرشد نے ان کے لیے وہاں دعا بھی کی۔ مدینہ منوّرہ ہی میں خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کا حکم ملا۔

مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد خواجہ صاحب بغداد آئے پھر سنجان پہنچکر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں اڑھائی سال گزارے، پھر محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے شرفِ نیاز حاصل کیا اور انھیں کے ہمراہ بغداد آئے۔ جہاں شیخ شہاب الدینؒ سہروردی اور شیخ ضیاء الدینؒ کی صحبت میسّر آئی۔ یہیں اوحدالدین کرمانیؒ سے ملاقات ہوئی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

بغداد سے ہمدان تشریف لائے اور خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی پھر تبریز پہنچے اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پیر و مرشد ابو سعید تبریزیؒ کی زیارت کی اور ان کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ وہاں سے اصفہان آئے اور شیخ محمود اصفہانی سے کسبِ فیض کیا۔ بعد ازاں ہندوستان کا رخ کیا۔

ہند میں آمد جب خواجہ صاحب ہندوستان آئے اس وقت حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخشؒ وفات پا چکے تھے۔ خواجہ صاحب ان کے مزار پر حاضر ہوئے اور چلّہ کیا۔ یہاں سے آپ ملتان تشریف لے گئے وہاں پانچ سال تک رہے اور سنسکرت اور پراکرت زبانیں سیکھیں پھر دہلی سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف گئے۔ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے۔

اس زمانے میں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا اجمیر اور دہلی کا حکمران تھا۔ رائے پتھورا تاریخ میں پرتھوی راج کے نام سے مشہور ہے۔ راجہ کے آدمیوں نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی خود راجہ بھی خواجہ صاحب سے اچھی طرح پیش نہ آیا۔ بالآخر خواجہ صاحب کی تعلیم سے وہ لوگ متاثر ہونے لگے۔ راجہ کے کئی ملازم خواجہ صاحب کے ہاتھ پر

Marfat.com

مسلمان ہو گئے۔

۵۸۷ اور ۵۸۸ ہجری میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر دو حملے کیے۔ دوسرے حملہ میں رائے پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے باعث خواجہ صاحب کے فیوض و برکات کو پھیلنے کا اچھا ذریعہ مل گیا اور غیر مسلم جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

شادی اور اولاد قیام اجمیر کے دوران خواجہ صاحب نے دو شادیاں کیں۔ ایک سید وجیہہ الدین مشہدی (حاکم اجمیر) کی دختر عصمت اللہ بی بی سے اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی سے جو مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں اور جن کا نام بی بی امۃ اللہ رکھا گیا۔

خواجہ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے حضرت سید فخر الدین، سید ضیاء الدین ابوسعید اور سید حسام الدین تھے۔ اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظ جمال عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

وصال خواجہ صاحب نے ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔ سیر العارفین کے بیان کے مطابق عمر مبارک ستانوے برس کی تھی۔ سفینۃ الاولیا میں عمر ۱۰۴ برس، اور مونس الارواح میں ۱۰۰ برس لکھی ہے۔

خواجہ صاحب کو رسول اکرم سے بے حد محبت تھی۔ اپنے ملفوظات میں آنحضرتؐ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ رات کو بہت کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے۔ طبیعت میں عفو کی صفت بہت زیادہ تھی۔ ہمیشہ دشمن کے ساتھ بھی نیکی کرتے۔ اپنے خلفاء اور مریدین سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ خانہ کعبہ میں دعا فرمائی تھی کہ قیامت تک خانوادہ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔

آپ کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا ملتا اس کا پیوند لگا لیتے۔ غذا بہت کم کھاتے۔ ریاضت کے ابتدائی دنوں میں مسلسل سات سات دن تک روزہ رکھا۔ صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے۔

Marfat.com

سماع | سماع سے بہت رغبت تھی۔ سماع کے موقعہ پر ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہوجاتی۔ ایک مرتبہ سماع سننے سے یہ حالت ہوگئی کہ کئی دن تک بے ہوش رہے۔ آپ کی محفل سماع میں ذیل کے مشائخ و بزرگانِ کرام بھی شریک ہوا کرتے تھے:

شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محمد کرمانی، شیخ محمد صفاہانی مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتی، مولانا بہاؤالدین بخاری، مولانا محمد بغدادی، خواجہ اجل سنجری، شیخ سیف الدین ماجوزی، شیخ احمد بن محمد اصفہانی شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ احمد واحد، شیخ برہان الدین غزنوی، خواجہ سلیمان، خواجہ عبدالرحمان وغیرہ۔

رتبہ | ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ ان کے فیوض و برکات اور خوارق و کرامات عام طور سے بہت مشہور ہیں اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کے لیے پاکستان و ہند کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

سلطان شمس الدین التمش کو خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ اور مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے بھی خواجہ صاحب کے مزار پر حاضری دی۔ خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ایک مسجد ہے جو صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد اسی بادشاہ نے بنوائی تھی۔ بعض دوسری عمارتیں بھی اسی نے تعمیر کرائیں۔ شہنشاہ اکبر آگرہ سے اجمیر شریف تک پیدل گیا اور راستے میں اشرفیاں لٹاتا ہوا مزار مبارک پر پہنچا۔ اکبر نے بھی وہاں ایک مسجد اور بعض دوسری عمارتیں تعمیر کرائیں۔ جہانگیر بھی اپنے آٹھویں سال جلوس میں اجمیر شریف گیا۔ ۱۰۲۵ھ میں جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپے خرچ کر کے مزار مبارک کے گرد ایک طلائی محجر تیار کرایا، جو اب موجود نہیں۔ شاجہان نے بھی کئی مرتبہ مزار مبارک پر حاضری دی۔ روضہ کے پاس سنگ مرمر کی مسجد اُس نے بنائی۔ شاجہان کی بیٹی جہاں آرا کو بھی خواجہ صاحب سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ اس نے خواجگان چشت پر ایک کتاب مونس الارواح لکھی۔ وہ بھی شاجہان کے ساتھ اجمیر گئی تھی۔

تصانیف | خواجہ صاحب نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ مگر ان کے نام سے کئی تصانیف منسوب ہیں مثلاً رسالہ در کسب نفس۔ رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوان معین وغیرہ۔

Marfat.com

خلفاء | خواجہ صاحب کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی (دہلی)، خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند حضرت خواجہ (قصبہ سرداد)، شیخ حمید الدین ناگوری (دہلی) شیخ وجیہ الدین، شیخ حمید الدین صوفی (ناگور)، خواجہ برہان الدین، شیخ محسن، شیخ احمد، شیخ شمس الدین۔ خواجہ سلیمان غازی، خواجہ حسن خیال، جے پال جوگی المعروف بہ عبداللہ (اجمیر)، شیخ صدر الدین کرمانی، بی بی حافظ جمال صبیہ سعیدہ حضرت خواجہ (اجمیر)، شیخ محمد ترک نارنولی (دہلی)، شیخ علی سنجری، خواجہ یادگار سبزواری، خواجہ عبداللہ بیابانی، شیخ متا، شیخ وحید برادر شیخ احمد، شیخ مسعود غازی (اجمیر) (یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں)[1]

ان بزرگانِ دین نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر شمع رشد و ہدایت روشن کی اور اشاعتِ اسلام کے لیے نمایاں کام کیے اور یہ حقیقت ہے کہ کفر زار ہند میں اسلام کی شمع حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہی نے روشن کی اور ان کے بعد ان خلفائے کرام نے اس شمع کو جلائے رکھا۔

---

[1] بزم صوفیہ

Marfat.com

Marfat.com

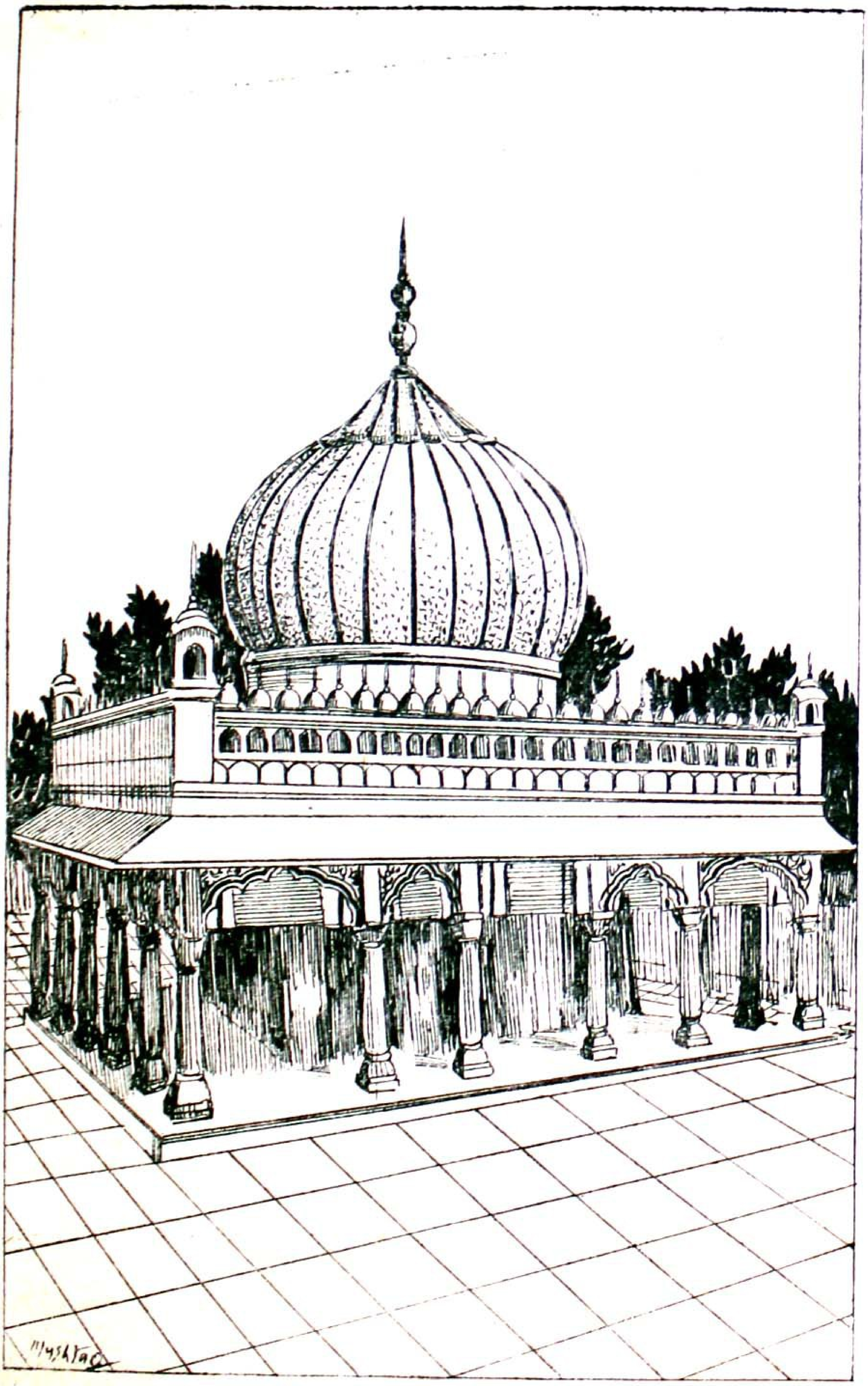

Marfat.com

نظام الدین اولیاءؒ (سلطان المشائخ، حضرت خواجہ)

دہلی

عرس دہلی میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ جہاں ہر سال ۲۹ اکتوبر کو حضرت کا عرس بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔

درگاہ شریف کی کیفیت حضرت محبوب الٰہی کا آستانہ مبارک خاصا وسیع و عریض ہے۔ آس پاس دُور دُور تک بہت سی قبریں ہیں، جن میں سے بعض قبریں نامور اور تاریخی ہستیوں کی بھی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت سے یہ عام عقیدہ پایا جاتا تھا کہ خواجہ صاحب کے پڑوس میں دفن ہونے والوں کو نجات حاصل ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب کے مزار کے مشرق میں نصف میل کے فاصلے پر دریائے جمنا کے کنارے شہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ ہے۔ خواجہ صاحب کی خانقاہ اس مقبرہ کے شمالی گوشہ میں ہے خانقاہ کے غرب میں سید شمس الدین اوتاد اللہ کا مزار ہے۔ اس خانقاہ پر منت ماننے والے چاندی کے پتر چڑھاتے ہیں۔ قریب ہی جنوب مغرب میں عرب سرائے ہے جو اب ویران ہو چکی ہے۔ سرائے کے شمال مغربی گوشہ میں حلیمہ کا باغ اور مسجد ہے۔ یہاں شیر شاہ سوری کے ایک امیر عیسیٰ خاں کی قبر ہے۔ مغرب میں دہلی سے متھرا کو جانے والی سڑک ہے، جس کے کنارے اکبر کے مشہور امیر عبدالرحیم خان خاناں کا مقبرہ ہے۔

جنوب میں لوہارو خاندان کی قبریں ہیں۔ انھیں قبروں میں مرزا غالب کی قبر بھی ہے۔ بری کے گنبد کے مغرب میں سید شمس الدین خان انکہ کا مقبرہ ہے، جو سنگ مرمر سے بنا ہے، اس مقبرے کے غرب میں حافظ خواجہ سید موسیٰ کا مزار ہے، جو درگاہ کی جالیوں سے ملا ہوا ہے۔ اس مزار کے مشرق میں احمد ایاز خواجہ جہاں کی تعمیر کردہ چوبرجی ہے اور جالیوں کے مغرب میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ صاحب کا مزار ہے۔ مزار کے شمال مشرقی گوشہ میں مرادوں کا پیالہ ہے، جو سنگ مرمر کا بنا ہے، اس میں گیارہ من دودھ آتا ہے۔ پیالے کے شمال میں

Marfat.com

عالمگیری عہد کے امیر نواب اعتقاد خان کا مزار ہے۔

قریب درگاہ مالن کا دروازہ ہے۔ اس کے سامنے چبوترے پر امرائے دہلی کے مزارات ہیں۔ دروازے کے غرب میں سنگ مرمر کا چبوترہ ہے جس پر محمد شاہ کی اولاد کی قبریں ہیں۔ شمال میں اورنگ زیب کا تعمیر کردہ سماع خانہ ہے۔ سماع خانہ کے مغرب میں بعض امرا کے مزارات ہیں۔

قریب ہی علاؤالدین خلجی کے بیٹے خضر خاں کی تعمیر کردہ مسجد ہے۔ اس مسجد میں خواجہ صاحب کے زمانے کا وہ چراغ دان موجود ہے جس میں آج تک اولاد کے لیے مرادیں مانگنے والے لوگ چراغ جلاتے ہیں۔ قریب ہی خواجہ صاحب کے مرید و خلیفہ خواجہ سالار حسن بن کا مزار ہے یہ وہی خلیفہ ہیں جنھوں نے چین میں نظامیہ سلسلے کو فروغ دیا۔

خضر خاں کی مسجد کے قریب شاہجہان کی بیٹی جہاں آرا کا مقبرہ ہے، اس سے مشرق میں محمد شاہ رنگیلا کا مزار ہے۔ قریب ہی بہادر شاہ کے بھائی جہانگیر اور میرزا بابر کے مزار ہیں۔ مشرق میں خواجہ صاحب کے خادم خاص خواجہ عبدالرحمان کا مزار ہے۔ آس پاس مرزا الٰہی بخش اور ان کی اولاد مدفون ہے۔

نام و نسب خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا اصل نام محمد ہے اور سلسلۂ نسب حضرت علیؑ تک اس طرح پہنچتا ہے:

محمد بن سید احمد بن سید علی[1] بن سید عبداللہ خلمی بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام بن سیدنا امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام۔

ولادت مرآۃ الاسرار اور بعض دوسری کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا خاندان بخارا

---

[1] سیر العارفین میں آپ کو محمد بن احمد بن دانیال لکھا ہے اور سفینۃ الاولیا کا بیان ہے کہ "نام الیشان محمد بن احمد بن دانیال بدایونی ست"۔ یعنی آپ کے دادا کا نام دانیال بتایا گیا ہے۔ مگر صحیح نام 'علی' تھا۔

Marfat.com

سے ہجرت کر کے لاہور[1] آیا۔ پھر آپ کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب اپنے اہل و عیال سمیت بدایوں تشریف لے گئے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت محبوب الٰہی بدایوں[2] میں ۲۷ صفر ۶۳۶[3] ہجری میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت | پانچ برس کی عمر میں والد بزرگوار کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ والدہ نے تربیت فرمائی۔ بدایوں میں قرآنِ پاک اور کتب متداولہ کی تعلیم مولانا علاؤالدین اصولی سے حاصل کی۔ پھر علم لغت میں مشق بہم پہنچائی اور مزید تعلیم کے لیے والدہ کے ہمراہ دہلی اٹھ آئے۔ اس وقت سولہ برس کی عمر تھی۔

یہ غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ مولانا شمس الدین دامغانی اس دَور کے ممتاز عالم تھے بادشاہ بھی ان کا معتقد تھا۔ خواجہ صاحب نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ مولانا نے پوری توجہ سے تعلیم دی اور دوسرے دو عزیز شاگردوں[4] کے ساتھ خواجہ صاحب کو بھی اپنے حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ مولانا نے خواجہ صاحب کو حریری کے چالیس مقامات پڑھائے دہلی کے ایک اور باکمال بزرگ اور عالم مولانا کمال الدین سے آپ نے حدیث پڑھی۔ مولانا احمد تبریزی سے بھی حدیث سیکھی۔ پھر علم ہیئت، فقہ، اصول، علم تفسیر اور ہندسہ میں کمال حاصل کیا۔

پیر کی تلاش | اس زمانہ میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے کمالات اور بزرگی کا بہت چرچا تھا۔ خواجہ صاحب کو باباصاحب سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی چنانچہ باباصاحب کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل سے ملاقات ہوئی تو باباصاحب

---

[1] سیر العارفین کا بیان قدرے مختلف ہے یعنی "پدرے بزرگوارش احمد ابن دانیال از غزنی بر ہندوستان رسیدہ بود و در خطہ بدایوں متوطن گشتہ"

[2] بدایوں یوپی کا مشہور ضلع ہے۔ جس مکان میں خواجہ محبوب الٰہیؒ پیدا ہوئے وہ محلہ پتنگی ٹولے میں اب بھی موجود ہے۔ [3] اخبار الصالحین میں سن ولادت ۶۳۶ ہجری لکھا ہے مگر بزم صوفیہ (سید صباح الدین و عبدالرحمان ایم اے) صفحہ ۱۸۰ پر سن ولادت ۶۳۴ھ تحریر ہے۔ اول الذکر زیادہ قرین قیاس ہے۔

[4] ان دو شاگردوں کے نام قطب الدین ناقلہ اور برہان الدین عبدالباقی ہیں۔

Marfat.com

کی ملاقات کا شوق اور زیادہ ہو گیا، چنانچہ ایک دن بابا صاحب سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

اجودھن کو روانگی

جب خواجہ صاحب بابا صاحب کی ملاقات کو نکلے تو عین شباب کا زمانہ تھا عمر بیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ کوئی زادِ راہ پاس نہ تھا توکل کرکے روانہ ہو گئے اجودھن پہنچے، جونہی بابا صاحب کی نگاہ ان پر پڑی بابا صاحب نے دیکھتے ہی یہ شعر کہا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بابا صاحب نے کلاہِ چہار ترکی جو آپ کے سرِ مبارک پر تھی۔ خواجہ صاحب کے سر پر رکھ دی اور خرقۂ خاص و نعلین چوبیں عطا فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ میری خواہش تھی نعمت سجادہ اور ولایتِ ہند کسی اور کو دوں مگر تم راستہ میں تھے۔ اس وقت میرے سر میں ہاتف نے آواز دی کہ ٹھہر جاؤ، نظام بدایونی آرہا ہے یہ ولایت اُسے دینا۔

خواجہ صاحب ۱۵ رجب ۶۵۵ھ میں بابا صاحب کے پاس اجودھن پہنچے اور قریباً سات ماہ تک ان کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کیا پھر بابا صاحب نے کچھ نصیحتیں فرمائیں اپنا لعابِ دہن خواجہ صاحب کے منہ میں لگایا اور فرمایا نظام! اللہ نے دنیا اور دین دونوں دیے ہیں۔ یہاں سب موجود ہے لہٰذا تم ہندوستان کا ملک لو۔ پھر خلافت عطا کرکے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے علم، عقل اور عشق بخشا ہے اور جس میں یہ تین اوصاف ہوں، خلافت کے لائق وہی ہے۔ پھر فرمایا اگر کسی سے قرض لینا ہی پڑے تو اُسے جلد لوٹانا اور اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی کوشش کرنا۔ انھیں دکھ نہ دینا اور نہ ہی انھیں ناراضگی کا موقع دینا۔

عطائے خلافت

خلافت کا شرف ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ (بہ قول سیر الاولیا) یا ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ (بہ قول راحت القلوب) کو حاصل ہوا۔ خواجہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ بابا صاحب کے فرقِ مبارک پر شیخ قطب الدین کی دستار تھی وہ اُتار کر مجھے مرحمت فرمائی۔ عصا بھی عنایت کیا اور اپنے ہاتھ سے خرقہ پہنایا۔ پھر فرمایا دوگانہ ادا کرو۔ میں حکم بجا لایا۔ جب قبلہ کی طرف منہ کیا تو بابا صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "تجھے خدا کے سپرد کیا"۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں اس واقعہ کے دوسرے دن مجھے رخصت کیا اور فرمایا پہلے

Marfat.com

ہانسی جانا اور یہ مثال شیخ جمال الدین کو دکھانا پھر دہلی کا رخ کرنا اور مثال قاضی منتخب کو دکھانا

اجودھن کے سفر خواجہ صاحب نے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق عمل کیا پہلے ہانسی گئے پھر دہلی پہنچے۔ قیام دہلی کے دوران آپ بابا صاحب کی زندگی میں تین مرتبہ پھر بھی اجودھن گئے اور سات مرتبہ بابا صاحب کی وفات[1] کے بعد ان کے آستانہ مبارک پر حاضری دی۔

قیامِ دہلی پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور مجاہدہ و ریاضت اور زہد و عبادت میں مصروف ہو گئے۔ ساتھ ہی تحصیلِ علم بھی جاری رہی چونکہ آپ کا قیام شہر کی آبادی میں تھا اس لیے لوگ اس کثرت سے آنے لگے کہ آپ کے کاموں میں ہرج ہونے لگا۔ عبادت اور تحصیل علم کے لیے وقت کم نکلتا۔ چنانچہ آپ شہر کے ہنگامہ خیز ماحول سے دُور ایک موضع غیاث پور میں اٹھ آئے جو دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا۔ یہاں چند جھونپڑیاں ڈال کر اپنے درویشوں کے ہمراہ رہنے لگے، پھر یہیں ساری عمر گزار دی

عُسرت اور سختی کا دُور یہ بڑی عُسرت اور تنگدستی کا زمانہ تھا۔ کئی کئی دن فاقوں سے گزرتے، مگر اس کے باوجود بے نیازی اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ جب سلطان جلال الدین خلجی کو آپ کی ان پریشانیوں کا علم ہوا تو کہلا بھیجا کہ اگر اجازت دیں تو بسر اوقات کے لیے کچھ گاؤں آپ کی نذر کر دوں۔ مگر آپ نے اس پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔

خوشحالی اور فراغت کا دُور کچھ مدت بعد حالات میں تبدیلی رونما ہوئی اور عُسرت کا دُور خوشحالی سے بدل گیا۔ کثرت سے لوگ مرید ہو گئے اور ان کی فتوحات کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ جہاں پہلے کئی کئی دن تک فاقے ہوتے تھے اب یہ عالم تھا کہ لنگر میں کھانا بچ رہتا تھا اور کوئی کھانے والا نہ ملتا تھا۔ دولت کا دریا دروازے کے آگے بہنے لگا۔ صبح سے شام تک لوگ آتے اور ہر شخص کچھ نہ کچھ لاتا مگر ساتھ ہی اُسے اُس سے زیادہ دیا جاتا جتنا وہ لے کر آیا۔

سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے قریب کیلوکھڑی میں اپنا محل بنوایا پھر رفتہ رفتہ

---

[1] بابا صاحب کا وصال محرم ۶۶۹ ہجری میں ہوا۔

Marfat.com

وہاں دوسرے امراء آباد ہوگئے اور شہر بس گیا۔ ایک جامع مسجد بھی بن گئی اور یہ خاموش مقام ایک بارونق شہر بن گیا۔ اب فتوحات اور زیادہ ہوگئیں۔ لنگر کا یہ عالم تھا کہ منوں کے حساب سے روزانہ صرف نمک خرچ ہوتا۔ مگر سب کھانا درویشوں میں تقسیم ہوجاتا۔ آپ خود اکثر روزہ سے رہتے۔

آپ کے مریدوں میں امیر خسرو بھی تھے جو فارسی اور ہندی کے بڑے قادر الکلام شاعر تھے، اور انھیں بھی بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کو ان کا معرفت کا کلام بہت پسند تھا اور اکثر سنا کرتے تھے۔ امیر خسرو کو خواجہ صاحب سے بہت محبت تھی اور خواجہ صاحب بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے[1]

خواجہ صاحب بادشاہوں کی محبت سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔ سلطان جلال الدین خلجی نے کئی مرتبہ ملاقات کی خواہش اور کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ گریز کیا۔ بادشاہ نے امیر خسرو کی وساطت سے ملنا چاہا مگر اس بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اسی طرح سلطان علاؤ الدین خلجی کو بھی خواجہ صاحب سے

---

[1] خواجہ صاحب کو امیر خسرو سے اتنی محبت تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے اگر شریعت اس بات کی اجازت دیتی تو میں وصیت کرتا کہ امیر خسرو کو مرنے کے بعد میرے ساتھ دفن کرنا تاکہ ہم دونوں ایک ہی جگہ رہیں۔ تاہم آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا "امیر خسرو میرے بعد زندگی نہ چاہیں گے۔ جب وفات پا جائیں تو انھیں میرے پہلو میں دفن کرنا اور میں ان کے بغیر بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔"

مرشد کی وفات کے وقت امیر خسرو پاس موجود نہ تھے بلکہ سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر گئے ہوئے تھے، اچانک حالت متغیر ہوگئی۔ اسی وقت دہلی کا رخ کیا اور پیر و مرشد کا حال دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے ہیں۔ یہ سنتے ہی دل تھام کر رہ گئے۔ بہت دولت مند تھے، ساری دولت اسی وقت فقرا میں تقسیم کر دی اور ماتمی لباس پہن کر خواجہ صاحب کی قبر پر گئے۔ جونہی قبر کے قریب پہنچے بے اختیار ہو کر مزار سے ٹکر ماری اور چیخ کر کہا "سبحان اللہ! آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ۔" (آفتاب زمین کے نیچے چلا گیا اور خسرو زندہ ہے) یہ کہا اور بے ہوش ہوگئے۔ اس دن کے بعد غم و اندوہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی لبوں پر مسکراہٹ نظر نہ آئی۔ غمناک اور دکھے دل کے ساتھ مرشد کے بعد صرف چھ ماہ تک زندہ رہ سکے مگر وفات کے بعد مرشد کے پہلو میں دفن نہ کیے جا سکے۔

ملاقات کی حسرت ہی رہی۔ اس کے باوجود دونوں بادشاہ خواجہ صاحب کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علاؤالدین نے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے نذر کے طور پر بھیجے۔ مگر خواجہ صاحب نے قبول نہ فرمائے۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤالدین نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ میرے ہاں تشریف نہیں لاتے تو میں خود حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ جواب دیا کہ آپ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں میں یہیں سے دُعا میں مصروف ہوں۔ غیب کی دعا میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ میرے مکان کے دو دروازے ہیں آپ ایک دروازے سے داخل ہوں گے تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا۔ یہ جواب پاکر سلطان خاموش ہو گیا اور پھر کبھی ایسا کرنے کی جرأت نہ کی۔

علاؤالدین کا بیٹا شہزادہ خضر خان باپ کے کہنے پر خواجہ صاحب کا مرید ہو گیا تھا۔

کارنامے دہلی میں آپ کے مدرسہ و خانقاہ نے وہ شہرت حاصل کی کہ ایشیا بھر کے فقراء اور طلباء وہاں کھچے چلے آتے تھے۔ اس مدرسہ سے بڑے بڑے فضلا اور اولیاء و صلحا فیض حاصل کر کے نکلے۔ یہ خانقاہ اس عہد میں ارض ہند کی سب سے بڑی روحانی یونیورسٹی تھی، اور اس کے فارغ التحصیل مشاہیر نے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پھیل کر تبلیغ اسلام اور اصلاح المسلمین کے سلسلے میں بڑے کام کیے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ " یہ عالم تھا کہ دہلی میں جہاں چار آدمی اکٹھے ہوتے اور ملتے وہاں خدا اور رسول ہی کا ذکر ہوتا، ہر طرف یہی تذکرے ہوتے۔ محلوں کے اندر شاہی کنیزوں کی بھی ایک وقت کی نماز قضا نہ ہوتی تھی۔ امیر و غریب اور عورت و مرد سب بلا مبالغہ نمازی اور پابندِ مذہب بن گئے تھے۔ جہاں سنو نوافل و عبادات و تلاوت ہی کے چرچے تھے۔ خود ضیاءالدین برنی رقمطراز ہے کہ اس عہد میں دہلی والے قدوسیوں کی جماعت نظر آتے تھے۔ نمازیوں سے مسجدیں لبریز رہتی تھیں۔ دہلی سے غیاث پور تک کئی میل کا فاصلہ تھا مگر راستے میں ہر طرف لوگوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ راستہ گلزار بنا ہوا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بہار آفریں سایہ دار چبوترے بنوا دیے گئے تھے، جن پر ٹھنڈے پانی اور پھولوں اور سبزے اور قیام کا بھی پورا اہتمام تھا۔ عجیب رونق تھی۔"

" امن و امان کی بہاریں اگر کہیں نظر آتی تھیں تو وہ ہندوستان اور صرف ہندوستان ہی تھا۔

جہاں کشمیر سے راس کماری تک ہن برس رہا تھا، اور یہاں کی کروڑوں مخلوق عیش وسکون کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ عیش وسکون بھی وہ جو جسمانی وروحانی اصناف پر مشتمل تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کا زمانہ عود کر آیا ہے۔ ایک طرف تو حضرت سلطان المشائخ خاص مرکزِ حکومت میں متمکن ہدایتِ خلق، اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ مسلمین میں سرگرمی کے ساتھ مصروف تھے۔ ملتان، بدایوں، الہ آباد اور بنگال میں سہروردی خانوادے سرگرم کار تھے۔ دکن میں چشتی بزرگ پہنچ چکے تھے۔ خود سلطان سہروردی خاندان میں مرید اور چشتی ونظامی خاندان کا عقیدت مند تھا جس کا اثر وزراء اور امراء پر پڑ کر پوری سلطنت کو اپنے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ شرک وکفر کی تاریکیاں روز بروز دُور ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

جو مسلمان بن رہے تھے اور پہلے سے حلقہ بگوش اسلام تھے انھیں پختہ مسلمان بنانے اور پختگی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھنے کے لیے صوفیانہ کار فرمائیاں رونما تھیں۔ شریعت مصطفوی کا بول بالا تھا۔ نہایت مبارک زمانہ تھا اور نہایت مبارک دَور۔ شاہ وگدا سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ فقیر سے لے کر سلطان تک سب مرید، سب پابند مذہب، سب نیک نہاد، سب خوش وخرّم اور سب شاد وآباد تھے۔ دنیا کو ایسا زمانہ، ایسا فرمانروا اور ایسا قطب وقت قسمت ہی سے دیکھنے کو نصیب ہوتا ہے۔

باطنی فرمانروائی حضرت سلطان المشائخ کی تھی ظاہری حکومت سلطان علاؤالدین کر رہا تھا اور گلشنِ ہند میں وہ بہار بن جھیل رہی تھیں جو اس عہد کی دنیا میں اور کسی ملک کو بھی نصیب نہ تھیں۔ نہ کہیں کوئی اتنا بڑا شیخ نظر آتا تھا اور نہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر کوئی اتنی بڑی حکومت اور اتنا بڑا اور با جبروت فرمانروا تھا۔"

سماع حضرت محبوب الٰہی سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ سماع سے چونکہ تحریکِ قلب ہوتی ہے۔ اس لیے یہ حرام نہیں بشرطیکہ یہ تحریک یادِ حق کے لیے ہو اور اگر فساد کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے۔ اور سماع کے لیے شرطیں یہ بتائی ہیں کہ سنانے والا لڑکا اور عورت نہ ہو۔ جو چیز سنی جائے وہ بے ہودگی اور فحاشی سے پاک ہو، صرف خدا کے لیے سنا جائے اور اس میں آلاتِ سماع مثلاً چنگ ورباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں، نہ ہی محفل سماع میں عورتیں ہوں

Marfat.com

ایک مرتبہ مریدوں نے عرض کیا کہ آجکل مخدوم کی خدمت کے لیے ہر وقت سماع سُننا جائز کر دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا جو چیز حرام ہے وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی اور جو حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً امام شافعیؒ کے قریب سماع دف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے مگر ہمارے علماء (احناف) اس کے خلاف ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں حاکم وقت کا جو حکم ہوگا وہ صحیح سمجھا جائے۔

مریدوں نے کہا کہ سماع کی بعض مجلسوں میں چنگ و رباب اور مزامیر ہوتے ہیں اور وہاں درویش رقص کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا وہ اچھا نہیں کرتے۔ کیونکہ جو فعل شرعاً جائز نہیں وہ بُرا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایسے درویشوں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے تو کہتے ہیں کہ ہم سماع میں اتنا مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہمیں خبر ہی نہیں رہتی کہ یہاں مزامیر بھی ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا یہ جواب درست نہیں۔ یہ گناہ کی باتیں ہیں۔

وفات ۷۲۵ھ میں آپ بیمار ہو گئے۔ چونکہ ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہتے تھے، اس پر طرّہ یہ کہ اکثر روزہ سے ہوتے تھے اس لیے جسمانی طور پر کمزور تھے۔ بیماری نے اور لاغر کر دیا پھر عمر مبارک نوّے برس کی ہو چکی تھی۔ وفات سے چالیس روز قبل کھانا پینا ترک کر دیا۔ دوا کی طرف بھی مطلق توجہ نہ فرماتے تھے۔ خواجہ بندہ نواز فرماتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے چہرے پر زیادہ رونے کے باعث زخم جیسے نشان پڑ گئے تھے۔ آپ کی آنکھیں ایک ساعت کے لیے بھی خشک نہ رہتی تھیں۔ بلکہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھیں۔ جب تک اس دنیا میں رہے گریاں رہے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو گریاں ہی رخصت ہوئے۔

بیماری کے دنوں میں گریہ کی کیفیت اور زیادہ شدّت اختیار کر چکی تھی۔ کھانے پینے کے لیے اصرار کیا جاتا تو انکار کر دیتے۔ فرماتے " کسیکہ مشتاق حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم باشد او طعام دنیا چگونہ "

مرض الموت میں جب دوا پینے کے لیے اصرار کیا گیا تو فرمایا ؎

دردِ مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

سلطان محمد تغلق نے اپنا شاہی طبیب بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں ملاقات کا اشتیاق

Marfat.com

رکھتا ہوں، اجازت ہو تو قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں۔

جب طبیب آیا اس وقت خواجہ صاحب پر غشی کی حالت طاری تھی۔ اور رہ رہ کر بیہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ شاہی طبیب چارپائی کے قریب کھڑا تھا۔ اس وقت خواجہ صاحب ہوش میں آچکے تھے مگر آنکھیں بند تھیں۔ طبیب نے نبض پر ہاتھ رکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ جب پتہ چلا کہ یہ شاہی طبیب ہے جسے بادشاہ نے بھیجا ہے تو خاموش رہے مگر نظریں طبیب کے چہرے پر گاڑے رکھیں پھر دھیمی آواز سے دوبارہ فرمایا:

درد مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

وفات سے کچھ دیر قبل بقچہ خاص سے بعض اشیا نکالیں اور مختلف خلفاء کو عنایت فرمائیں اور انھیں خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا۔ خلیفہ اعظم شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو بابا گنج شکرؒ کا عطا کردہ خرقہ، مصلےٰ، کاسۂ چوبیں اور تسبیح دے کر حکم دیا کہ تم دہلی میں رہو۔

خواجہ رکن الدین ابوالفتح سلطان محمد تغلق سے ملنے کے لیے اکثر دہلی آیا کرتے تھے جن دنوں خواجہ صاحب بیمار تھے شیخ رکن الدین ان دنوں دہلی آئے ہوئے تھے۔ بیماری کا حال سُن کر عیادت کو تشریف لائے۔ انھیں دیکھتے ہی خواجہ صاحب نے تعظیم کے لیے اٹھنا چاہا مگر کمزوری کے باعث چارپائی سے اٹھ نہ سکے۔ شیخ رکن الدین نے انھیں اٹھنے سے روک دیا۔ ایک کرسی لائی گئی اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔

شیخ رکن الدین نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے اور اولیا چونکہ انبیا کے جانشین ہوتے ہیں اس لیے انھیں بھی زندگی اور موت کا اختیار مل جاتا ہے۔ میری خواہش تھی کہ آپ کچھ دن اور دنیا میں رہتے تاکہ ناقصوں کو کمال تک پہنچا سکتے۔

خواجہ محبوب الٰہیؒ نے یہ الفاظ سنے تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔

شیخ رکن الدین نے یہ جملہ سُنا تو ان پر بھی رقت طاری ہوگئی جو لوگ وہاں موجود تھے وہ بھی سب رونے لگے۔ چہار شنبہ ۱۸[۱] ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو وفات پائی۔ شیخ رکن الدین سہروردیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی

---

[۱] "اخبار الصالحین" "انوار الاولیاء" اور دوسری کئی کتابوں میں تاریخ وفات ۱۸ ربیع الآخر بتائی گئی ہے مگر "بزم صوفیہ" میں ۱۸ ربیع الاول بتائی گئی ہے جو غالباً کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

تیسرا حصہ

عوامی میلے

اورے کا میلہ ....
بسنت کا میلہ ....
بہلول (شاہ) کا میلہ ....
بیساکھی کا میلہ ....
جھنڈوں کا میلہ ....
چراغاں کا میلہ ....
چوکڑیاں کا میلہ ....
چھتل پیر کا میلہ ....
خانقاہ ڈوگراں کا میلہ ....
سچیار پیر کا میلہ ....
شاہ جہانگیر کا میلہ ....
قدموں کا میلہ ....
گلاب شاہ کا میلہ ....
گلو شاہ کا میلہ ....
ہرلاں والی کا میلہ ....

Marfat.com

Marfat.com

اُورے کا میلہ

سیالکوٹ

سیالکوٹ شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر اُورے نام ایک چھوٹے سے گاؤں میں اگست یا ستمبر کے مہینہ میں مویشیوں کی ایک بھاری منڈی لگتی ہے، جس میں سیالکوٹ[1] اور گردونواح کے علاقوں کے لوگ کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ مٹھائیوں، پھلوں، کھلونوں دیگر اشیاء کی کانیں سجائی جاتی ہیں۔ زیادہ تر دیہاتی لوگ مویشیوں کی خرید و فروخت کے لیے آتے ہیں۔

میلے کے مقام[1] پر وہ پختہ سڑک گزرتی ہے جو ڈالووالی کو جاتی ہے۔ اس سڑک کے دونوں طرف میلہ لگتا ہے۔ سیالکوٹ سے شیخ مولا کے تالاب کے اوپر سے ہو کر تانگے جاتے ہیں، اور صرف تانگوں میں آمدورفت ہوتی ہے میلہ سات آٹھ دن تک جاری رہتا ہے۔

---

[1] یہ مقام سیالکوٹ جموں سرحد کے قریب واقع ہے۔

Marfat.com

بسنت کا میلہ

بسنت[1] برِصغیر پاکستان و ہند کا موسمی تہوار ہے جس کی مذہبی حیثیت کوئی نہیں[2]۔ اسے بہار کا نقیب سمجھا جاتا ہے اور جاڑے کے موسم (ماگھ کے مہینے) میں چاند کی چار یا پانچ تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ پانچ تاریخ ہی کی نسبت سے اسے "بسنت پنچمی" کہتے ہیں۔ بہار کا نقیب اس لیے سمجھتے ہیں کہ اس تاریخ سے بسنت[3] کا موسم شروع ہوتا ہے۔ اس موسم میں گیہوں اُگتا اور سرسوں پھولتی ہے۔

بسنت کی کیفیت سنسکرت کے مشہور شاعر کالی داس نے بسنت کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ یہ ہیں کہ بسنت رُت کے موقعہ پر ندی نالے اچانک جاگ اُٹھتے ہیں۔ آم پر بور آتا ہے۔ شہد کی مکھیاں گونجنے لگتی ہیں۔ کام دیو یا عشق کا دیوتا دلوں کا شکار کرنے لگتا ہے۔ مگر بسنت پنچمی کے موقعہ پر یہ کیفیت کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

بسنت کی اصل رسوم متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلمان اور سکھ سب مل کر بسنت کا تہوار منایا کرتے تھے۔ پنجاب کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں بسنت کے میلے لگتے تھے۔ پیلے یا بسنتی رنگ[4] کے کپڑے پہنے جاتے تھے۔ مرد پیلی پگڑیاں اور عورتیں پیلے دوپٹے اور پیلی

---

[1] سنسکرت میں بسنت کے معنی 'بہار' کے ہیں۔

[2] پرانوں میں ایسی کوئی روایت نہیں جس سے بسنت پنچمی کی مذہبی حیثیت مانی جا سکے، ہاں سنسکرت کے بعض شاعروں نے لکھا ہے کہ بسنت رُتوں کا راجہ عشق کے دیوتا مدن کا قلبی دوست ہے۔

[3] قدیم آریا لوگ سال کو چھ موسموں میں تقسیم کرتے تھے یعنی ہر موسم دو ماہ کا ہوتا تھا۔ کالی داس نے اپنی کتاب (طویل نظم) "رتو سنگار" میں ان چھ موسموں کا حال لکھا ہے اور بسنت کے کوائف کی تفصیل بھی دی ہے۔

[4] بسنت کے زمانے میں سرسوں پھولتی ہے، جس کے پھول زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ لہذا اسی مناسبت سے لوگ زرد رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور اسی رنگ کو بہار کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

ساڑھیاں اوڑھتی تھیں۔

بسنت کے موقع پر باغوں میں جھولے ڈالنے کا رواج بھی عام تھا۔ ہندو مسلم اور سکھ لڑکیاں اور عورتیں مل کر جھولے جھولتی تھیں۔ بسنت کے مخصوص گیت گائے جاتے تھے جو پنجاب کی زندہ دلی اور رومانی زندگی کا نمونہ ہوتے تھے۔ پتنگ بازی بھی ہوتی تھی مگر محدود پیمانے پر سلیقے کے ساتھ۔

آج کی رسوم تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں جہاں اور کئی قباحتوں نے جنم لیا وہاں بعض تہواروں کی بھی شکل مسخ ہونے سے نہ بچ سکی۔ چنانچہ غیر مسلموں کے انخلا کے ساتھ ہی بسنت پنچمی کی اصل روایات کو چھوڑ کر اسے صرف پتنگ بازی کا میلہ بنا دیا گیا۔ آج بسنت کے موقعہ پر نہ پیلے اور بسنتی کپڑے نظر آتے ہیں۔ نہ باغوں میں جھولے دکھائی دیتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی مہذب قسم کی چہل پہل نظر آتی ہے۔ ہاں جگہ جگہ پتنگ بازوں کے ٹولے بدتہذیبیوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ بچوں کے علاوہ بڑے بوڑھے بھی مکانوں کی چھتوں پر صبح سے شام تک پتنگ اڑانے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ آوارہ قسم کے لڑکے اور آدمی پتنگ لوٹنے کے لیے بانس اٹھائے دوڑتے، گالی گلوچ کرتے اور لڑتے جھگڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ پتنگ بازی کرنے والوں کے متعلق کوٹھوں سے گر کر ہلاک ہونے کی خبریں اخباروں میں چھپتی ہیں۔

پتنگ بازی کی وبا بسنت کے روز دن بھر پتنگ بازی کرنے اور ہلڑ مچانے والوں میں اکثریت مزدور پیشہ، کم لکھے پڑھے یا جاہل لوگوں کی ہوتی ہے تاہم یہ رحجان بعض پڑھے لکھے لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ سکولوں کے طلبا میں پتنگ بازی کی وبا سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔

Marfat.com

بہلول (شاہ) کا میلہ

شاہ بہلول

ضلع گجرانوالہ میں" شاہ بہلول" ایک قصبہ ہے جہاں" شاہ بہلول" بزرگ مدفون بتائے جاتے ہیں۔ جون کے مہینہ میں یہاں ایک عوامی میلہ منعقد ہوتا ہے۔ جو تین دن تک جاری رہتا ہے۔

راستہ گجرانوالہ سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر پنڈی بھٹیاں ایک بڑا قصبہ ہے۔ گجرانوالہ سے پنڈی بھٹیاں تک لاریاں چلتی ہیں۔ پنڈی بھٹیاں سے آگے لاری میں ہندوانہ جاتے ہیں جو وہاں سے قریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔ ہندوانہ سے شاہ بہلول قریباً دو میل دور دریائے چناب کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ دو میل کا یہ سفر پیدل کیا جاتا ہے۔

میلے کے کوائف میلے کے موقع پر بھاری تعداد میں گردونواح کے کسان شرکت کرتے ہیں دکانیں سجتی ہیں۔ کھیل، تماشے ہوتے ہیں۔ ختم قرآن اور قوالی بھی ہوتی ہے۔ کبڈی اور کشتیاں ہوتی ہیں۔ رات کے وقت ناچ اور راگ رنگ کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ تھیٹر اور ڈرامے ہوتے ہیں۔ پنجاب کے مشہور گیت" ڈھولہ" اس موقع پر خاص طور سے گائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

بیساکھی کا میلہ

ایمن آباد

ضلع گجرانوالہ میں گجرانوالہ لاہور ریلوے لائن پر ایمن آباد ریلوے سٹیشن ہے۔ ریلوے سٹیشن سے قریباً تین میل کے فاصلے پر ایمن آباد ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ ریلوے سٹیشن سے قصبے تک پختہ سڑک ہے۔ قصبہ کے باہر قریباً ایک فرلانگ مغرب کی طرف سکھوں کی ایک جگہ ہے جسے روڑی صاحب کہتے ہیں۔ یہاں بیساکھ[1] (اپریل) کے مہینے میں یعنی ۱۳ اپریل کو بیساکھی کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

قیام پاکستان سے قبل اس علاقے میں ہندوؤں کا ایک امیر طبقہ یعنی دیوان آباد تھے جو پاکستان بننے پر وہاں سے ہجرت کر چکے ہیں۔ اُن لوگوں کی موجودگی میں بیساکھی کا یہ میلہ بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا، اس لیے کہ غیر مسلموں نے اسے مذہبی حقیقت بھی دے رکھی تھی۔ ان کے انخلا کے بعد اگرچہ اب بھی یہ میلہ اسی جگہ منایا جاتا ہے مگر اس کی وہ شان و شوکت باقی نہیں رہی جو دیوانوں کے وقت میں تھی۔

میلے کی کیفیت | بیساکھی کے موقعہ پر قرب و جوار کے علاقوں خصوصاً گجرانوالہ اور وزیر آباد سے بہت سے دیہاتی نیا لباس پہن کر شرکت کے لیے آتے ہیں۔ مختلف اشیاء سے دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ مویشیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ سرکس اور تھیٹر بھی آتے ہیں دیہاتی خوب ناچتے ہیں گاتے اور خوش ہوتے ہیں۔ بیساکھی کا مخصوص ناچ اور اس کی مخصوص بولیاں دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں۔ کبڈی، کشتیاں اور گھوڑ دوڑ بھی ہوتی ہے۔ جیتنے والوں کو انعام دیے جاتے ہیں۔

یہ میلہ آٹھ دن تک رہتا ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ اس میلے کے لیے بہت کچھ اہتمام کرتا ہے۔ انتظام کے لیے پولیس بھی موجود ہوتی ہے۔ پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی یہ میلہ منایا جاتا ہے۔

---

[1] یہ فصل کٹنے کا موسم ہوتا ہے اور کسانوں کے لیے مسرت و شادمانی کا موقعہ ہے۔

Marfat.com

جھنڈوں کا میلہ

پشاور شہر

پشاور شہر کے مشہور شاہی باغ[1] میں ہر جنوری کے آخری پیر کو جھنڈوں کا میلہ لگتا ہے چونکہ ان ایّام میں برسات کا موسم ہوتا ہے اس لیے اگر مقررہ پیر کو بارش ہو جائے تو یہ میلہ آئندہ پیر کو لگتا ہے۔ جھنڈوں کے میلے کو سخی سرور کا میلہ بھی کہتے ہیں۔

نام کی وجہ تسمیہ

میلے کے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بعض قلندر اور درویش قسم کے لوگ ہاتھوں میں مختلف رنگوں کے جھنڈے لیے پشاور اور نواحی دیہات میں سخی سرور اور جھنڈوں کے میلے کی نیاز مانگا کرتے تھے چنانچہ اسے جھنڈوں کا میلہ کہا جانے لگا۔

یہ ضلع پشاور کا واحد عوامی میلہ ہے جو گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے اور اپنی رونق چہل پہل اور عظمت کے لحاظ سے عیدین کے میلوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ چونکہ یہ میلہ سردی کے اختتام اور بہار کی آمد پر منایا جاتا ہے، اس لیے اسے موسمی میلہ بھی سمجھا جاتا ہے۔

شاہی باغ کی رونق

ان دنوں ضلع میں گنے اور گڑ کا زور ہوتا ہے۔ زمیندار اور کاشتکار فصل خریف سے فارغ ہو کر فصل ربیع بھی کاشت کر چکے ہوتے ہیں۔ فصل کی فروخت کے بعد ان کے پاس خاصا روپیہ آ چکا ہوتا ہے اس لیے وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ یہ میلہ اسی خوشی کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی رونق عیدین کے کے میلوں کو بھی مات کر دیتی ہے۔ پشاور اور آس پاس کے دیہات کے تمام نوجوان، بچے اور بوڑھے اس میلے میں شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ شاہی باغ میں تو تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔

---

[1] پہلے یہ میلہ پشاور شہر ریلوے سٹیشن کے قریب لکڑی گودام میں لگتا تھا۔ آجکل شاہی باغ میں منعقد ہوتا ہے جو پشاور شہر سے قدرے فاصلے پر بیرونی حصہ میں واقع ہے۔

Marfat.com

شہر کی رونق شاہی باغ کے علاوہ پشاور کے بازاروں خصوصاً قصہ خوانی اور چوک یادگار میں بڑی رونق ہوتی ہے۔ بھیڑ کے باعث کھوے سے کھوا چلتا ہے۔ دکانیں خوب سجی ہوتی ہیں، مٹھائیوں اور پھلوں کی دکانوں پر خوب فروخت ہوتی ہے۔ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی۔ تانگے والے جو عام حالات میں سواریوں کے لیے چلاتے پھرتے ہیں اس روز سواریوں کے ساتھ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔

شب بسری چونکہ دیہات کی ایک بڑی آبادی بھی شہر میں آئی ہوتی ہے اور ان میں سے بیشتر رات بھی شہر ہی میں بسر کرتے ہیں لہذا ہوٹلوں اور سرائوں میں مسافروں کا ہجوم ہوتا ہے۔ بعض دیہاتی مسجدوں، باغوں یا کھلے میدانوں ہی میں پڑ کر رات گزار لیتے ہیں۔

میلے میں کیا ہوتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس میلے کے موقع پر جنگی مشقیں ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ نیزہ بازی، کبڈی، گھوڑ دوڑ اور کشتیاں ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے زمیندار اور ان کی بیگمات اعلٰے اور نفیس لباس پہن کر ان کرتبوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ امراء اس موقعہ پر خاص طور سے اپنی شہسواری کے کرتب دکھایا کرتے تھے۔

آجکل یہ روایات ختم ہو کر ان کی جگہ نئی رسمیں رواج پا چکی ہیں۔ مختلف قسم کے کھیل تماشوں کے علاوہ گانا بجانا ہوتا ہے۔ ضلع پشاور کے لوگ گیتوں کے ساتھ ساتھ فلمی گانے گاتے جاتے ہیں۔ مردانہ ناچ یا پٹھانوں کے مشہور "خٹک ناچ" کے مقابلے ہوتے ہیں۔ غراٹینیں[1] چلائی جاتی ہیں۔ بٹیرے لڑائے جاتے ہیں۔ جس میں نقد روپے کی ہار جیت ہوتی ہے۔

انڈے لڑانا انڈے لڑانا اس میلے کی ایک پرانی روایت ہے یعنی ایک شخص ہاتھ میں انڈا تھامے رکھتا ہے۔ دوسرا شخص ہاتھ میں دوسرا انڈا پکڑ کر اوپر سے اس طریقے پر مارتا ہے کہ نیچے والا انڈا ٹوٹ جاتا ہے۔ جس کا انڈا ٹوٹ جائے وہ ہار جاتا ہے۔ اس میں انڈوں کی قوت کا سوال نہیں ہوتا بلکہ جیت کا دارومدار انڈا توڑنے والے کی

---

[1] ایک بندوق جس میں صرف بارود ہوتا ہے اسے چلانے پر زوردار آواز اور دھواں نکلتا ہے۔

Marfat.com

مہارت اور مشق پر ہے۔ بٹیروں کی ہار جیت کی طرح انڈوں کی ہار جیت میں بھی روپے کا لین دین ہوتا ہے۔

اگرچہ ان قباحتوں کے علاوہ اس میلے میں بعض اور غلط کام بھی ہوتے ہیں۔ تاہم یہ خرید و فروخت کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ دور دراز دیہات کے زمینداروں اور کاشتکاروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے، تبادلہ خیال کرنے اور مال مویشی یا فصل کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

Marfat.com

چراغاں کا میلہ (لاہور)

(عرس مادھولال حسین)

میلے کی حیثیت

لاہور میں شالامار باغ[1] کے قریب ہر سال مارچ کے آخری یکشنبہ کو میلہ چراغاں ہوتا ہے جسے پنجابی کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ مادھولال حسین کا عرس بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ خانقاہ مادھولال حسین پر چراغاں کی روشنی کی جاتی ہے جس سے دربار اور اس کا احاطہ جگمگا اٹھتا ہے اس لیے اسے چراغاں کا میلہ کہا جانے لگا۔ مسلمان فقراء کے عرس عموماً قمری مہینوں کے حساب سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ مادھولال حسین کا عرس بھی قمری مہینہ کے حساب سے ہوا کرتا تھا مگر اس طرح عرس کبھی کسی مہینہ میں آجاتا تھا اور کبھی کسی مہینہ میں چنانچہ زائرین کی سہولت کے لیے مادھولال حسین کا عرس اب شمسی مہینے کے حساب سے ہوتا ہے۔ یعنی ۱۸۶۳ء کے بعد یہ میلہ ہر بیساکھ کی چودہ اور مارچ کے مہینہ کی آخری اتوار کو ہوتا ہے جبکہ موسم بہار شروع ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مادھولال حسین سے پہلے بھی موسم بہار کے شروع میں نواح لاہور میں ایک میلہ لگتا تھا۔ اتفاق سے ایک مرتبہ مادھولال حسین کا عرس اور یہ میلہ ایک ہی تاریخ میں پڑے اور یہ دونوں یادگاریں اکٹھی منائی گئیں۔ چنانچہ اس کے بعد یہ دونوں یادگاریں اکٹھی منائی جانے لگیں۔ متحدہ ہندوستان کے دنوں میں ہندو اور سکھ بھی اس میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ شریک ہونے والوں میں زیادہ تعداد کسانوں کی ہوتی تھی۔

مادھولال حسین کا مزار

مادھولال حسین کا مزار شالامار باغ کے قریب باغبان پورہ کے شمال میں واقع ہے۔ ایک بلند چبوترے پر دو قبریں ہیں۔ ایک

[1] شالامار باغ لاہور سے تین میل کے فاصلے پر شمال مشرق کی جانب ہے جو شاہجہان (۱۵۹۲ - ۱۶۶۶) نے ۱۶۳۷ء میں لگوایا تھا جسے سیراب کرنے کے لیے دریائے راوی سے نہر نکالی گئی تھی۔ چھ لاکھ روپے کی لاگت سے ڈیڑھ سال میں مکمل ہوا۔ ۸۰ گھماؤں میں بنا (۱۲۰۰ × ۸۰۰ قدم)

Marfat.com

لال حسین کی اور دوسری مادھو کی۔ چبوترے کے گرد چار دیواری ہے۔ مغرب کی طرف ایک مسجد ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مسلمان رانی موراں نے تعمیر کرائی تھی۔

میلے کے کوائف

میلے کے دنوں میں مختلف قسم کی دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ ہزاروں قسم کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، نذریں وغیرہ مانی جاتی ہیں۔ قوال مادھو لال حسین کا کلام اور ان کی کافیاں گاکر سناتے ہیں۔ کسان اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ گاتے اور ناچتے ہوئے آتے ہیں۔ اس موقع پر گائے جانے والے گیتوں میں لغویت بھی ہوتی ہے جو اشعار گائے جاتے ہیں ان میں "بولیاں" خصوصیت رکھتی ہیں۔ ہندوؤں کی ہولی جیسا ہنگامہ اور رنگ ڈھنگ نظر آتا ہے۔ لوگ مزار پر فاتحہ خوانی بھی کرتے ہیں۔

مادھو لال حسین

مادھو لال حسین ۹۴۵ھ/۱۵۳۹ء میں لاہور شہر میں پیدا ہوئے۔ آبا و اجداد راجپوت ہندو تھے جنھوں نے فیروز شاہ کے عہد میں اسلام قبول کیا۔ لال حسین کے والد کا نام عثمان اور پیشہ بافندگی تھا۔ بڑی غربت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لال حسین کا اصل نام حسین تھا مگر بچپن ہی سے سرخ کپڑے پہننے کی عادت تھی، اس لیے لال حسین کہلانے لگے۔

ابتدائی زندگی

اوائلِ عمر میں ابوبکر نام ایک عالم دین سے قرآن مجید سیکھا اور حفظ کرلیا۔ پھر اس دور کے مشہور بزرگ شیخ بہلول کی شاگردی اختیار کی۔ شیخ بہلول کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ آپ تصوف کی طرف مائل ہوگئے۔ استاد کے مشورے پر بارہ سال تک حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضر رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ رات بھر دریائے راوی میں کھڑے ہوکر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

زندگی میں انقلاب

چھبیس برس کی عمر میں ایک اور صوفی بزرگ سے تلمذ کیا۔ انھیں سے تصوف کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ قرآن کی تفسیر بھی انھیں سے سیکھی۔ اچانک طبیعت میں ایک ایسا ولولہ پیدا ہوا کہ داڑھی مونچھیں منڈوا لیں، شراب نوشی پر اتر آئے۔ رقص و موسیقی میں دلچسپی لینے لگے۔ تمام احکام شرعی بالائے طاق رکھ دیے۔ اکثر جذب و مستی کی حالت طاری رہتی۔ شیخ بہلول کو جو چنیوٹ میں رہتے تھے، آپ کی اس حالت اور ان عادات کا علم ہوا تو دریافتِ حال کے لیے لاہور آئے۔ جب دیکھا کہ ان تمام خلاف شرع عادات و اطوار

Marfat.com

کے باوجود آپ برائی کے راستے پر گامزن نہیں تو پند و نصیحت فرما کر واپس چلے گئے۔

مسلک حسین فرقہ قادریہ سے تعلّق رکھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ خدائی تصور اور عشق حقیقی کی لگن میں محو اور مست ہو کر گانا بجانا جائز ہے۔ حسین کا بیشتر وقت گویوں، قوالوں اور رقاصوں کی محفل میں گزرتا تھا۔ اور یہ شوق حد سے تجاوز کر چکا تھا۔

مقبولیت اگرچہ حسین کی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق نہ تھی تاہم لوگ آپ کو ولی اللہ سمجھتے تھے۔ آپ شہر میں مست الست پھرا کرتے تھے۔ کہیں کہیں مجمع لگا کر لوگوں کو قرآن مجید، اپنا پنجابی کلام اور کافیاں سنایا کرتے تھے۔ اپنے صوفیانہ رنگ میں پند و نصیحت فرماتے۔ اچھی خاصی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ صرف انھیں لوگوں کو مرید بناتے تھے جو داڑھی مونچھ منڈوا کر رکھتے، باریش آدمیوں کو مرید بنانے سے گریز کرتے تھے۔

لال حسین کا روزنامچہ شہنشاہ اکبر اور شہزادہ سلیم بھی آپ کے معتقدوں میں سے تھے۔ شہزادہ سلیم نے بہادر خان نامی ایک شخص کو لال حسین کا روزنامچہ لکھنے پر مامور کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کا روزنامچہ لکھا جو "بہاریہ" کے نام سے چھپا۔

مادھو شاہ حسین شہر میں گھوم پھر کر وعظ کرتے تو لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ ان کی کافیاں اور پنجابی کلام بڑی دلچسپی سے سنتے، جن لوگوں کو شاہ حسین سے عقیدت تھی اور جوان کی باتوں میں بڑی کشش محسوس کرتے تھے۔ ان میں مادھو نام ایک نوجوان اور خوبصورت ہندو لڑکا بھی تھا جو شاہدرہ گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اُسے لال حسین سے بہت محبّت ہو گئی اور انھیں کے پاس رہنے لگا۔ لال حسین بھی اُسے دل و جان سے چاہنے لگے تھے۔ مادھو کے والدین کو یہ بات پسند نہ تھی۔ انھوں نے مادھو کو بہت سمجھایا کہ لال حسین سے نہ ملا کرے، مگر وہ لال حسین کے بغیر ایک پل بھی نہ گزار سکتا تھا نہ ہی لال حسین کو اس کے بغیر چین آتا تھا دونوں میں جدائی ڈالنے کے لیے مادھو کے والدین نے مادھو کو گنگا اشنان کے لیے ہردوار جانے پر رضامند کر لیا۔ والدین خود پہلے چلے گئے۔ مادھو ان کے دو تین دن بعد جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے لال حسین سے اجازت چاہی۔ لال حسین اس کے جانے پر کسی طرح رضامند نہ ہوئے۔ بالآخر جب اس کا اصرار بڑھا تو لال حسین نے

Marfat.com

مادھو سے کہا کہ آنکھیں بند کرو گنگا مائی خود یہاں تمہارے پاس چلی آئے گی اور تم اس میں اشنان کر لو گے۔ مادھو نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ گنگا میں اشنان کر رہا ہے۔ جب آنکھیں کھولیں تو وہ لاہور میں تھا۔ جب مادھو کے والدین گنگا اشنان کر کے لاہور لوٹے تو انھوں نے اس امر کی تصدیق کی کہ مادھو نے ان کے ساتھ ہردوار میں اشنان کیا ہے۔

مادھو لال حسین کی اس کرشمہ سازی سے اور متاثر ہوا اور ان کا اور زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ پھر دونوں نے ساری عمر اس طرح پیار و محبت کے ساتھ اکٹھے گزاری کہ دونوں کے نام ساتھ ساتھ پکارے جانے لگے۔ یعنی لال حسین کو لوگ مادھو لال حسین کہہ کر پکارنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ مادھو مسلمان ہو گیا تھا اور لوگ اُسے شیخ مادھو کہہ کر پکارتے تھے، مگر مادھو کا مسلمان ہونا ثابت نہیں۔

شاعری لال حسین پنجابی کے اچھے خاصے شاعر تھے۔ آپ کی سو سے زیادہ کافیاں آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ لوگ انھیں بڑے شوق سے گاتے ہیں۔ زبان سادہ، صاف اور بڑی میٹھی ہے۔ کلام میں فارسی الفاظ بھی بہت ہیں۔

وفات ۱۰۰۸ھ میں بعمر تریسٹھ سال شاہدرہ کے مقام پر وفات پائی، وہیں دفن ہوئے کچھ مدت بعد راوی میں سیلاب آنے سے قبر کو نقصان پہنچا تو مادھو نے جو اس وقت تک زندہ تھا۔ نعش نکلوا کر اس جگہ دفن کیا جہاں اب آپ کا مزار ہے۔

مادھو لال حسین کی وفات کے بعد مادھو اڑتالیس برس تک زندہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ لال حسین کے کہنے پر مادھو نے راجہ مان سنگھ کی فوج میں ملازمت کر لی تھی۔ مادھو کی غیر حاضری ہی میں لال حسین کی وفات ہوئی۔ مدت بعد جب مادھو لاہور آیا اور اُسے پیر و مرشد کے وصال کی اطلاع ملی تو بے قرار ہو گئے۔ قبر سے لپٹ کر خوب روئے۔ لال حسین کی مادھو سے محبت کا حال کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ پھر لال حسین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جس نے مجھے دیکھنا ہو وہ مادھو کو دیکھ لے چنانچہ لال حسین کے عقیدت مندوں نے مادھو کی آمد پر ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور انھیں مسندِ سجادگی پر بٹھایا۔ کہتے ہیں کہ مادھو لال حسین کے بالکل

Marfat.com

ہم شکل بن گئے تھے۔ مادھو جب تک زندہ رہے پیر و مرشد کے غم سے نجات نہ ملی اور دنیا سے کنارہ کش ہو رہے۔ بالآخر ۱۰۵۶ھ میں خود بھی انتقال کیا اور لال حسین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

شاہ حسین کے مزار کی تعمیر

شاہ حسین کا مزار پہلے کچا تھا۔ کہتے ہیں سلطان معزالدین بن جہاندار شاہ تخت نشینی سے پہلے لال حسین کے مزار پر حاضر ہوا تھا اور منت مانی تھی کہ جب مجھے بادشاہی مل جائے اور تخت پر بیٹھ جاؤں گا تو مزار پر سائبان تعمیر کروں گا اور اور اشرفیاں نذر کروں گا۔ چنانچہ خواہش پوری ہو جانے کے بعد اس نے اپنی منت پوری کی اس رقم سے مزار پر عمارت تعمیر کی گئی۔ اُس کے بعد سے سجادہ نشینوں میں سُرخ پگڑی پہننے کا رواج بھی شروع ہو گیا۔

جوگی گورکھ ناتھ

پنجابی کے مشہور و معروف شاعر وارث شاہ نے اپنی مقبول عام تصنیف "ہیر" میں جوگی گورکھ ناتھ کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں جس جگہ لال حسین کو دفن کیا جانا تھا، وہ جوگی گورکھ ناتھ کی جائے سکونت تھی اور جوگی کا چیلہ وہاں رہتا تھا۔ وہ لال حسین کو وہاں دفن کرنے میں مزاحم ہوا تو ایک آواز آئی اے جوگی تو جھوٹا ہے۔ یہ جگہ تو فقیر کے رہنے کی ہے یقین نہ ہو تو زمین کو کھود کر دیکھ لے۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو اندر سے تسبیح، مصلےٰ اور سُرخ پگڑی برآمد ہوئی۔ جوگی کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ چنانچہ عرض کیا میں کہاں رہوں۔ آواز آئی تم گورکھ ناتھ کے ٹیلے پر جا کر رہو۔

خاکی دیوان

شاہ حسین کی یہ کرامت دیکھ کر جوگی مسلمان ہو گیا۔ جب مادھو راجہ مان سنگھ کی ملازمت چھوڑ کر لاہور آیا تو جوگی نے تسبیح، مصلےٰ اور پگڑی جو زمین سے برآمد ہوئی تھیں مادھو کے سپرد کر دیں۔

مادھو لال حسین کے مزار کے احاطہ میں ایک درخت کے نیچے اسی جوگی کی قبر بتائی جاتی ہے جو "خاکی دیوان" کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

چوکڑیاں کا میلہ

قصور

میلے کی کیفیت قصور (ضلع لاہور) میں بسنت کے موقعہ پر بابا امام شاہ بخاریؒ کے مزار پر چوکڑیاں کا میلہ بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے، جس میں عام میلے ٹھیلوں کی سی باتیں ہوتی ہیں یعنی اشیائے خوردو نوش کی دکانیں لگتی ہیں۔ گانا بجانا ہوتا ہے۔ عام لوگ شور و غل مچاتے سیر و تفریح کرتے نظر آتے ہیں۔

نام کی وجہ بابا امام شاہ بخاریؒ کا مزار بارونق بازار میں واقع ہے۔ یہ میلہ بابا صاحب ہی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اسے چوکڑیاں کا میلہ اس لیے کہتے ہیں کہ بابا صاحب اپنی جائے قیام پر سُکر کی حالت میں چوکڑی (آلتی پالتی) مار کر بیٹھے رہتے تھے۔

حالات بابا صاحب کے مفصل حالات ہمیں نہیں مل سکے۔ اتنا معلوم ہے کہ آپ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں قصور میں آکر مقیم ہوئے تھے۔

صدر دیوان میلے کے دن (جو بسنت کا دن ہوتا ہے) قصور میں صدر دیوان صدرالدین کے مزار پر بھی بڑی رونق ہوتی ہے اور میلے کا سا سماں نظر آتا ہے۔ غالباً یہی آپ کے عرس کا دن ہوتا ہے۔ یہ مزار آبادی سے تھوڑی دُور ایک چبوترے پر واقع ہے۔ آس پاس خوشنما پھول اُگے ہوئے ہیں۔

صدر دیوان قادری سلسلے کے بہت بڑے بزرگ اور مادھو لال حسین کے پیر بھائی بتائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

چھتل (پیر) کا میلہ

بلوچستان

بلوچستان کی تحصیل گنداوہ[1]، علاقہ کچھی کے مغرب میں چند میل کے فاصلہ پر سنگلاخ پہاڑیوں اور چٹانوں کا سلسلہ ہے جن کے بیچ ایک تنگ راستہ ہے جو درہ مولد سے جا ملتا ہے ان پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان پیر چھتل کے نام سے ایک بستی ہے۔ جہاں مغرب میں ایک چٹان پر پیر چھتل کی قبر بتائی جاتی ہے۔ یہاں ہر سال ماہ اگست کے اوائل میں ایک میلہ لگتا ہے جسے پیر چھتل کا میلہ کہتے ہیں۔

چشمہ خانقاہ کی مشرقی جانب چٹان کے دامن سے ایک چشمہ پھوٹتا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ چشمہ پیر چھتل کی کرامات میں سے ہے اور عام لوگوں میں پیر چھتل کے متعلق عجیب اور محیر العقول داستانیں مشہور ہیں۔

پیر چھتل کے دلفریب مناظر پیر چھتل کے قرب وجوار میں دریا کے کنارے کھجور، پیپل اور شیشم کے سایہ دار درختوں کے باعث اچھے اچھے مناظر ہیں اور موسم گرما میں یہ جگہیں بڑی پرلطف اور آرام دہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگ محض اسی آسائش کے خیال سے گرمیوں میں یہاں آجاتے ہیں، جس سے پیر چھتل کے میلے میں اور زیادہ رونق ہو جاتی ہے۔

میلے کی تقریبات یہ میلہ زیادہ سے زیادہ دو ہفتے تک رہتا ہے جس میں پہلوانی کے علاوہ رقص وسرود کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ قمار بازی اور اوباشی کے مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں۔

پیر چھتل کون ہیں؟ پیر چھتل کی مذہبی یا تاریخی حیثیت کا کچھ علم نہیں۔ مقامی روایات کے مطابق وہ ایک درویش صفت انسان تھے۔ اپنے وقت کے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ عقیدت مندوں کا ایک حلقہ اب بھی موجود ہے۔ جو ان کی قبر کو بہت مقدس جانتے اور مذہبی لاعلمی کے باعث فرطِ عقیدت سے مزار پر بہت سی غیر اسلامی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔

---

[1] گنداوہ کا شہر سڑک کے ذریعہ ڈاڈر، سبی، بھاگ اور نٹال سے ملا ہوا ہے وہاں سے ایک سڑک سبی اور دوسری جھل کو جاتی ہے۔

Marfat.com

خانقاہ ڈوگراں کا میلہ

خانقاہ ڈوگراں

لاہور سے قریباً ۴۰، ۴۵ میل کے فاصلے پر خانقاہ ڈوگراں نام ایک قصبہ[1] ہے، جو برلبِ سڑک واقع ہے۔ یہاں جولائی کے مہینے[2] میں ایک میلہ لگتا ہے جو تین دن تک جاری رہتا ہے۔

اس میلے میں عام میلوں کی طرح دکانیں لگتی ہیں۔ اشیائے خورد و نوش کے علاوہ مویشی بھی خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ نزدیک و دُور علاقوں کے کسان اور زمیندار شرکت کے لیے آتے ہیں۔ راگ رنگ کی محفلیں زیادہ دیکھنے میں نہیں آتیں۔ البتہ مختلف علاقوں کے کسان گروہوں کی صورت میں کہیں کہیں گاتے بجاتے ہیں۔

---

[1] اس قصبے میں میونسپل کمیٹی بھی ہے۔

[2] غالباً تاریخیں مقرر نہیں۔

Marfat.com

سچیار (پیر) کا میلہ

ضلع گجرات

جلال پور جٹاں، ضلع گجرات سے قریباً چار پانچ میل کے فاصلے پر پیر محمد سچیار نام ایک بزرگ کا مزار بتایا جاتا ہے، جہاں یکم ربیع الاول سے ۶ ربیع الاول تک ان کا عرس منایا جاتا ہے اس عرس کو لوگ زیادہ تر میلے کا نام دیتے ہیں اور عرس کے موقعہ پر میلے ہی کی طرح رونق دیکھنے میں آتی ہے۔

مقام جلال پور جٹاں ایک مشہور قصبہ ہے جو گجرات شہر سے قریباً ۸، ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ گجرات سے جلال پور جٹاں تک پختہ سڑک جاتی ہے۔ جلال پور جٹاں سے چار پانچ میل وہ مقام برلب چناب واقع ہے جہاں یہ میلہ لگتا ہے۔

میلے کی کیفیت میلے کے موقع پر دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ نعت خوانی اور قوالی ہوتی ہے۔ راگ رنگ کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ شامل ہونے والوں میں زیادہ تعداد کسانوں کی ہوتی ہے جو عموماً نواحی علاقوں یعنی گجرات اور جلال پور جٹاں کے دیہاتی ہوتے ہیں۔ شہری لوگ بہت کم شرکت کرتے ہیں۔

عرس پیر سچیار کا عرس بھی اسی دن ہوتا ہے۔ عرس کے موقع پر مزار پر قوالی کی جاتی ہے۔

پیر سچیار پیر سچیار کا اصل نام شیخ پیر محمد تھا۔ سچائی، راستی اور صدق و صفا کے باعث سچیار (سچے) کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ حاجی محمد نوشاہ کے خلفاء میں سے ہیں، اور بچپن ہی میں ان کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔

حاجی محمد نوشاہ کی وفات کے وقت پیر محمد دریائے چناب کے کنارے موضع کوشیرہ مغلاں میں رہتے تھے جو گجرات کے قریب ہی واقع تھا۔ وہیں ۱۱۵۲ ہجری میں وفات پائی۔[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل صہ ۲۰۲

شاہ جہانگیر کا میلہ

گجرات

گجرات شہر سے جلال پور جٹاں کی طرف جاتے ہوئے قریباً اڑھائی میل کے فاصلہ پر بولہ گاؤں کے قریب ہاڑ (جون) کی پہلی جمعرات کو شاہ جہانگیر کا میلہ منعقد ہوتا ہے۔

یہ میلہ دراصل ایک خانقاہ پر منعقد ہوتا ہے، جسے شاہ جہانگیر کی خانقاہ کہتے ہیں اور جو ایک حویلی[1] کے اندر واقع ہے۔ مزار سے کچھ فاصلے پر ایک پرانی اور غیر آباد مسجد ہے جو شاہی زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ جہانگیر ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے جو شاہ دولہؒ سے پہلے گزرے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ جب شہنشاہ جہانگیر کشمیر جا رہا تھا تو راستہ میں فوت ہو گیا۔ لاش لاہور لے جانے سے پہلے اس مقام پر لائی گئی اور اُسے چاک کر کے مسالے بھر دیے گئے تاکہ راستے میں خراب نہ ہو۔ چنانچہ جہانگیر کے مردہ جسم میں سے جو کچھ نکالا گیا اُسے یہاں دفن کر کے احترام کے طور پر اس زمانے میں یہاں ایک قبر بنا دی گئی اور ایک چھوٹا سا روضہ[2] بھی بن گیا، جسے باقاعدہ مزار کی شکل دے کر اُسے تقدس کا درجہ دے دیا گیا۔[3]

میلے کے موقعہ پر یہاں دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ دیہاتی بہت کثرت سے آتے ہیں اور مزار پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ قوالیاں ہوتی ہیں۔ تھیٹر لگتے ہیں۔ کشتیاں اور کبڈیاں ہوتی ہیں۔ زائرین کے لیے لنگر بھی جاری کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] اس حویلی میں کچھ لوگ آباد ہیں۔

[2] موجودہ روضے کی ہیئت بتاتی ہے کہ یہ مغلیہ دور کی تعمیر ہے۔

[3] مجھے اس خانقاہ کی صحیح تفصیل کہیں سے نہیں مل سکی۔ اس لیے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ (مصنف)

Marfat.com

قدموں کا میلہ

لاہور

لاہور میں مستی دروازہ کے باہر سرکلر روڈ پر فصل کی کٹائی کے دنوں میں قدموں کا میلہ لگتا ہے جسے پنجابی میں "قدماں دا میلہ" کہتے ہیں۔ یہ میلہ دروازہ کے باہر ایک خانقاہ پر منعقد ہوتا ہے۔

خانقاہ کے قریب برلبِ سڑک باغ میں دُور دُور تک شائقین کا اجتماع ہوتا ہے۔ دکانیں نہیں سجتیں البتہ لیسرور کے علاقے کی ہانڈیاں فروخت ہوتی ہیں اور ہانڈیوں کی دکانیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ اُسے ہانڈیوں کا بازار یا منڈی کہا جاسکتا ہے۔

اس موقع پر کچھ فقیر لوگ گروہ در گروہ یہاں آتے ہیں ان کے پاس لمبے لمبے جھنڈے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ڈھول بجاتے اور بچّوں کو لوریاں دیتے ہیں۔ رات کے وقت دیے روشن کر کے بیٹھ رہتے ہیں، اور اُٹھتے بیٹھتے ڈھول بجاتے رہتے ہیں۔

یہ میلہ تین دن تک جاری رہتا ہے۔

Marfat.com

گلاب شاہؒ (بابا) کا میلہ

رسول نگر۔ ضلع گجرانوالہ

ضلع گجرانوالہ میں رسول نگر کے مقام پر حضرت بابا گلاب شاہؒ کا سالانہ عرس ہاڑ (جون) کے مہینہ میں منایا جاتا ہے۔ اس عرس کو گلاب شاہ کا میلہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس میں بابا صاحب کے عقیدت مندوں کے علاوہ میلوں کے عام شائقین بھی شریک ہوتے ہیں۔ عرس کے موقعہ پر ختم اور نعت خوانی کے علاوہ عام میلوں ٹھیلوں کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔

مقام | وزیر آباد سے جو ریلوے لائن لائل پور کی طرف جاتی ہے، اس پر اکال گڑھ ایک ریلوے سٹیشن ہے جسے علی پور بھی کہتے ہیں۔ علی پور سے رسول نگر تک قریباً پانچ میل کا فاصلہ ہے اور پختہ سڑک جاتی ہے جس پر تانگوں اور بسوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔

حالات | بابا گلاب شاہ جن کا مزار رسول نگر میں ہے۔ بڑے خدا رسیدہ بزرگ بتائے جاتے ہیں۔ ان کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے تاہم مقامی لوگوں اور بابا صاحب کے عقیدت مندوں کا کہنا ہے کہ بابا صاحب بڑے پایہ کے بزرگ اور درویش تھے۔

مزار کے قریب لکڑی کی ایک پالکی سی رکھی رہتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں بابا صاحب کی گدڑی ہے جسے وہ زیب تن کیا کرتے تھے۔

ایک رسم | ایک رسم یہ بھی چلی آتی ہے کہ حقہ تازہ کر کے پالکی کے قریب رکھ دیا جاتا ہے، خاصی دیر گزرنے کے بعد اُسے عقیدت مند پینے لگ جاتے ہیں۔ اس رسم کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بابا صاحب کی زندگی میں ان کے مرید حقہ تازہ کر کے ان کے پاس رکھ دیا کرتے تھے چنانچہ انھیں مریدوں کی خدمت گزاری کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے بابا صاحب کی وفات کے بعد ان کے موجودہ مرید ان کی پالکی کے پاس حقہ رکھ دیتے ہیں۔

Marfat.com

گلوشاہ کا میلہ

ضلع سیالکوٹ

سیالکوٹ کی تحصیل ڈسکہ میں کوریکی ایک قصبہ ہے جہاں مویشیوں کی ایک بہت بھاری منڈی[ل] لگتی ہے۔ یہی گلوشاہ کا میلہ ہے جو ضلع سیالکوٹ کے عوامی میلوں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ میلہ ہر سال یکم اکتوبر کو لگتا ہے اور سات آٹھ دن تک رہتا ہے۔ لوگ بہت دور دور سے آتے ہیں۔

راستہ کوریکی ڈسکہ سے قریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ڈسکہ سے کوریکی تک کچی سڑک پر تانگے چلتے ہیں۔

میلے کے کوائف میلے کے موقع پر دور دراز کے لوگ مال مویشی فروخت کرنے کے لیے لاتے ہیں۔ چنانچہ یہ میلہ مویشیوں کی ایک بہت بھاری منڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس میں گائے، بھینس، اونٹ، گھوڑے، دنبے، بکریاں، بیل وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔ جنھیں خریدنے کے لیے چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کے علاوہ گرد و نواح کے بڑے بڑے زمیندار بھی آتے ہیں۔ اور ہزاروں روپے کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں راگ رنگ بھی ہوتا ہے۔ یہاں بابا گلوشاہ کا مزار بتایا جاتا ہے جہاں مختلف علاقوں سے قوال اور گویّے آتے ہیں۔ نعت خوانی بھی ہوتی ہے۔ تھیٹر لگتے ہیں۔ رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ کسان اپنے اپنے علاقوں کے دستور اور رواج کے مطابق گاتے بجاتے ناچتے اور خوش ہوتے ہیں۔

بابا گلوشاہ بابا گلوشاہ کا اصل نام گل محمد بتایا جاتا ہے۔ سیالکوٹ کی تحصیل پسرور کے ایک گاؤں لویرے میں ۱۷۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ایک

ل ضلع سیالکوٹ میں سیالکوٹ شہر، نارووال، پسرور، سمبڑیال، ڈسکہ اور شکرگڑھ بھی مویشیوں کی منڈیاں ہیں۔

Marfat.com

امیر خاندان کی عورت نے آپ کو اپنا متبنیٰ بنالیا۔ آپ اس عورت کے مویشی چرایا کرتے تھے۔ بعد ازاں سید معصوم علی شاہ کی خدمت میں رہنے لگے جو چک سادھ میں رہا کرتے تھے۔ تھوڑی مدت بعد آقا و مرشد کے حکم سے آپ موضع کوریکے میں چلے گئے جہاں ایک بزرگ جنھیں بابا وصول شاہ کہتے تھے ، کی صحبت سے استفادہ کیا اور عمر یہیں گذاری۔ آپ نوشاہی سلسلے کے بزرگ تھے۔ ۱۸۸۳ء میں انتقال فرمایا اور بابا وصول شاہؒ کے مزار کے قریب ہی دفن کیے گئے۔

ہر سال اسوج کی ۱۷ تاریخ کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

Marfat.com

ہرلاں والی کا میلہ

ضلع گجرانوالہ

ضلع گجرانوالہ میں ہرلاں[1] والی ایک قصبہ ہے جہاں ہر سال اسوج (ستمبر) کے مہینہ میں ایک عوامی میلہ لگتا ہے۔ اس میں قرب و جوار کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

راستہ گجرانوالہ شہر سے تانگے میں تہاڑی وال جاتے ہیں جو گجرانوالہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے وہاں سے ہرلاں والی تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مسافت پیدل طے کرنی پڑتی ہے۔

میلہ میلہ دو دن تک رہتا ہے۔ اس موقعہ پر دکانیں لگتی ہیں۔ گھریلو صنعت کاری کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ کھیل تماشے اور گانا بجانا ہوتا ہے۔ تھیٹر بھی آتے ہیں۔ میلے دیکھنے والوں میں اکثریت دیہاتیوں کی ہوتی ہے۔

---

[1] تھانہ قلعہ دیدار سنگھ۔

Marfat.com

جن کتابوں سے مدد لی گئی

نمبر شمار	نام کتاب	مصنّف
۱	اخبار الصالحین	نواب معشوق جنگ بہادر
۲	اخبار الاخیار (فارسی)	شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح
۳	تاریخ سندھ	ابوظفر ندوی
۴	سفینۃ الاولیاء	دارا شکوہ
۵	کنز الانساب المعروف انوار السیادت	(مطبوعہ فیروز پرنٹنگ پریس)
۶	یادِ رفتگان	منشی محمد دین فوق
۷	خزینۃ الاصفیا جلد اوّل و دوم (فارسی)	مولوی غلام سرور لاہوری
۸	انوار اولیاء	رئیس احمد جعفری
۹	تاریخ لاہور	کنہیا لال
۱۰	رودِ کوثر (تاج آفس کراچی)	شیخ محمد اکرام آئی-سی-ایس
۱۱	تاریخ مشائخ چشت (مطبوعہ دہلی)	خلیق احمد نظامی
۱۲	آثار الصنادید	سر سید احمد خان
۱۳	نافع السالکین	مولانا امام الدین
۱۴	معارج الولایت	غلام معین الدین
۱۵	مرأۃ الاسرار	عبدالرحمٰن چشتی
۱۶	منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر بدایونی
۱۷	تذکرہ شیخ رحمکار رح	سید سیاح الدین کاکاخیل
۱۸	شجرۃ الانوار	مولانا رحیم بخش فخری
۱۹	سیر الاقطاب (نولکشور)	شیخ اللہ دیا چشتی

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
۲۰	روضۃ الاولیا	میر سید غلام علی آزاد بلگرامی
۲۱	تذکرہ	خلیفہ محمد سعید و محمد صغیر حسین
۲۲	حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار	خواجہ امام بخش
۲۳	تذکرۃ الاولیاء	خواجہ فریدالدین عطار
۲۴	انوار العارفین	حافظ محمد حسین
۲۵	السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیۃ العلیۃ	مولانا اشرف علی تھانوی ؒ
۲۶	(رسالہ) سوانح عمری شجرہ شریف حضرت	غلام مصطفیٰ رحمانی
۲۷	شاہ عبدالرحمان	
۲۸	(رسالہ) ذکر ولی	مولوی سید کرم حسین شاہ
۲۹	(رسالہ) شجرہ طیبہ	(مطبوعہ) سپیشل پریس کلکتہ

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

تفاسیر و اسلامیات اور تاریخ و سیاسیات پر چند اہم تصنیفات

رحمۃ للعالمین - قاضی محمد سلیمان منصور پوری
اول تا سوم مجلد ۱۷-۰-۰
الفاروق - علامہ شبلی نعمانی ۴-۸-۰
حسین ابن علی - نکہت شاہجہان پوری ۲-۰-۰
تذکرۃ الاولیاء - شیخ فرید الدین عطار ۳-۰-۰
سید احمد شہید - مولانا غلام رسول مہر ۱۲-۰-۰
جماعت مجاہدین - مولانا غلام رسول مہر ۷-۰-۰
سرور عالم - مولانا غلام رسول مہر ۲-۸-۰
ایک اسلام - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۴-۰-۰
حرف محرمانہ - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۵-۰-۰
اللہ کی عادت - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۲-۸-۰
حرف آخر - ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ۲-۰-۰
زندگی کے نمونے - ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ۱-۸-۰
قرآنی دعوت انقلاب - مولانا محمد علی ایم اے ۳-۸-۰
اقبال قرآن کی روشنی میں - قاضی محمد ظریف ۶-۰-۰
نوادر اولیاء - رئیس احمد جعفری ندوی ۱۰-۰-۰
نہج البلاغت اردو ترجمہ مع متن
(کامل تین حصے - مجلد)
ترجمہ تہذیب - مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی
سید رئیس احمد جعفری ندوی
سید مرتضیٰ حسین فاضل (لکھنوی) ۲۵-۰-۰
حجۃ اللہ البالغہ اردو - مولانا محمد اسمٰعیل گودھروی ۲۵-۰-۰
سیرت ائمہ اربعہ - سید رئیس احمد جعفری ندوی ۷-۸-۰

تذکرہ غوثیہ - مولانا شاہ گل حسن ۵-۰-۰
تلخیص البخاری - سلیس اردو ترجمہ ۱۲-۰-۰
قرآنی دستور حیات - ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ۳-۰-۰
دو اسلام - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۳-۸-۰
دو قرآن - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۴-۸-۰
جہان نو - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۲-۰-۰
مرد مومن - ڈاکٹر میر ولی الدین ۲-۴-۰
اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام - نکہت شاہجہانپوری ۵-۰-۰
موازنۂ صلیب و ہلال - نکہت شاہجہانپوری ۲-۸-۰

تفاسیر قرآن پاک

تفسیر بیان القرآن (بارہ جلدوں میں)
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ۴۵-۰-۰
تفسیر حقانی (آٹھ جلدیں) مولانا عبد الحق حقانی (زیر طبع)
تفسیر موضح القرآن مولانا عبد القادر محدث ۴-۸-۰
تبویب القرآن - مولانا وحید الزمان ۸-۰-۰

قرآنی اخلاق - پروفیسر عبد الصمد صارم ۱-۴-۰
مقالات قرآنی - علامہ عبد اللہ العمادی ۳-۰-۰
تذکرہ حسینی - علم الدین قادری ۲-۰-۰
اسلام کے عالمگیر اصول - سید محمد حسن نقوی ۲-۰-۰
اسلام میں امامت کا تصور - بدر الدین بدر جالندھری ۱-۸-۰
خطبات بدر - بدر الدین بدر جالندھری ۴-۸-۰
عماد الدین - ابو القاسم دلاوری ۷-۸-۰

اسلام کا نظریہ جہاد - حکیم حمید زمان صدیقی ۲-۰-۰
اسلام کا نظریہ سیاست - حکیم حمید زمان صدیقی ۲-۰-۰
اسلام کا معاشیاتی نظام - حکیم حمید زمان صدیقی ۲-۰-۰
تعمیری انقلاب اور قرآنی اصول حکمت -
حکیم حمید زمان صدیقی ۲-۴-۰
تاریخ اسلام - عبد الحکیم نشتر جالندھری ۱۰-۰-۰
تاریخ تصوف اسلام - رئیس احمد جعفری ۳-۴-۰
تاریخ انقلابات عالم (اول و دوم)
سید ابو سعید بزمی ایم اے ۲۰-۰-۰
مختصر تاریخ اسلام - غلام رسول مہر ۲-۸-۰
بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد - رئیس احمد جعفری ۲۰-۰-۰
سیرت محمد علی - رئیس احمد جعفری ۱۰-۰-۰
دید و شنید - رئیس احمد جعفری ۹-۸-۰
کمال اتاترک - استاذ محمد محمد توفیق مصری ۲-۸-۰
ہمارا قائد - زیڈ اے سلہری ۲-۸-۰
جب خون بہہ رہا تھا - سید ابو سعید بزمی ایم اے ۲-۸-۰
سکھ عہد اسلام میں - عباد اللہ گیانی ۲-۰-۰
تاریخ انقلاب روس - شیر جنگ ۲-۸-۰
کارل مارکس اور اس کی تعلیمات - شیر جنگ ۲-۸-۰
ڈھاکہ پچاس برس پہلے - حکیم حبیب الرحمن شروانی ۲-۴-۰
وارن ہیسٹنگز اور انگریزی راج -
مترجمہ - اولاد علی گیلانی ۲-۱۲-۰
مفصل فہرست مفت طلب فرمائیے

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ دیگر اسلامی، ادبی، تاریخی، معاشرتی، اخلاقی، طبی اور فنی مطبوعات کے لیے ہماری مکمل فہرست "مخزن اردو" طلب فرمائیے نیز ہمارے ہاں پاکستان و ہندوستان کے ناشرین کی ہر قسم کی مطبوعات بھی مل سکتی ہیں۔ فرمائش روانہ کرتے وقت اپنی تمام پسندیدہ کتب کے نام لکھیے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارا فرض ہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران و ناشران کتب
کشمیری بازار لاہور ، اردو بازار لاہور ، بندر روڈ کراچی

Marfat.com

تفاسیر و اسلامیات اور تاریخ و سیاسیات پر چند اہم تصنیفات

رحمۃ للعالمین - قاضی محمد سلیمان منصور پوری
اول تا سوم مجلد ... ۱۷-۰-۰
الفاروق - علامہ شبلی نعمانی ... ۴-۸-۰
حسین ابن علی - نکہت شاہجہان پوری ... ۲-۰-۰
تذکرۃ الاولیا - شیخ فرید الدین عطار ... ۳-۰-۰
سید احمد شہید - مولانا غلام رسول مہر ... ۱۲-۰-۰
جماعت مجاہدین - مولانا غلام رسول مہر ... ۷-۰-۰
سرور عالم - مولانا غلام رسول مہر ... ۲-۸-۰
ایک اسلام - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ... ۴-۰-۰
حرف محرمانہ - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ... ۵-۰-۰
اللہ کی عادت - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ... ۲-۸-۰
حرف آخر - ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ... ۲-۰-۰
زندگی کے نمونے - ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ... ۱-۸-۰
قرآنی دعوت انقلاب - مولانا محمد علی ایم اے ... ۳-۸-۰
اقبال قرآن کی روشنی میں - قاضی محمد ظریف ... ۶-۰-۰
نوادر اولیا - رئیس احمد جعفری ندوی ... ۱۰-۰-۰
نہج البلاغت اردو ترجمہ مع متن
(کامل تین حصے - مجلد)
ترجمہ تہذیب - مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی
سید رئیس احمد جعفری ندوی
سید مرتضیٰ حسین فاضل (لکھنوی) ... ۲۵-۰-۰
حجۃ اللہ البالغہ اردو - مولانا محمد اسماعیل گودھروی ... ۲۵-۰-۰
سیرت ائمہ اربعہ - سید رئیس احمد جعفری ندوی ... ۷-۸-۰

تذکرہ غوثیہ - مولانا شاہ گل حسن ... ۵-۰-۰
تلخیص البخاری - سلیس اردو ترجمہ ... ۱۲-۰-۰
قرآنی دستور حیات - ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ... ۲-۰-۰
دو اسلام - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ... ۳-۸-۰
دو قرآن - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ... ۲-۸-۰
جہان نو - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ... ۲-۰-۰
مرد مومن - ڈاکٹر میر ولی الدین ... ۲-۴-۰
اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام - نکہت شاہجہانپوری ... ۵-۰-۰
موازنہ صلیب و ہلال - نکہت شاہجہانپوری ... ۲-۸-۰

تفاسیر قرآن پاک

تفسیر بیان القرآن (بارہ جلدوں میں)
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ... ۴۵-۰-۰
تفسیر حقانی (آٹھ جلدیں) مولانا عبد الحق حقانی (زیر طبع)
تفسیر موضح القرآن مولانا عبد القادر محدث ... ۳-۸-۰
تبویب القرآن - مولانا وحید الزمان
... ۸-۰-۰

قرآنی اخلاق - پروفیسر عبد الصمد صارم ... ۱-۴-۰
مقالات قرآنی - علامہ عبد اللہ العمادی ... ۳-۰-۰
تذکرہ حسینی - علم الدین قادری ... ۲-۰-۰
اسلام کے عالمگیر اصول - سید محمد حسن نقوی ... ۲-۰-۰
اسلام میں امامت کا تصور - بدر الدین بدر جالندھری ... ۱-۸-۰
خطبات بدر - بدر الدین بدر جالندھری ... ۴-۸-۰
عماد الدین - ابو القاسم دلاوری ... ۷-۸-۰

اسلام کا نظریہ جہاد - حکیم حیدر زمان صدیقی ... ۲-۰-۰
اسلام کا نظریہ سیاست - حکیم حیدر زمان صدیقی ... ۲-۰-۰
اسلام کا معاشیاتی نظام - حکیم حیدر زمان صدیقی ... ۲-۰-۰
تعمیری انقلاب اور قرآنی اصول حکمت -
حکیم حیدر زمان صدیقی ... ۲-۴-۰
تاریخ اسلام - عبد الحکیم نشتر جالندھری ... ۱-۰-۰
تاریخ تصوف اسلام - رئیس احمد جعفری ... ۳-۴-۰
تاریخ انقلابات عالم (اول و دوم)
سید ابو سعید بزمی ایم اے ... ۶-۰-۰
مختصر تاریخ اسلام - غلام رسول مہر ... ۲-۸-۰
بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد - رئیس احمد جعفری ... ۶-۰-۰
سیرت محمد علی - رئیس احمد جعفری ... ۱-۰-۰
دید و شنید - رئیس احمد جعفری ... ۹-۸-۰
کمال اتاترک - استاذ محمد محمد توفیق مصری ... ۲-۸-۰
ہمارا قائد - زیڈ - اے سلیری ... ۲-۸-۰
جب خون بہہ رہا تھا - سید ابو سعید بزمی ایم اے ... ۰-۸-۰
سکھ عہد اسلام میں - عباد اللہ گیانی ... ۲-۰-۰
تاریخ انقلاب روس - شیر جنگ ... ۲-۸-۰
کارل مارکس اور اس کی تعلیمات - شیر جنگ ... ۰-۸-۰
ڈھاکہ پچاس برس پہلے - حکیم حبیب الرحمن شروانی ... ۲-۴-۰
وارن ہیسٹنگز اور انگریزی راج -
مترجمہ - اولاد علی گیلانی ... ۲-۱۲-۰
مفصل فہرست مفت طلب فرمائیے

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ دیگر اسلامی، ادبی، تاریخی، معاشرتی، اخلاقی، طبی اور فنی مطبوعات کے لیے ہماری مکمل فہرست "مخزن اردو" طلب فرمایئے نیز ہمارے ہاں پاکستان و ہندوستان کے ناشرین کی ہر قسم کی مطبوعات بھی مل سکتی ہیں۔ فرمائش روانہ کرتے وقت اپنی تمام پسندیدہ کتب کے نام لکھیے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارا فرض ہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران و ناشران کتب
کشمیری بازار لاہور ، اردو بازار لاہور ، بندر روڈ کراچی

Marfat.com